۱۸۵۷ء

کے چشم دید حالات

(المعروف داستانِ غدر)

مصنف

سید ظہیر الدّین ظہیرؔ دہلوی

۱۸۵۷ء

کے چشم دید حالات

(المعروف داستانِ غدر)

مصنّف

سید ظہیر الدین ظہیرؔ دہلوی

شاگردِ ذوق دہلوی و داروغہ ماہی مراتب شاہ ظفر

ناشر

اریب پبلیکیشنز

1542 پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی

فون 23282550 / 23284740 فیکس 23267510

E-mail: apd@bol.net.in

کتاب : ۱۸۵۷ء کے چشم دید حالات

مصنف : سید ظہیر الدین ظہیر دہلوی

ناشر : اریب پبلیکشنز

سنہ اشاعت : 2006

قیمت : 125/-

ناشر

اریب پبلیکیشنز

1542 پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی

فون: 23282550 / 23284740 فیکس: 23267510

E-mail: apd@bol.net.in

فہرست مضامین

گذارش

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) سے لے کر بہادر شاہ ظفر کی جلاوطنی تک ڈیڑھ سو برس کا زمانہ اگرچہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے زوال کا زمانہ ہے، لیکن یہی وہ زمانہ ہے، جب وہ تمدن فروغ پذیر ہوا، جسے ہم "ہندو مسلم تمدن" یا آسان تر لفظوں میں "زبان اردو کا تمدن" کہہ سکتے ہیں- اردو شاعری اور فارسی نثر نگاری اس تمدن کی امتیازی خصوصیات تھیں اور مغلیہ ہندوستان کے اہل قلم اور اہل ذوق، عام اس سے کہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو، اپنی علمی ضروریات اور ادبی مشاغل کے لئے انہی دو زبانوں کا وسیلہ اختیار کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ رؤساء اور امراء شہزادگان اور راجگان یکساں طور پر فارسی اور اردو کے ان انشا پردازوں اور شاعروں کی سرپرستی فرماتے تھے-

۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ آزادی کے بعد یہ صورت حال بدل گئی لیکن اس تبدیلی نے بھی اپنی تکمیل کے لئے کم و بیش نصف صدی کا عرصہ لیا- منشی ہر گوپال تفتہ فارسی زبان کے آخری صاحب دیوان ہندو شاعر اور مہاراجہ کشن پرشاد شاد فارسی اور اردو شعر و ادب کے آخری سرپرست ہندو امیر تھے-

زیر نظر کتاب کے مصنف سیّد ظہیر الدین حسین ظہیرؔ دہلوی نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء سے ربع صدی پہلے اور نصف صدی بعد کا زمانہ پایا ہے اور اس عہد کی تبدیلیوں اور کیفیتوں کو چشم غور سے دیکھا اور اس کے گرم و سرد کو زبان تجربہ سے چکھا ہے اور اپنی اس خود نوشت سوانح عمری میں اپنی معلومات اور محسوسات کو بڑی سادگی اور بے تکلفی سے بیان کر دیا ہے-

یہ کتاب انیسویں صدی کے ایک ایسے سادہ مزاج اور راست بیان شخص کے واردات و مشاہدات پر مشتمل ہے جس نے اپنے ملک میں اس صدی کا سب سے بڑا انقلاب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کے نتائج و عواقب کو اپنی جان پر لیا تھا- پھر اسی سلسلے میں وہ

ہندوستان کے دل سے نکل کر اس کے دور دراز گوشوں تک پہنچا اور زندگی کی متنوع کیفیتوں سے بدرجہ شدید اثر پذیر ہوا۔ پس طراز ظہیری حقیقت میں انیسویں صدی کی ایک دلپذیر داستان ہے جسے شرفائے دہلی کے ایک خانماں برباد نمائندے نے بڑے دل آویز پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اس بیان میں ظہیر کا انداز نظر ہمیشہ روشن اور دامن خیال ہمیشہ کشادہ رہا ہے اور یہی داستان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ یہ کتاب آج سے کم و بیش چالیس برس پیشتر پہلی بار حبیب مکرم آغا محمد طاہر صاحب نبیرہ حضرت آزاد کے اہتمام سے چھپی تھی۔ اب اردو کے کلاسیکی ادب کے احیاء و تجدید کے ضمن میں جب اس کی دوبارہ اشاعت کا خیال پیدا ہوا، تو میں نے صاحب موصوف سے اس کی اشاعت کے حقوق مانگے اور بڑی آسانی سے حاصل کر لئے۔ آغا صاحب نے اس تصنیف لطیف کو روشناس خلق کر کے زبان ادب پر ایک احسان بے پایاں کیا تھا۔ میں نے اس احسان کا محض سایہ دراز کرنے کی سعی کی ہے۔ خدا کرے کہ میری یہ ناچیز کوشش اہل ذوق اور اہل علم کو پسند آ جائے۔

تمہید

بعد حمد و ستائش خداوند پاک اضعف العباد حقیر سید ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی خدمت احباب کرم فرما و مخلصان بے ریا و اصحاب باصفا میں گزارش پرواز ہے کہ عرصہ بعید و مدت مدید سے اکثر محبان باصفا و دوستان باوفا جویائے حال پر اختلال اس شکستہ بال کے تھے اور کیفیت سرگذشت اس خود فراموش کی طلب فرماتے تھے۔ فقیر بے سروپا بخیال گذشت آنچہ گذشت، گزشتہ را صلوٰۃ تصور کر کے بلطائف الحیل ایام گزاری کرتا رہا۔ انجام کار جب احباب صادق الوداد کا تقاضا حد اصرار سے تجاوز کر گیا اور فقیر کو بجز اقبال گنجائش عذر و معذرت نہ رہی اور خطوط کا ایک دفتر فراہم ہو گیا۔ ناچار بپاس خاطر چند محبانِ اخلاص کیش قدرے اجزائے پر ملال بسان نامہ اعمال سیاہ کرنے کا اتفاق ہوا اور تمامی سرگزشت بطور سوانح عمری روز ولادت سے تا زمانہ شیخوخیت راست راست بے کم و کاست بلا تصنع و بلا مبالغہ و بلا تصرف و بلا تحریف جو حوادث سر پر گزرے اور جو واقعات مدت العمر میں پیش آئے ہیں قلم برداشتہ بقید تحریر لائے جاتے ہیں۔ کسی کی توہین و مذمت و ستائش و مدحت سے سروکار نہیں۔ صلہ و مزد تحسین و آفرین کا طلب گار نہیں۔ عبارت نگاری اور انشا پردازی سے بحث نہیں۔ راست بیانی اور صدق گفتاری سے کام ہے۔ مقفیٰ و مسجع سے طبیعت عاری ہے۔ ہر چند کہ میری طرز تحریر آج کل کے عبارت نگاروں کے خلاف ہے، ہوا کرے۔ مجھے اپنے ادائے مطلب سے مراد ہے۔ کسی کی عذب البیانی و رطب اللسانی سے کیا غرض، میں اپنی سیدھی سادی روزمرہ کی بول چال میں اپنی سرگزشت لکھ رہا ہوں۔ اخبار نویس نہیں، قصہ خواں نہیں۔ میری جو زبان مادری ہے، زمانہ شیر خوارگی میں جو الفاظ اپنے پالنے والوں کی زبان سے سنے ہیں وہ میرے ذہن نشین ہو گئے ہیں اور میرے استاد و اتالیق

نے جو مجھے تعلیم کئے ہیں وہ نقش کالحجر ہیں- میری زبان اور میری قلم سے وہ ہی کلمے نکلتے ہیں اب اگر لاکھ دوسروں کی تقلید کروں تو کیا ہو سکتا ہے، زبان مادری بدلی نہیں جا سکتی ہے-

اکثر مکالمات اور بیانات میں جو الفاظ میں نے دوسروں کی زبان سے سنے ہیں من وعن وہ کے وہی برقرار رکھے ہیں- اپنی جانب سے تبدل اور تحریف کو روا نہیں رکھا- جو واقعات میری نظر سے گزرے اور بیانات کہ میں نے اپنے کان سے سنے اسی طرح درج صحیفہ کئے ہیں- دروغ برگردن راوی-

مثلاً ایام غدر میں جو معرکہ جنگ کے حالات زبانی مردمان فوج باغیہ میرے گوش گزار ہوئے، وہی لکھتا ہوں اور بازاری گپوں کا اعتبار نہیں- ان سے مجھے احتراز ہے-

☆

پہلا باب

میرے آبا
شنیدہ کے بود مانند دیدہ

چہ پرسی از سروسامانیم عمریست چوں کاکل
سیہ بختم پریشاں روزگارم خانہ بردوشم

سلسلہ نسب فقیر ظہیر حضرت علی مرتضے شیر خدا علیہ الصلوۃ والسلام تک پہنچ کر منتہی ہوتا ہے۔ سترہ پشتیں جد امجد حضرت شاہ نعمت اللہ ولی رحمہ اللہ علیہ تک پہنچتی ہیں اور حضرت شاہ نعمت اللہ ولی سے تا حضرت امام ہمام امام رضا علیہ السلام ہشت پشت منتہی ہوتی ہیں اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے تا حضرت علی مرتضے کرم اللہ وجہہ آٹھ پشت جاکر منتہی ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کے نبیرگان شاہ نور اللہ اور شاہ حبیب اور شاہ محب اللہ خلف شاہ خلیل اللہ ابن شاہ نعمت اللہ ولی زمانہ سلطنت بہمنیہ میں حسب الطلب بادشاہ بہمنیہ ہندوستان میں تشریف لائے اور بادشاہ بہمنیہ کے پیرومرشد تھے۔ چنانچہ مزار مبارک بزرگوار ممدوح کا شہر بیدر تخت گاہ شاہان دکن میں اب تک موجود ہے۔

دیگر بزرگان فقیر دربار سلاطین گورگانیہ آل تیمور میں عہدہ ہائے جلیلہ و مناصب عظمے پر فائز و ممتاز ہوتے چلے آئے ہیں۔ حتی کہ تا اختتام سلطنت تیموریہ بادشاہ اخیر حضرت

سراج الدین محمد ابو الظفر بہادر شاہ دہلی والد بزرگوار فقیر حقیر اعنی حضرت شاہ جلال الدین حیدر المخاطب بہ خطاب حلاج الدولہ مرصع رقم خاں بہادر منصب استادی حضرت بادشاہ عرش آرامگاہ پر سرفراز تھے۔ونیز فقیر ظہیر سن دوازدہ سالگی میں بخدمت داروغگی فوربیگی میں سرفراز کیا گیا تھا اور تمام کارخانہ جلوس شاہی مثل ماہی دمراتب وعلم وسواری وچتر فقیر کی تفویض میں تھا۔وبصلہ خدمتگاری خطاب راقم الدولہ داروغہ فوربیگی پیش گاہ سلطنت سے عطا ہوا تھا۔حاملان عہدہ ہائے مذکورہ بالا ماتحت فقیر حقیر تھے۔

میری ولادت:

حال ولادت فقیر شکستہ بال بدیں عنوان ہے کہ والدین فقیر وجد ماجد فقیر کو اولاد کی نہایت تمنا تھی۔قبل ولادت فقیر چند اولاد والد ماجد تلف ہو چکے تھے۔جب میں پیدا ہوا تو میرے بزرگوں کی نہایت خوشی حاصل ہوئی اور غایت ناز و نعم سے میری پرورش ہونے لگی۔تمام گھر کی آنکھ کی پتلی کا تارا میں تھا اور والد بزرگوار اس زمانہ میں لکھنو بدرماہہ بیش قرار ملازم تھے اور جد بزرگوار دہلی میں حضرت بادشاہ کے خط نسخ میں استاد تھے۔

جب میرا سن چار سالگی کی پہنچا تو میری والدہ نے مجھے روزہ رکھوایا۔کیونکہ انہوں نے خدا کی جناب میں منت مانی تھی۔نہایت دھوم سے روزہ کشائی کی تقریب عمل میں آئی۔زاں بعد میں ساڑھے چار برس کا ہوا تو میرا ختنہ کرایا گیا اور میری مسلمانی اور تسمیہ خوانی کی تقریب شامل کرکے بڑی دھوم سے شادی بسم اللہ کی۔شہر کے عمائد وامرا و شاہزادگان وغیرہ فراہم ہوئے تھے اور دو روز تک محفل رقص و سرود گرم رہی اور تمام عمائد کے یہاں تورے تقسیم کئے گئے۔چند روز تک پخت طعام اور تورہ بندی جاری رہی۔

میں نے اپنے والد بزرگوار کی زبانی سنا ہے کہ تیری بسم اللہ کے روز عزیز واقارب وغیرہ نے سو اشرفی تیرے ہاتھوں میں دی تھیں۔غرضکہ میری بسم اللہ اس دھوم سے ہوئی تھی کہ میری شادی کتخدائی بھی اس دھوم سے نہیں ہوئی۔

تعلیم:

بعد بسم اللہ مجھے مکتب میں بٹھایا گیا اور جناب استاد شیخ صفدر علی صاحب میری اتالیقی اور استادی پر مقرر ہوئے اور بہت سے اطفال ہم سن میرے ہم مکتب ہوئے۔میں نے ابجد

خوانی کے بعد کلام مجید شروع کیا اور ہمراہ پند نامہ سعدی جب کلام مجید ختم کیا تو گلستان و بوستان بھی میں ختم کر چکا تھا اور کتب درسیہ مثل بہار دانش و یوسف زلیخا و دیگر انشا وغیرہ دیکھتا تھا۔ ابوالفضل۔ سکندر نامہ تک میں نے شیخ صاحب مرحوم سے پڑھا اور بعد کتب دیگر پنجر قعہ وسہ نثر ظہوری وملا طغرا۔ قصائد عرفی وخاقانی۔ وقائع نعمت خان عالی مختلف استادوں سے پڑھیں۔ بعد مطالعہ کتب فارسی کتب عربی کا مطالعہ میں نے مولانا قاری سید جعفر علی سے مدرسہ میں کیا۔ غرضکہ سن دوازدہ سالگی تک درس و تدریس کا اتفاق ہوا اور بعد ملازمت شاہی کے نوکری سے فرصت نہ حاصل ہوئی کہ تحصیل عربی تکمیل کو پہنچی۔ ہدایت النحو تک میں نے صرف و نحو دیکھی ہے مگر ہاں کتب سیر و تواریخ مثل روضۃ الصفا و روضۃ الاحباب و تاریخ وشاہنامہ وغیرہ میری نظر سے گزرے ہیں۔

شاعری کا آغاز:

ابتدا شعرو سخن کی یہ ہے کہ میں جس زمانہ میں بہار دانش و زلیخا پڑھتا تھا ایک روز والد بزرگوار کے ایک دوست قدیم میاں نبی بخش صاحب نبیسہ شاہ نصیر تشریف لائے اور میرے مکتب ہی میں دونوں بزرگوار بیٹھے ہوئے تھے کہ میاں نبی بخش صاحب نے ایک شعر کسی استاد کا پڑھا۔ میرے والد نے فرمایا کہ کیا لاجواب وعمدہ مطلع کہا ہے۔ سبحان اللہ۔

وہ یہ شعر تھا۔

ہم سے پھری چشم یار دیکھیے کب تک رہے

گردش لیل و نہار دیکھیے کب تک رہے

مطلع کا کلمہ سن کر میرے کان کھڑے ہوئے۔ ڈرتے ڈرتے اپنے والد بزرگوار سے دریافت کیا کہ مطلع کے معنی کیا ہیں اور مطلع کسے کہتے ہیں۔ والد ماجد نے پہلے تو مجھے مطلع و مقطع کے معنی سمجھائے اور پھر فرمایا کہ علم عروض میں اول جو شعر لکھا جاتا ہے اس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے۔ اسے مطلع کہتے ہیں اور جس کے اخیر مصرع میں قافیہ ہو، اسے شعر کہتے ہیں اور شعر کی تعریف بیان کی۔ غرضکہ سب ارشادات جناب ممدوح میرے ذہن نشین ہو گئے اور میں نے فی البدیہہ ایک مطلع اور ایک شعر اسی وزن پر موزوں کر کے پڑھا تو والد بزرگوار اور عموی صاحب میاں نبی بخش صاحب نہایت خوش ہوئے اور میاں نبی بخش صاحب نے مجھے پیار کیا اور کہا کہ تو لاکلام شاعر ہوگا۔ وہ مطلع اور شعر یہ ہیں۔

(مطلع)

صحبت اغیار و یار دیکھیے کب تک رہے　　مجھ سے یہ دار و مدار دیکھیے کب تک رہے
غیر سے دل تیرا یار صاف ہے آئینہ وار　　میری طرف سے غبار دیکھیے کب تک رہے

بس وہ تعریف اور عنایات ان بزرگواروں کی میرے حق میں بارود میں شتابہ اور سونے پر سہاگہ کا کام کر گئی اور مجھے شوق شعر و سخن پیدا ہو گیا اور روز بروز اوسی جوانی کی طرح ترقی پذیر ہوتا چلا گیا- اب یہ کیفیت ہوئی کہ جس کی زبان سے شعر اچھا سنا وہ دل میں نقش ہو گیا- گھر کے کتب خانہ کو دیکھا تو اہل فارس کے دواوین بکثرت نظر آئے- شعرائے فارس کے انتخاب بطور تذکرہ گھر میں موجود تھے- ان کو دیکھنا شروع کیا- اردو کی غزل جس استاد کی سنی یاد کر لی- دیوان ناسخ اور آتش اور واسوخت اور مثنویاں وغیرہ لکھنؤ سے چھپ کر تازہ تازہ دلی میں آگئی تھیں- شبانہ روز ان کے دیکھنے کا مشغلہ رہنے لگا- ایک دو غزلیں بھی ٹوٹی پھوٹی لکھیں اور میاں نبی بخش صاحب کو دکھائیں- لیکن والد صاحب منع فرماتے تھے کہ تو شعر نہ لکھا کر- حالانکہ خود شاعر لاجواب تھے- شاہ نصیر صاحب شاگرد تھے- غرضکہ انہیں ایام میں حافظ قطب الدین صاحب مشیر شاگرد شاہ نصیر صاحب مرحوم نے شاہ صاحب کے مکان میں مشاعرہ قرار دیا- چونکہ مکان مشاعرہ میرے مکان سے بہت قریب تھا، میں شامل بزم ہونے لگا- اول غزل میں نے اسی مشاعرہ میں پڑھی ہے- اور جناب شیخ محمد ابراہیم صاحب ذوق خاقانی ہند کا جا کر شاگرد ہوا- اور داغ صاحب بھی شریک مشاعرہ تھے اور بہت سے نام آور شعرا موجود تھے- میرا سن کم و بیش اس زمانہ میں چودہ سال کا ہوگا- اس کے بعد دہلی میں ایک دو جگہ اور مشاعرے ہوئی تو میں ان میں شریک نہ تھا- طبعی طور پر طبع آزمائی کیا کرتا تھا- حضرت استاد مرحوم کی خدمت میں جانے کا اتفاق تو ہمیشہ ہوتا لیکن غزلیں اکثر کم ہی دکھانے کا اتفاق ہوا- الا فیضان محبت استاد سے بہت کچھ فائدہ حاصل ہوا- میں نے جب غزل بنا برا صلاح پیش کی اور جناب ممدوح نے اسے ملاحظہ فرمایا- جب مقطع پر نظر پڑی تو خوش ہو کر یہ شعر پڑھا-

دیوان ظہیر فاریابی　　در مکہ بدزد گر بیابی

اور نیز زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ انشاءاللہ تو شاعر ہوگا- اسی کلام معجز نظام کا تصرف ہے جو میری زبان سے جاری ہوتا ہے- بعد انتقال استاد مرحوم چند قصائد اور اکثر

غزل نگاری کا اتفاق ہوا- مگر افسوس ہے کہ وہ سب سرمایہ ایام غدر میں تلف ہو گیا- فقط دو غزلیں کہ مشہور ہو گئی تھیں اور لوگوں کو یاد تھیں اور مجھے بھی چند شعر یاد رہے وہ باقی رہے او سب کلام ضائع ہو گیا-ازاں جملہ ایک دو شعر مجھے یاد ہیں- مطلع قصیدہ در مدح بادشاہ-

ہوائے موسم باراں سے کچھ بعید نہیں ‏ ‏ بنے جو خانہ گلشن نگار خانہ چیں

نسیم آیہ سبحان ربی الاعلے ‏ ‏ گلوں کے کان میں کرتی ہے صبحدم تلقیں

شعر قصیدہ دوم در مدح ولی عہد-

نسیم مست نکلتی ہے جوش مستی میں ‏ ‏ لپٹ لپٹ کے جوانان باغ سے ہربار

اشعار قصیدہ در مدح محبوب علی خاں مختار بادشاہ-

سال میں ایک مہینہ رمضاں کا ٹھیرا ‏ ‏ حکم کرتا ہے پئے صوم خدائے متعال

اور مجھے چار مہینے متواتر گزرے ‏ ‏ آخری ماہ جمادی سے لگا تا شوال

روزے رکھوائے مجھے چار مہینے پیہم ‏ ‏ لیکن آیا میرے افطار کا اب تک نہ خیال

ایک غزل حسب فرمائش مہاراجہ اجیت سنگھ عموی مہاراجہ والی ریاست پٹیالہ جس کے صلہ میں ایک ہزار روپیہ کی گھڑی مجھے عنایت ہوئی تھی دو سو روپیہ مطلع کے اور آٹھ سو روپیہ شعروں کے حساب سے صلہ ہوا تھا- مطلع تھا-

خوں بہائے عاشق ناشاد کیا ‏ ‏ دلبروں کی داد کیا فریاد کیا

دوسری غزل کے دو شعر-

چاہت کا جب مزا ہے کہ ہوں وہ بھی بیقرار ‏ ‏ دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

سوائے ان دو غزلوں کے کلام سابقہ میں سے کچھ باقی نہ رہا

اساتذہ اور معاصرین:

بعد انتقال حکیم مومن خاں صاحب و شیخ محمد ابراہیم ذوق مرحوم و مغفور کے مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب، مفتی صدر الدین خاں صاحب آزردہ، حکیم آغا جان صاحب عیش- غلام علی خاں صاحب [1]وحشت اور نواب مصطفے خاں صاحب شیفتہ مشاہیر روزگار مستند اوستادی کے سزاوار تھے- ان حضرات کے قطع نظر ہم لوگ نوخیزوں میں تصور کئے جاتے تھے- درجہ اول پر مرزا [2]زین العابدین خاں صاحب عارف درجہ دوم سید معین

۱۔ مرزا غالب نے اس شعر میں انہیں کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید

مرگیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہیں

۲۔ مرزا زین العابدین خاں عارف ۔ مرزا غالب کی بیوی کے بھتیجے تھے ۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الدین صاحب معین درجہ سوم حافظ قطب الدین صاحب مشیر مگر حافظ مرو ن اور کہنہ مشق تھے ۔ ان کے شاگرد بھی بکثرت ہیں ۔ ان کو درجہ دوم میں تصور کرنا زیبا ہے ۔ علی ہذاالقیاس مرزا رحیم الدین صاحب حیا بھی خوش بیان اور کہنہ مشق درجہ دوم میں شمار ہوتے تھے ۔ ان کا کلام بھی پایہ استادی سے ہم پایہ تھا ۔ ان بزرگواروں کے بعد چند نوجوان نوخیز ۔ نوعمر ۔ شوخ طبع بامزاق ۔ جدت پسند نازک خیال ہمعصر کہ زمانہ حال کے موافق اگر غور کیا جائے تو ہر ایک یگانہ روزگار تھا ۔ نواب مرزا خان اور صاحب داغ ۔ میر مہدی حسین صاحب مجروح ۔ سید شجاع الدین ا؎ عرف امراؤ مرزا تخلص انور ۔ مرزا قربان بیگ صاحب سالک ۔ مولوی عبدالکریم صاحب سوز، خلف مولوی امام بخش صاحب صہبائی ۔ حکیم غلام مولے قلق شہزادہ مرزا پیارے صاحب شہرت ۔ مرزا قادر بخش صاحب صابر ۔ میاں خدا بخش صاحب تنویر ۔ غلام احمد صاحب تصویر ۔ عبدالقادر صاحب توقیر ۔ یوسف علی خاں صاحب عزیز مولوی امیر مرزا خورشید ۔ میاں تشنہ صاحب آغا مرزا صاحب ، برادر خورد داغ صاحب تخلص شاغل ۔

اس قدر احباب ایک مکان پر وقت شام بلاناغہ ہم جلیس ہوتے تھے اور باہم داد سخن دیتے تھے ۔ زمانہ غدر تک یہ گلزار سخن شاداب و سیراب تھا اور یہ خوشنوا یان چمن ایک جا فراہم ہو کہ نواسنجیاں کرتے تھے ۔ فقیر بھی اس بوستان تاراج شدہ کا ایک نخل خزاں رسیدہ ہے ہیہات ہیہات کیا تھا کیا ہو گیا ۔ زمانہ غدر کے بعد اس مرقع کا شیرازہ جمعیت درہم برہم ہو کر ورق ورق منتشر ہو گیا ۔

(بقیہ حاشیہ) شاعری میں مرزا ہی کے شاگرد تھے ۔ عین جوانی میں وفات پائی ۔ مرزا غالب نے انہیں کی وفات پر کہا تھا ۔

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف

ا۔ سید شجاع الدین عرف امراؤمرزاانور حضرت ظہیر مصنف کتاب ہذا کے چھوٹے بھائی تھی۔ استاد ذوق کے شاگرد تھے۔ بعد میں مرزا غالب سے بھی اصلاح لی۔ لیکن شعر میں مومن کے مقلد تھے۔ یہ شعرانہیں کا ہے۔

نہ ہم کھچے نہ تم آئے کہیں سے پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

والدہ کی وفات:

پہلے شفقت والدین کا حال معرض بیان میں آ چکا ہے۔ اب اعادہ اس کا فضول ہے خصوصاً والدہ فقیر کہ بسبب مہر مادری مجھ پر اور میرے چھوٹے بھائی امراؤمرزا انور پر جان ودل سے فدا تھیں اور شبانہ روز ہم دونوں کو مثل مردم چشم آنکھوں میں رکھتی تھیں۔ بے مہری چرخ تفرقہ پرداز سے سن ہشت سالگی میں ان کا سایہ دامان عاطفت میرے سر سے اٹھ گیااور وہ مخدومہ مہربان مجھے اور میرے بھائی کووالد بزرگوار کے سپرد کر کے داعی اجل کو لبیک کہہ کر بہ گوائے روضہ جنت ہوئیں۔ مجھے اول وہی صدمہ مہاجرت مادر مہربان کا ہوا۔ لیکن وقت رحلت میری مادر مہربان نے بحالت ہوش وحواس بموجودگی اپنے جملہ بزرگان و عزیزان پہلے ہم دونوں بھائیوں کو گلے سے لگایااور بہ کمال حسرت ویاس ہمارے والد بزرگوار کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہاکہ آپ کوان دونوں کی نسبت مہرو محبت پدری تو ہے لیکن ان کی نسبت مہر مادری بھی ضرور ہے۔ کیونکہ اب یہ بے ماں کے ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ مہر مادری رکھنے والا سوائے تمہارے کون ہے۔ اگر آپ نے ان کی نسبت کم توجہی کو کام فرمایاتو میں حشر میں دامن گیر ہوں گی۔ یہ کہہ کر اور کلمہ شہادت پڑھ کر راہی جنت ہوئیں۔ لیکن والد بزرگوار نے حسب وصیت مخدومہ فی الحقیقت محبت پدری و مہر مادری دونوں کو کام فرمایا۔ میری پرورش اور ناز برداری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرمایااور استاد تعلیم و تربیت پر مقرر فرمائے۔ ہزار ہاروپیہ میں نے بیدریغ صرف کیا۔ زمانہ طفولیت میں پتنگ اور کبوتروں میں صدہاروپے برباد کئے مگر جناب ممدوح نے مجھ سے کبھی دریغ نہ فرمائے جو طلب کیاوہ مجھے دیا۔ جب میں سن بلوغت کے قریب پہنچا تو مجھے گھوڑے کی سواری کا شوق ہوا۔ دو دو گھوڑے خریدے اوران کو کھلایااور تیار کیا۔ چڑھااترا۔ مگر یہ سب صرف اس جناب کے ذمہ رہا۔ مجھے ایک استاد چابک سوار کا شاگرد کرایااور سواری سکھلائی۔ گھوڑے کا بنانا اور چڑھنا۔ تیار کرنا اور عیب وصواب سے آگاہ ہونا یہ سب باتیں میرے استاد نے بتائیں۔

معمول و مشاغل:

میں علی الصباح قبل از نماز بامداد سوار ہو کر نوکری میں جایا کرتا اور قبل از بر امدن حضور پر نور زیر جھروکہ شاہی جاکر حاضر ہو جایا کرتا تھا۔ جس وقت حضور بر آمد ہوتے قلمدان کمر میں لگا کر ہو اور کے ہمراہ ہو لیتا تھا۔ جو کچھ شعر اشعار ہنگام سواری موزوں ہوا کرتے تھے لکھتا جاتا تھا۔ مگر جب تھوڑی دور پیادہ پا ہمراہ چلتا تھا تو از راہ الطاف خسروانہ حکم صادر ہو جاتا تھا کہ سوار ہو لے۔ عقب سواری مبارک دو ہاتھی رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک پر سوار ہو جاتا تھا۔ میری سواری کا گھوڑا کوتل میرے ہمراہ رہتا تھا۔ کبھی اس پر سوار ہو لیتا تھا۔ قصہ مختصر نو بجے کے بعد مکان پر واپس آجاتا تھا۔ میری نشست کا دیوان خانہ علیحدہ تھا۔ میرا چھوٹا بھائی امراؤ مرزا انور اور برادر عمہ زاد امیر مرزا خورشید ہم تینوں بھائی اس دیوانخانہ میں نشست رکھتے تھے۔ نو بجے صبح کے بعد دوست احباب فراہم ہوتے تھے اور اکثر طالب علم بھی ہمارے پاس سبق کو آتے تھے۔ دو گھنٹے کامل درس و تدریس کا شغل رہتا۔ اس اثنا میں شعر اشعار کا بھی تذکرہ ہو جاتا تھا۔ دواوین فارسی اور تذکرہ جات کی اشعار خوانی رہتی تھی۔ بعد گیارہ بجے صحبت برخاست ہو جاتی تھی۔ میں گھر میں جاکر کھانا کھاتا اور بعد تناول طعام گھنٹہ دو گھنٹے استراحت کر کے بیدار ہوتا تھا تو پھر احباب محلہ آبیٹھتے تھے۔ گنجفہ چوسر وغیرہ کا شغل رہتا تھا۔ پانچ بجے دن کے گھوڑے پر سوار ہو کر بازار کی سیر کو چلا جاتا تھا۔ بعد مغرب مکان پر آتا تھا۔ اور پھر احباب کا مجمع رہتا تھا۔ ہر طرح کی دل لگی رہتی تھی۔ ایک دو ستار نواز آجاتے۔ ستار طبلہ وغیرہ سے دل کو فرحت ہوتی تھی یا کسی اور شغل میں دل بہلاتے تھے۔ کبھی ایک دو دوست متفق ہو کر کسی دل لگی کی صحبت میں چلے جاتے تھے غرض گیارہ بجے شب تک اپنی خوش طبعی میں بسر کرتے تھے۔ کسی طرح فکر و غم لاحق حال نہ ہوتا تھا۔ دن عید، رات شب برات کی مانند بسر ہوتی تھی۔ سوائے ہنسنے ہنسانے کے اور خوش طبعی کے کوئی رنج پاس نہ پھٹکتا تھا۔ کوئی میلا تماشہ ایسا نہ ہوتا تھا جہاں اس مجمع احباب کا گزر نہ ہوتا۔ عجب ایک صحبت رنگین یاران خوش باش، خوش معاش لطیفہ سنج، بذلہ گو، ظریف الطبع کی فراہم ہوئی تھی۔ جن کو دنیا و مافیہا سے کچھ خبر نہ تھی۔ دن رات چہچہوں سے کام تھا۔ اس صحبت میں سب شریف زادے امیر زادے وغیرہ مجتمع تھے کوئی بد وضع، بد پیشہ، بد معاش

ہماری صحبت میں باریاب نہ ہوتا تھا- شہر کے شرفا میں سے ہر فن اور ہر کمال کا آدمی ہمارے پاس آتا جاتا تھا جو کسی فن کا اہل کمال دلی میں وارد ہوتا تھا ایک بار میرے مکان پر بھی ضرور اس کا گزر ہوتا تھا- غرضکہ اس خوشحالی اور فارغ البالی سے زمانہ عذر تک بسر اوقات ہوئی-

غدر سے چار ماہ پیشتر میری شادی ہوئی- اس زمانہ میں میرا سن کم وزیادہ بائیس سال کے قریب تھا کہ زمانہ غدار و فلک ناہنجار نے یہ آتش فتنہ و فساد برپا کی اور سنگ حوادث آسودگان بستر خواب ناز کے سر پر برسانے شروع کیے-وہ صحبتیں عیش و عشرت کی سب ایک قلم درہم وبرہم ہو گئیں-

ع- آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

ملازمت :

اول تو والد بزرگوار ہر طرح کی نازبرداری فرماتے تھے -دوم میں اپنی ذات سے بھی بچاس روپے ماہوار کا ملازم تھا- تیسرے باعث شعر و سخن راجہ اجیت سنگھ بہادر والی پٹیالہ قدردانی فرما کر میرے ساتھ سلوک ہوتے تھے- چہارم خرید و فروخت اسپاں میں مجھے مفاد کثیر ہوتا رہتا تھا- کبھی شکایت تنگ دستی نہ ہونے پاتی تھی- مہاراجہ اجیت سنگھ بہادر والی پٹیالہ نے صلہ غزل فرمائشی گھڑی معہ زنجیر طلائی قیمتی ایک ہزار روپیہ صلہ قصیدہ مدحیہ -خلعت دوشالہ زریں وسیلا مندیل،نارسی وپارچہ قیمتی شش صدر روپیہ عطا فرمایا-

جب میرا سن تیرہ برس کا ہوا تو میری والدہ کے خالو مرزا خان صاحب نے رحلت فرمائی اور وہ لاولد تھے -وار وغائی ماہی مراتب کی ان کے نام تھی، وہ وارد وغائی خالی ہوئی- اس پر امیدواروں کی درخواستیں بکثرت گذریں- اس سے پیشتر میری حاضر باشی حضور میں ہو چکی تھی- آٹھ برس کی عمر سے محل میں آتا جاتا تھا- میں بادشاہ کا شاگرد ہو گیا تھا، اصلاح لینے جایا کرتا تھا- میرے والد نے اس موقع کو بہت غنیمت سمجھ کر حضور میں عرض کی کہ خانہ زاد کا سن قریب پیری کے پہنچ کر ہے- امیدوار ہوں ہوں کہ غلام زادے سے نوکری لی جائے اور پیشگاہ حضور سے سب استاد زادگان کی پرورش ہو گئی ہے الا غلام ہنوز محروم ہے- یہ خدمت غلام زادے کو عطا فرمائی جائے کہ یہ ہر دو طرح سے مستحق اس عطیہ کبری کا ہے از روئے قرابت بھی اور میری جانب سے امیدوار پرورش ہے- چنانچہ وہ درخواست مقرون اجازت ہوئی اور دار وغائی ماہی مراتب پر مجھے سر فراز فرمایا گیا اور مقام ا- خواجہ

میں خلعت و رونمائی اور خطاب راقم الدولہ سید ظہیر الدین حسین خاں داروغہ فوز بنگی عنات ہوا اور میں نوکری میں حاضر باش رہنے لگا- جب سواری مبارک خواجہ صاحب میں رہتی تھی، میں وہیں رہتا تھا- دونوں وقت خواصہ کا خوان میرے واسطے محل سے آتا اور میں ایک دن بھی رکاب سعادت سے جدا نہ ہوتا تھا- تیرہ برس سے بائیس سال کی عمر تک نوکری میں حاضر رہا- غدر میں جب بادشاہ کے سب ملازموں کو جدا کیا گیا ہے میں بھی جدا ہوا ہوں-

شادی :

اور اسی سن سیزدہ سالگی میں میری نسبت قرار پائی- منگنی ہو گئی- بعد تین سال کے میرا عقد نکاح بھی ہو گیا- لیکن شادی کے رسوم ادا نہیں ہوئے تھے- ساچق مہندی- برات چوتھی وغیرہ باقی تھیں- رخصت نہ ہوئی تھی سامان جہیز وغیرہ سب امانت رکھا ہوا تھا- میرا آغاز شباب تھا بسبب امور خلاف تہذیب شادی کرنے میں مجھے تامل تھا- ایام گزاری کرتا تھا- اسی وجہ سے والد مہربان مجھ سے ناراض تھے- مجھے سلام کی اجازت نہ تھی- مگر میری والدہ نے مجھے لے جا کر ان کے قدموں پر ڈال دیا اور میرا قصور معاف کرایا اور میں شادی کرنے پر رضامند ہو گیا- دھوم دھام سے میری شادی ہوئی- اور سب رسومات حسب دستور ساچق مہندی برات ادا ہوئیں- رخصت بھی حسب زمانہ تکلف سے ہوئی- جہیز بھی پانچ ہزار روپیہ کا ملا سب باتیں ہنسی خوشی دل لگی کے ساتھ ہوئیں- بعد انفراغ شادی سب سامان جہیز کا کوٹھوں میں داخل کر کے قفل لگا دیئے گئے- اپنے گھر کا سامان استعمال میں لایا گیا-

تباہی کی پیش گوئی :

بعد چار ماہ کے غدر صاحب نازل ہوئے اس سامان میں سے ایک چھلا بکار آمد نہ ہوا- وہ سب سرکار انگریزی کے نذر ہوا- اس کے علاوہ چالیس ہزار روپیہ سے زائد کا اثاث البیت جو زمانہ بزرگان سے اندوختہ چلا آتا تھا وہ سب دستبرد افواج انگریزی میں تاراج ہوا-

---

ا- خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ سے مراد ہے-

ایسی ایسی نایاب چیزیں تلف ہوئیں کہ جن کی نظر ملنی محال ہے۔ بیس جلد کلام مجید مطلا مذہب جد بزرگوار کے ہاتھ کے اور سات کلام اللہ والد ماجد کے ہاتھ کے کاغذ یزدی کاشانی پانچ روپیہ دستہ پر اور بنا تیاری علاوہ اور ہزار جلد کتاب ہر اقسام کی وہ سب لٹ لٹا کر برابر ہوگیا۔ کوئی تین سو روپیہ کی کتابیں مثل تاریخ روضۃ الصفا۔ تاریخ فرشتہ۔ شاہنامہ ودیگر کتب میرے والد نے میرے لئے مجھی سے منگائی تھیں لوٹ میں گئیں۔ میری شادی کے ایک ماہ بعد میری چھوٹی بہن کی شادی قرار پائی۔ میری ملی اور میرے بہوئی آغا سلطان بخشی باہم ماموں پھوپھی کے بہن بھائی تھے۔ اس شادی کے سامان وغیرہ میں مہینہ بیس روز صرف ہوگئے اس کے ایک مہینہ بعد رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوا مجھے تو شادی کے دو مہینہ بعد بھی عیش و آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ ساتویں تاریخ رمضان کو شام کے وقت میں اور میرا بھائی امراؤ مرزا انور گھر سے روزہ بہلانے کے واسطے جامع مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر گزری کی سیر کر کے گھر کو واپس آنے لگے تو وقت تنگ ہو گیا تھا۔ میں نے بھائی سے کہا چلو نیا محل میں چل کر روزہ کھولیں گے۔ میں اپنی سسرال میں گیا۔ پہرے والوں نے اندر اطلاع کی۔ گھر میں سے مبارک خادمہ نے آکر کہا میاں آتے کیوں نہیں تم سے چھپنے والا کون ہے۔ فقط تمہاری خوشدامن ہیں۔ اور باقی سب بڑی بیگم صاحب کے ہمراہ بخشی جی کی شادی میں مہمان گئے ہوئے ہیں۔ فقط نواب صاحب اور تمہاری بھابو ہیں۔ میں نے کہ میرا چھوٹا بھائی میرے ساتھ ہے۔ تم پردہ کرادو غرض کہ وہ دالان میں چلی گئیں۔ چلمنیں چھوٹ گئیں۔ پردہ ہوگیا۔ باہر مکان کے صحن میں بنگلے کے آگے تختوں کا فرش تھا۔ وہاں نواب صاحب میرے خسر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اور میرے بھائی نے آگے بڑھ کر آداب کیا۔ فرمایا آؤ بیٹا بیٹھ جاؤ میں ہنوز بیٹھا ہی ہوں اور میرا بھائی میری برابر میں ہے کہ یکایک روزے کی توپ کی آواز آئی۔ روزہ افطار کر کے نماز پڑھی گئی۔ پھر کھانے کا دستر خوان بچھا۔ کھانا کھانے بیٹھے۔ دو لقمے کھا کر میرے خسر مجھ سے فرمانے لگے۔ بھئی نواب مرزا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں تلوار چلے اور خونریزی عظیم ہو۔ میں نے عرض کی حضرت آپ بزرگ ہیں۔ آپ یوں ہی فرمایا کرتے ہیں۔ شہر میں تلوار چلنے کے کون سے آثار ہیں۔

نواب صاحب: بیٹا تم کیا میری بات کو خلاف جانتے ہو۔ خدا کی قسم ایسا امر ہونے والا ہے۔ جب تو مجھے یقین کامل ہوا کہ ان کی رات کبھی خلاف نہیں ہوتی۔ میں نے پوچھا کہ

روس کی فوج آئے گی۔

نواب صاحب: اس کا علم اللہ کو ہے۔

پھر میں نے پوچھا کہ حضرت یہ امر کب تک ہونے والا ہے۔

نواب صاحب: کہنے والے تو یہی کہتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہے اسی رمضان میں ہو جائے اور بھئی دیکھو میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ میں بھی شہید ہوں گا۔

میں نے عرض کی حضرت خدا کے لئے آپ یہ تو نہ فرمائیے۔ خدا آپ کو ہمارے سر پر زندہ اور سلامت رکھے آپ ہماری سپر ہیں۔

نواب صاحب: مشیت ایزدی سے کچھ چارہ نہیں۔

القصہ ہم دونوں بھائی کھانا اور پان کھا کر رخصت لے کر اپنے گھر آئے۔

☆

دوسرا باب

سلطنت مغلیہ کی حالت

جہاں کھودو وہیں بنیاد کے پتھر نکلتے ہیں
بہت معمورہ ہستی میں اجڑے گھر نکلتے ہیں

فاعتبروا یا اولی الابصار

ہر چند سلطنت تو ڈیڑھ سو برس پیشتر خاندان عالی شان تیموریہ دودمان اولوالعزم گورگانیہ کو ھذا فراق بینی و بینک کہہ کر رخصت ہو چکی تھی۔ برائے نام بادشاہت رہ گئی تھی کیونکہ ایک چھوٹی سی ریاست ہندوستان کے برابر بھی بادشاہ دہلی کو وسعت مقدرت واستطاعت نہ رہی تھی۔ بقول سودا[1]

کہ ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند
رہی نہ اس کے تصرف میں فوجداری کول

فقط ایک لاکھ روپیہ ماہوار تو سرکار انگریزی سے آتا تھا اور کسی قدر پرگنات و محالات و تہ بازاری و کرایہ و کاکین و آمدنی باغات و طیول و نزول خالصہ وغیرہ کی آمدنی تھی۔ من کل الوجود سوا لاکھ روپیہ ماہوار تصور کر لینا چاہیے۔ مگر عظمت جلال شان و شوکت و تزک و احتشام و ادب و آداب دربار و انتظام سواری کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ ہاں کسی زمانے میں یہ خاندان عالی شان سنر اوار فرمانروائی ہندوستان جنت نشان ہوگا جل جلالہ مگر باوجود انحطاط و کسر تمول و قلت معاش دوامر حیرت خیز و تعجب انگیز ایسے نظر سے گزرے

---

[1] سودا کی مراد مغل بادشاہ یعنی شاہ عالم ثانی سے ہے۔ عہد مغلیہ میں ہندوستان ۲۲ صوبوں میں منقسم تھا۔

ہیں کہ مجھے آج تک ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے- اول تو خدائے عالم نے اس لاکھ روپیہ میں ایسی برکت عطا فرمائی تھی کہ وہ خیر و برکت و دست و استطاعت کروڑوں روپیہ کی ریاستوں میں بھی نہ دیکھی-

شریف اگر متضعف شود خیال مبند
کہ پائگاہ بلندش ضعیف خواہد شد

چار روپیہ کا سپاہی ہے وہ بھی خوشحال ہے اور بیش قرار درماہہ وار ہے وہ بھی مالا مال ہے- گردش روزگار کا کسی کو شاکی نہ پایا- یہ ثمرہ خوش نیتی تو نتیجہ علو ہمتی کا ہے- دوم قرائن دربار سلطانی و سطوت جہانبانی جو دربار شاہی میں دیکھے وہ کسی ریاست میں نہ پائے- خرچ و اخراجات شاہی پر جو نظر مغائر ڈالی جاتی ہے تو عقل حیران رہ جاتی ہے کہ یاالٰہی یہ کیا معاملہ تھا- اتنی برکت خزینہ شاہی میں کہاں سے آگئی تھی کہ ان اخراجات کو مکتفی ہوتی تھی-

شاہی کارخانہ جات خاصہ کلاں، خاصہ خورد آبدار خانہ، دواخانہ، توشے خانہ، جواہر خانہ، اسلہ خانہ، خانسامانی فیل خانہ- اصطبل بگھی خانہ، توپ خانہ، شتر خانہ، رتھ خانہ، کارخانہ جلوس ماہی مراتب (چتر و علم) بخشی خانہ فوج- کتب خانہ، کبوتر خانہ، داروغہ نذر نثار- داروغہ فراش خانہ، پالکی خانہ، داروغہ کہاراں- داروغہ خاص برداراں جمعدار صبیان- نواب ناظر افسر خواجہ سرایاں- کارخانہ داران کے نام بنظر طوالت قلم انداز کیے گئے-

افواج : سپاہ پلٹن- اگری پلٹن- بچھیرہ پلٹن- خاص برداران- رسالہ سواران-

معززین دربار معلیٰ : وزراء- پیر و مرشد اوستادان- علماء- حکما- شاہزادگان- نواب ناظر- بخشی فوج- برادران کسان کمیدان- کاملین پرفن مہتممان کارخانہ جات- عرغ بیگیان-

صیغہ ہائے تقسیم تنخواہ : تنخواہ محلات و شاہزادگان- صیغہ سرکار قدیم- صیغہ علاقہ بخشی گری- صیغہ روزینہ داران- تعلقہ نظارت- معززین دربار- ملازمان فوج-

دربار شاہی کے آداب :

جو قرینے دربار سلاطین دہلی کے تھے سوائے سلطنت ایران کے کسی سلطنت یورپ میں مروج نہیں- دیوان خاص کے وسط میں تخت طاؤس نصب ہوتا تھا اور بالائے تخت

نمگیرہ زریں چوبہائے نقرہ ملمع طلائی پر نصب کیا جاتا تھا۔ تخت طاؤس کے برابر چار گوشوں پر چار طاؤس طلائی مینا کار نصب ہوتے تھے۔ اور ان کی منقاروں میں بڑے بڑے موتیوں کی مالائیں جن میں زمرد کے گپھے ہوتے تھے آویزاں ہوتی تھیں۔ تخت طاؤس میں مسند تکیے لگائے جاتے تھے۔ جب بادشاہ دربار فرماتے تخت طاؤس کے دونوں پہلوؤں میں دو طرفہ دو صفیں درباراروں کی دست بستہ استادہ ہوتی تھیں۔ سب نیچی نگاہیں کیے کھڑے رہتے تھے۔ خاموش مجال کیا ہے کہ کوئی کسی طرف دیکھ لے یا کھجائے یا مسکرائے یابات کرے۔ دربار کے دونوں گوشوں پر دو قطار لکڑی بردار دو لکڑیاں سرخ لئے کھڑے رہتے تھے۔ ذرا سی کسی سے بے اعتدالی ہوئی اور گردن میں لکڑی ڈال کر دربار سے باہر کیا گیا اور روسائے ہند کا سا دربار نہ تھا دیوانِ خاص کے مقابل لال پردے کا دروازہ تھا۔ وہاں سرخ بانات کا پردہ کھچا رہتا تھا۔ جو شخص دروازہ میں سے داخل دیوان خاص ہوتا تھا۔ پہلے لال پردے کے آگے آکر سلام گہہ پر آکر استادہ ہوتا تھا۔ آداب و تسلیمات بجالاتا تھا اور تین سلام مؤدب بہت جھک کر بجالاتا اور نقیب لال پردے کے برابر سے آواز لگاتا۔ ملاحظہ آداب ہے آداب بجالاؤ۔ جہاں پناہ بادشاہ سلامت عالم پناہ بادشاہ سلامت۔ بعد اس کے شخص سلامی پہلو میں ہو کر عقب حمام کی جانب کے زینہ سے دیوان خاص کے چبوترہ پر چڑھتا اور نعلین خالی کرتا اور دیوان خاص میں جاکر دوبارہ دوسری سلام گاہ پر آداب بجاتا اور نقیب دربار بطور اول آواز لگاتا اور سلام کراتا۔ اگر نذر گذرانی ہے تو سیدھا تخت کی طرف جاکر نذر پیش کرے گا اور بادشاہ نذر اٹھا کر نذر نثار کے داروغہ کو دے دیتے۔ نذر نثار کا داروغہ تخت کے پہلو میں استادہ رہتا تھا اور ایک متصدی لکھتا جاتا تھا۔ مگر نذر دے کر پھر پچھلے قدموں ہٹ کر سلامگاہ تک جاتا اور با قاعدہ اول پھر اسی طرح آداب بجالاتا اور جہاں جاملتی صف دربار میں جاملتا تھا۔ تخت کے عقب میں خواص لوگ عہدے سے کھڑے رہتے تھے وہ بال ہماسے مگس رانی کرتے تھے۔ اگر کچھ عرض معروض کرنی ہے تو عرض بیگی دو صفوں میں دربار کے سرے پر کھڑے رہتے تھے۔ عرضی ان کو دے دی جاتی تھی اور وہ عرضی لے جاتے تھے۔ بادشاہ کے سامنے عرضی کو کھول کر ملاحظہ کرادیتے تھے پشت عرضی عرض بیگی کی جانب ہوتی تھی۔ بعد ملاحظہ عرضی خواص قلمدان پیش کرتا تھا۔ اور وہ بصورت آئینہ گھر کے مجوف تھا۔ اس میں قلم ہر طرح کے رکھے رہتے تھے۔ عرضی کو اس پر رکھا گیا اور بادشاہ نے پنسل سے دستخط فرمادیئے۔ جس محکمہ کے نام حکم

ہوا فوراً تعمیل ہوگئی- یہ قاعدے دربار شاہی کے تھے -ا؎

اہل کمال :

جو کاملین جس علم وفن کے ملازم سرکار بادشاہی تھے وہ فرد کامل اور انتخاب روزگار تھے- ان کی نظیر اور مثال بجائے دیگر غیر ممکن اور محال اگر بفرض محال تھے بھی تواسی سرکار ذوی الاقتدار کے وظیفہ خوار شمار کئے جاتے تھے-اگر کسی دوسرے جائے نوکر بھی ہوجاتے تو تھوڑا بہت وہاں سے بھی روزینہ پاتے رہتے تھے-برس چھ مہینے میں آکر آستانہ بوسی کرجاتے تھے-بعد بربادی قلعہ معلی اکثر اشخاص خانہ ویراں ہوکر اطراف وجوانب ہندوستان میں منتشر وپریشان ہوگئے-

مرزاجواں بخت کی شادی :

ہر چند کہ تقریبات بسیار ریاستہائے ہندوستان میں نظر سے گزری ہیں مگر جیسی شادی باز یب و تجمل شاہزادہ میرزاجواں بخت بہادر مرحوم کی ہوئی ایسی رنگین محفل وتقریب دلفریب باجاہ وحشم اس دریادلی کے ساتھ کہیں نظر سے نہیں گزری-بیان تکلفات رسوم ساچق ومہندی وبرات وآرائش شہر وروشنی ونقار خانہ جات وغیرہ فضول جان کر قلم انداز کیا

ا؎-ابولظفر محمد سراج الدین ظفر خانددان مغلیہ کے آخری بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے بیٹے اور شاہ عالم ثانی کے پوتے تھے-۱۷۷۳ء میں پیدا ہوئے-۱۸۳۷ء میں اکبر شاہ ثانی کی وفات پر بہادر شاہ ثانی کے لقب سے تخت نشین ہوئے-انہوں نے حکومت انگریزی سے اپنے وظیفہ میں اضافہ کے لئے درخواست کی تھی اور رام موہن رائے مشہور برہمو-ساج لیڈر کو راجہ کا خطاب دے کر وظیفہ میں اضافہ کے مقدمہ میں وکالت کے لئے انگلستان بھیجا تھا مگر حکومت نے یہ درخواست منظور نہ کی- ظفر کے عہد میں انگریزوں نے بادشاہ کی رہی سہی اہمیت بھی ختم کردی-اسی میں گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف ہند کی طرف سے بادشاہ کو نذر دینے اور اپنے تقرر کی تصدیق کرانے کا طریقہ بھی چھوڑ دیا بلکہ کمپنی کی حکومت شاہی خاندان کو قلعہ سے نکالنے اور ظفر کے بعد دہلی کی برائے نام مغل شہنشاہی کو بھی ختم کردینے کے درپے تھے کہ غدر ہوگیا-

ظفر اک قادر الکلام اور خوش گو شاعر تھے-شعراء اور اہل کمال کے قدردان تھے-استاد ذوق کے شاگرد تھے-ان کی وفات کے بعد مرزا غالب کو کلام دکھانے لگے-(نظیر)

جاتا ہے۔البتہ دو امر قابل نگارش ہیں۔ایک یہ کہ قرینہ محفل سب سے جداگانہ تھا۔دیوان کی بارہ دری میں جدا جدا محفلیں ترتیب دی گئی تھیں۔

ہر در میں ایک طائفہ جدا رقص کرتا تھا۔شاہزادگان کی محفل جدا ملازمین معززین کی انجمن جدا، فرقہ سپاہ کی بزم جدا، شاگرد پیشہ کے لئے جدا، اسی طرح ہر فریق کی محفل جدا تھی۔اہل شہر کے لئے حکم عام تھا کہ آئیں اور تماشائے رقص و سرود سے محفوظ ہوں۔رقاصان پری پیکر ہر طرف سرگرم ناز و انداز تھیں اور مہ جبینان ناہید نواز زمزمہ پرواز۔دس بارہ روز تک محفلیں گرم رہیں۔کل ملازمین شاہی و روٴسائے شہر کے واسطے تورہ جات کا حکم تھا۔جس کا جی چاہے زر نقد پچاس روپیہ تورے کی قیمت لے، خواہ تورہ لے جتنے قلم کے نوکر تھے نام بہ نام سب کو تورے تقسیم کئے جاتے تھے۔مثلاً میرے والد کا تورہ جدا، میرے نام جدا۔میرے چھوٹے بھائی کے نام جدا، وہ بھی نوکر تھا۔میری والدہ کے نام جدا۔ کیونکہ ایک تنخواہ ان کے نام بھی تھی۔میں نے مہتمان تورہ بندی سے کہلا بھیجا تھا کہ آٹھ روز کے بعد ایک تورہ بھجوا دیا کرو۔اس دریادلی سے تقسیم تورہ جات کی تھی۔جس روز تورہ آتا تھا تمام عزیز و اقارب دوست احباب کے گھر کھانا تقسیم ہوا کرتا تھا۔ایک تورہ میں طعام اس قدر ہوتا تھا کہ ایک محفل شکم سیر ہو کر کھالے۔میرے مکان کا تمام دالان بھر جاتا تھا۔ایک ایک طباق میں پانچ پانچ سیر کھانا ہوتا تھا۔چار چار، پانچ پانچ طرح کے پلاؤ رنگ برنگ کے میٹھے چاول، سرخ، سبز، زرد، اودے پانچ سیر کی باقر خانی ایک شیریں ایک نمکین اور کئی قسم کے نان غرضکہ اقسام خوردنی سے کوئی شے باقی نہ رکھی گئی تھی۔مختصر یہ کہ کسی ریاست میں ایسی پر تکلف کوئی تقریب نظر سے نہیں گزری جو اس گئی گزری سلطنت میں دیکھنے میں آئی۔اس کے علاوہ جن شعرا نے قصائد تہنیت اور سہرے وغیرہ لکھے تھے، باوجودیکہ ملازم تھے مگر سب کو صلے و خلعت و انعام عطا ہوئے۔شاگرد پیشہ کو جوڑے تقسیم کئے گئے۔[1]

---

[1] مرزا جواں بخت ہی کی شادی پر مرزا غالب اور استاد ذوق نے سہرے کہے تھے۔ذوق نے اس موقع پر ایک طویل قصیدہ بھی کہا تھا جس کا مطلع ہے۔

پائے نہ ایسا ایک بھی دن خوشتر آسماں
کھائے اگر ہزار برس چکر آسماں

شاہی سواری :بادشاہ کی سواری کی گاڑی میں سوار گھوڑے لگائے جاتے تھے اور نواب زینت محل بیگم صاحبہ کی سواری میں آٹھ گھوڑے لگائے جاتے تھے۔

کہاں وہ خسرو عالی نظر بہادر شاہ کہاں وہ سرورو نیکو سیر بہادر شاہ
کہاں وہ بادشہ دادگر بہادر شاہ کہاں وہ داور اورو الا گہر بہادر شاہ
کہاں سے باغی بے دین آگئے ہے ہے
کہ نام اس کا جہاں سے مٹا گئے ہے ہے
یہ کیسی آتش فتنہ لگا گئے ظالم جہاں میں ایک قیامت مچا گئے ظالم
غرضکہ نام خلافت اٹھا گئے ظالم بھوں کو مٹنے سے پہلے بنا گئے ظالم
کسی پہ قہر خدا کا نہ آفت آئی تھی!
یہ خاندان تمر پر قیامت آئی تھی

حضرت بادشاہ کیوان بارگاہ حق آگاہ معرفت دستگاہ جامع الکمال د مورد افضال حضرت ذوالجلال تھے۔ سوائے رتبہ اعلائے سلطنت دینوی تصفیہ باطنی سے بھی موصوف تھے۔ اکثر تصرفات حضرت کے سننے میں آئے ہیں۔ چنانچہ از انجملہ ایک یہ بھی تکیہ کلام حضرت کا تھا کہ میری اولاد ناحق آرزو سلطنت کی رکھتی ہے۔ یہ کارخانہ آگے کو چلنے والا نہیں ہے۔ مجھ ہی پر خاتمہ ہے، از تیمور تا ظفر، چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ حضرت کو بیعت میاں کالے خاں صاحب نبیرہ مولانا فخر الدین علیہ الرحمہ سے ہے اور مریدان حضرت بھی بسیار از بسیار تھے۔ اس کے علاوہ جمیع علوم و فنون غیبیہ میں دستگاہ تام رکھتے تھے۔

فن خوش نویسی : خط نسخ میں حضرت بادشاہ ظل اللہ میرے جد بزرگوار میر امام علی شاہ صاحب مرحوم کے شاگرد رشید تھے۔ میرے دادا نے میرے والد اور بادشاہ کو برابر بتایا تھا۔ دونوں بزرگوار خوش نویس لاثانی تھے۔ دہلی میں جتنے اس فن کے خوشنویس تھے میرے والد کے یا بادشاہ کے شاگرد تھے ایک بار ایک قصیدہ عربی سلطان روم کی مدح میں خدیو مصر کی جانب سے ولایت کو بھیجا گیا۔ اور ولایت سے دہلی میں آیا۔ طامس صاحب پریذیڈنٹ دہلی نے میرے والد سے کہا کہ آپ اسے لکھ دیجئے۔ والد نے جواب دیا میں بغیر اجازت حضور کے نہیں لکھ سکتا۔ آپ اجازت حاصل کیجئے، میں لکھ دوں گا۔ طامس قصیدہ کو لے کر حضور میں گئے اور تمام کیفیت عرض کی۔ حضور نے والد کو بلوا کر حکم دیا۔ خلیفہ! تم لکھ دو میرے

والد نے اس کی صحت کرا کے لکھدیا کہ طامس صاحب نے بہت سا سونا چڑھوا کر اسے تیار کرایا اور پھر وہ ولایت کو بھیجا گیا۔

فن شعر و سخن : حضرت بادشاہ شاعر لاجواب و زبان دان کامل تھے۔ کوئی محاورہ زبان کا باقی نہیں چھوڑا۔ پانچ دیوان موجود ہیں۔ شاہ نصیر مرحوم اور شیخ ابراہیم ذوق خاقانی ہند کے شاگرد تھے۔

فن سپاہ گری : بندوق ایسی لگاتے تھے کہ بایدو شاید۔ بال بیند ھا نشانہ اوڑاتے کبھی نشانہ خطا ہی نہ کرتا تھا۔ بارہا ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ جانور اڑتا ہوا جاتا ہے ہوادار پر بندوق دھری ہے، اٹھائی اور جھونک دی۔ چھتیانے کی حاجت نہیں۔ لوٹ پوٹ ہوا اور ہوادار میں آرہا۔ دریا میں مچھلی یا مگر نے منہ نکالا اور گولی منخرین پر پڑی اور چت ہو گیا۔

فن تیر اندازی : فن تیر اندازی میں بادشاہ آپا سنگھ سکھ کے شاگرد تھے۔ بادشاہ کی کثرت تیر اندازی کا حال میں نے اپنے والد کی زبانی سنا ہے کہ بادشاہ زمانہ ولی عہدی میں جوان تھے۔ تیر اندازی کی مشق بڑھانے کو دیوان خاص میں ایک جر ثقیل لگا رکھی تھی۔ تین من چنوں کی پوٹ نیچے لٹکتی تھی۔ جر ثقیل کے ذریعہ سے اسے چٹکی سے کھینچا کرتے تھے تیس ٹانک کمان کھینچنے پر قادر تھے۔ اچھی کمان کو کبادہ [1] بناکر پھینک دیتے۔ ایک دن سواری مبارک سلیم گڑھ سے قلعہ کو آتی تھی۔ راستہ میں مرزا فتح الملک بہادر ولی عہد ثانی کا باغ تھا۔ وہاں سے کچھ شور و غل کی آواز آئی تھی۔ فرمایا غل کیسا ہے۔ عرض ہوئی مرشد زادے تیر لگا رہے ہیں۔ حکم ہوا سواری ادھر لے چلو۔ غرض وہاں پہنچے۔ سب آداب بجا لائے فرمایا تیر لگاؤ۔ سب تیر لگانے لگے۔ فرمایا تیر کمان ادھر لاؤ۔ کمانوں کی کشتی پیش کی گئی

---

[1] کبادہ۔ محنت مشقت۔ رنج کھینچنا۔ اصطلاح میں اس کمان کو کہتے ہیں جو بہت نرم ہوتی ہے اور اس میں کئی جگہ چاک لگا دیئے جاتے ہیں اور تیر پھینکنے میں کمان کو زیادہ زور سے کھینچنا پڑے اور اسی طرح کمان کھینچنے کی مشق ہو۔ کبھی اس کا چلہ زنجیر کا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں اس کمان کو لیزم کہتے ہیں۔ استاد ذوق نے کہا ہے ؎

خبر کر جنگ نوفل کی تو مجنوں اہل ہاموں کو

کبادہ تا صبا کھچوائے شاخ بید مجنوں کو

ان میں سے ایک کمان اٹھالی- اور تین تیر کھینچ لئے اور استاد پر باقاعدہ کھڑے ہو کر ایک تیر لگایا- تیر تودہ میں پیوست ہوا- ایک بالشت باہر رہا سب نے تحسین آفرین کی- دوسرا تیر اور لگایا- وہ اس سے زیادہ تودہ میں داخل ہوا- تیسرا وہ بالکل مغروق تھا فقط لب سوفار ہی باہر رہے اور تمام تیر غرق تھا- نعرہ تحسین و آفرین بلند ہو گیا- یہ میری چشم دیدہ بات ہے-

شمشیر زنی : پھکیتی کے فن میں بادشاہ میر حامد علی صاحب کے شاگرد تھے- میر حامد علی و میر اشرف علی دونوں بھائی استاد کامل تھے- ہندستان کے بڑے بڑے رئیس ان کے شاگرد تھے- علی مد کی کسرت جو حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کی ایجاد سے ہے وہ ان کے گھرانے کی میراث تھی-

میں نے اپنے والد کی زبانی یہ سنا ہے کہ بادشاہ تن تنہا آٹھ آدمیوں کے مقابل بکدم کسرت کرتے تھے اور آٹھ آدمی برابر ان پر چوٹ کرتے تھے اور بادشاہ سب کے وار روکتے تھے اور اپنی چوٹ چھوڑتے جاتے تھے- اس قدر مشق بہم پہنچائی تھی-

فن شہسواری : مشہور روزگار ہے کہ ہندستان میں ڈھائی سوار تھے ایک بہادر شاہ دوسرے آپ کے بھائی مرزا جہانگیر جنھوں نے انگریزوں سے شرط بد کر الہ آباد کی خندق گھوڑے سے کدوائی تھی اور نصف سوار کوئی مرہٹہ مشہور تھا- اب سن مبارک اسی برس سے تجاوز کر گیا تھا- لیکن اب بھی جس دن گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اپنی شہسواری دکھا دیتے تھے- یہ معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے پر ایک ستون قائم کر دیا ہے- ایک روز حضرت نظام الدین اولیا کی سواری مبارک جاتی تھی- تسبیح خانے میں سے جب برآمد ہوئے تو ہوادار میں تو سوار نہ ہوئے- سامنے خاصوں کی لین لگی ہوئی تھی- آگے چابک سوار کھڑے تھے- مجو بیگ کی طرف نگاہ الطاف ہوئی- وہ آگے حاضر ہوئے- ان سے دریافت فرمایا کہ وہ دامالی گھوڑا نو خرید جو تمہاری تفویض ہوا ہے وہ قابل سواری ہے؟ مجو بیگ نے ہاتھ باندھ کے عرض کی- حضور کے اقبال سے تیار ہے- فی الفور گھوڑا آگے آیا- حضرت سوار ہوئے- سب ملازم رکاب سعادت میں ہمراہ ہوئے- آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے نقارہ خانہ کی ڈیوڑھی سے باہر ہو کر ترپولیہ کے پٹری پر پہنچے- گھوڑا گردن جھکائے ہوئے دہانہ سے کھیلتا ہوا اپنے کونا تا ہوا جھومتا چلا جاتا ہے- وہاں جا کر مجو بیگ نے نظر بچا کر گھوڑے کے پچھلے ہاتھ سے چھکا دیا اور گھوڑا ذرا چمکا- چونکہ یہ شکاربند پکڑے ہوئے گھوڑے کے ساتھ لپٹے چلے آتے تھے- بادشاہ نے مڑ کر

دیکھا اور فرمایا کیا کرتا ہے- میں تو خود گھوڑے کو روکے ہوئے چلا آتا ہوں- گھوڑے کی چالاکی میں کچھ کسر نہیں ہے- لے دیکھ تو بس ذرا رانوں میں مسکا ہے کہ گھوڑے نے بھیے بھرنے شروع کئے-ایک پلہ بھر اسی طرح اڑتا ہوا ہو گیا ہے جیسے کوئی پرندہ اڑتا ہے یا ہرن چوکڑیاں بھرتا ہے بعد تھپکی ہاتھ کی دے کر گھوڑے کو چمکار لیا پھر سب لوگوں کو سواری کا حکم دیا- سب اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوئے اور حضور نے گھوڑے کو دوگامے قدم پر لگا دیا اور گھوڑے نے کلائیاں مار کر اور جھوم جھوم کر دوگامہ چلنا شروع کیا-اسی طرح تین کوس شہر سے درگاہ ہے اسی طرح پہنچے اور دروازہ درگاہ پر گھوڑے سے اتر کر درگاہ میں داخل ہوئے-واپس آتی دفعہ مولا بخش ہاتھی پر سوار ہو کر محل میں تشریف لائے-

مبصری:

حضور انور جیسے شہسوار تھے اسی درجہ مبصری بھی تھے-گھوڑے کے عیب وصواب و قوم دور سے دیکھ کر بتا دیتے تھے- اور ہر قوم کی عادت سیرت سے از روئے تجربہ آگاہ تھے-شہر میں جو سوداگر بیش قیمت گھوڑا لے کر آتا تھا، اول حضور کو ملاحظہ کرایا جاتا تھا اس کے بعد شہر کے رئیس دیکھتے تھے-جو گھوڑا اچھا قوم دار آتا وہ حضور لیتے تھے-

حضور نے ایک نکتہ بطور قاعدہ کلیہ تعلیم فرمایا تھا کہ گھوڑے کی قوم میں ہر رنگ میں سو برس سلطنت رہتی ہے-اس رنگ کا گھوڑا بادشاہ ہوتا ہے اور دوسرے رنگ کا وزیر اور شناخت ان کی یہ ہے جس رنگ کا بادشاہ ہوتا ہے سو برس تک اس رنگ کا گھوڑا شریر نہیں ہوتا-بلکہ وفادار ہوتا ہے اور اس کی پیدائش بکثرت ہوتی ہے اور وزیر کی شناخت یہ ہے کہ اس کی عادت بادشاہ سے ملتی جلتی ہے- مگر بطور شاذ ایک دو شریر بھی ہو جاتا ہے- اور اس کی پیدائش بہ نسبت بادشاہ قدرے کم ہوتی ہے- چنانچہ فی زمانہ بورتے کی سلطنت ہے اور سبزے کی وزارت اور بعد سبزے کی سلطنت ہو گی اور بورتے کی وزارت-

گھوڑے کی اقوام میں سے ایک قوم ہے ببریا اس کا خواص یہ ہے کہ وہ پنجشنبہ کے روز روزہ دار رہتا ہے اور اپنے تھان پر نجس اور غلیظ آدمی کو مثل خاکروب وغیرہ کو نہیں آنے دیتا-اور اگر آ جاتا ہے تو فوراً اس پر چوٹ کرتا ہے-

ایک بار میں دربار میں موجود تھا-ولایتی سوداگر گھوڑے لے کر آئے- دس بارہ گھوڑے تھے-لال پردہ کے آگے گھوڑوں کی صف استادہ تھی اور حضور دیوان خاص کے بیچ

کے در میں تشریف رکھتے تھے - اتنے فاصلہ سے دیکھ کر فرمادیا کہ ان گھوڑوں میں موہ گھوڑا اچھا ہے بشر طیکہ شریر نہ ہو - غرضکہ موے کو آگے طلب کیا گیا - واقعی گھوڑا شکل وصورت کا بہ نسبت کاروان اچھا تھا - حکم ہوا - سواری دیکھی جائے - ایک چابک سوار کو سوار کرایا گیا - چابک سوار نے چاہا باگوں کو پھیر کر دکھائے - گھوڑے نے باگ پرے کر شرارت شروع کی - کھڑے ہو کر تالی بجائی اور نیچے اتر کر باچھی پھینکی - موزے پر منہ ڈالا - سوار بوداتھا - ڈر گیا مارا نہ گیا - جان بچانی مشکل ہوئی - اسے اتار دیا گیا - دوسرا سوار چڑھا اور اس نے مارنا شروع کیا - گھوڑا اڑ کر فراش خانہ کے دالان میں جاپڑا - اکثر سامان کا نقصان ہوا - سوار نے وہاں سے مار کر کودایا - آبدار خانہ میں لے گھسا - وہاں سے بھی مار کر نکالا - وہاں سے چڑیا خانے میں جاپڑا - وہاں سے مار کر باہر لایا - دو گھنٹے برابر سواری کی اور گھوڑے کی لڑائی رہی - اب گھوڑے کا یہ حال ہو گیا کہ پسینے میں شرابور اور تمام رانوں کے ٹکڑے ہو گئے - جابجا سے خون کی فصدیں کھل گئیں اور خون بہت بہہ گیا - اور گھوڑا نڈھال ہو گیا اب سوار جدھر کو پھیرتا ہے پھر جاتا ہے - کیا مجال کہ سرتابی کرے اور بادشاہ کے آگے ناک پھیر کر دکھلادیا اور سلام کر کے اتر پڑا - اسی وقت بادشاہ نے ایک شالی رومال چابک سوار کو عطا فرمایا -

مولا بخش نامی ہاتھی : مولا بخش نامی ایک قدیمی ہاتھی معمر تھا - کئی بادشاہوں کی سواری دی تھی اس ہاتھی کی عادتیں بالکل انسان کی تھیں - قدو قامت میں ایسا بلند بالا ہاتھی ہندوستان کی سرزمین پر نہ تھا اور نہ اب ہے - یہ ہاتھی بیٹھا ہوا اور ہاتھیوں کے قد کے برابر ہوتا تھا - خوبصورتی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا - دوازہ ماہ مست رہتا تھا کسی آدمی کو سوائے ایک خدمتی کے پاس نہ آنے دیتا تھا - جس دن بادشاہ کی سواری ہوتی تھی اس سے ایک دن پیشتر بادشاہی چوبدار جاکر حکم سنادیتا تھا - میاں مولا بخش کل تمہاری نوکری ہے - ہشیار ہو جاؤ - نہا دھو کر تیار ہو رہو - بس اسی وقت سے ہوشیار ہیں - فیلبان تھان سے کھول کر جمنا میں لے گئے اور لے جاکر لٹادیا اور جھانوں سے میل چھڑانا شروع کیا پھر دوسری کروٹ لٹا کر دوسری طرف سے پاک صاف کر کے تھان پر لائے - نقاش نے مستک پر نقش و نگار کھینچ دیئے - وقت سواری گدیلہ کس کر کارخانہ میں لے گئے - گہنا پہنایا جھولی ڈالی، عماری کسی نقارخانہ کی ڈیوڑھی پر لاکر استادہ کر دیا - برابر اور ہاتھیوں کی قطار کھڑی جس وقت ہوادار سواری بادشاہ نقار خانہ کے دروازہ سے برآمد ہوا - چیخ مار کر تین سلام کئے اور خود ہی بیٹھ گیا - جس وقت تک

بادشاہ سوار نہ ہولیں اور خواص نہ بیٹھ لے کیا مجال کہ جنبش کر جائے- جب بادشاہ سوار ہو لئے اور فوجدار نے اشارہ کیا فوراً استادہ ہو گیا- ایک خوبی اور تھی کہ وقت سواری دو کمانیں اس کے دونوں کانوں میں پہنائی جاتی تھیں- دو ترکش نیزوں کے کانوں کے نیچے آویزاں کئے جاتے تھے اور بہت بڑی سپر فولادی مستک پر نصب کی جاتی تھی اور بہت بڑا حقہ چاندی کا معہ چلم و چنبر نقرہ اس کے سر پر رکھا جاتا تھا اور پیچوان کی سنک فوجدار خاں اپنے کندھے پر رکھتے- بادشاہ ٹھنڈا حقہ پیتے جاتے تھے اور سواری رواں ہوتی تھی- کیا مقدور ہے کہ حقہ گرنے پائے یا چلم گرے ایسا سبک رفتار تھا بڑی منجھولی رفتار تھی- قصہ مختصر جب سواری سے فرصت پائی پھر ویسا ہی مست ہے جیسا تھا- یہ کمال اس ہاتھی کو حاصل تھا- اسکے علاوہ ایک وصف اور تھا کہ تمام دن خورد سال جو بارہ برس کے سن سے کم سن بچے معصوم ہوتے تھے اس کے گرد بیٹھے رہتے تھے- ان سے کھیلا کرتا تھا اور اپنے ہاتھ سے گنوں کی پوریاں توڑ کر صاف کر کے ان کو دیا کرتا تھا- دن بھر بچے اسے گھیرے رہتے تھے- بچے اسے کہتے تھے مولا بخش نکی آوے تو وہ ایک اپنا اگلا ہاتھ زمین سے اٹھا لیتا تھا اور ہلایا کرتا تھا اور بچے جتنی دیر کی تعداد لگا دیتے اور کہہ دیتے کہ گھڑی بھر یا دو گھڑی اسی قدر ہاتھ اٹھائے رکھتا تھا- جب بچے کہتے ٹیک دو ہاتھ ٹیک دیتا- پھر آپ قون کہتا- بچے ایک پاؤں سے کھڑے ہو جاتے اگر وہ گھڑی بھر سے پیشتر کہتے کہ گھڑی پوری ہو گئی تو سر ہلا دیتا ابھی نہیں ہوئی ہے اور جب گھڑی پوری ہو جاتی تو خود ہی قوں کہہ دیتا- بچے پاؤں ٹیک دیتے تھے- جس دن بچے نہ آتے تو چیخیں مار کر بلا لیتا تھا- بچوں کو گنے کھلاتا-

جب فیلخانہ شاہی اور اصطبل پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو اسپ ہمدم اور مولا بخش ہاتھی نے دانہ پانی چھوڑ دیا- اسپ ہمدم بہت بڑا شاندار گھوڑا دورکابہ نہایت خوش رنگ اور خوبصورت تھا- سواری میں سب کو تلوں سے آگے چلتا تھا- زمانہ ولیعہدی سے بادشاہ کی سواری میں تھا- اب اس کی عمر چالیس سال کی ہوئی تھی- تمام جسم اس کا منقش تھا اور چھوٹے چھوٹے گلاب کے پھول کی برابر سرخ رنگ کے پھول تھے-

جب ان دونوں نے آب ودانہ ترک کر دیا تو مولا بخش کے فیلبان نے جاکر سانڈرس صاحب کو اطلاع دی کہ ہاتھی نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے- کل کلاں کو نیکی بدی ہو جائے گی تو سرکار مجھے پھانسی دے گی- سانڈرس صاحب کو باور نہ آیا- فیلبان کو گالیاں دیں

اور کہا کہ ہم چل کر خود کھلوائیں گے اور پانچ روپیہ کے لڈو اور کچوریاں ہمراہ لا کر ہاتھی کے تھان پر پہنچے اور ٹوکرہ شیرینی کا ہاتھی کے آگے رکھوایا- ہاتھی نے جھلا کر ٹوکرا کھینچ کر مارا- اگر کسی آدمی کے لگتا تو کام تمام ہو جاتا وہ ٹوکرا دُور جا کر پڑا اور تمام شیرینی بکھر گئی- سانڈرس بولے- ہاتھی باغی ہے اسے نیلام کرو- اسی روز صدر بازار میں لا کر استادہ کیا- اور نیلام کی بولی بولی- کوئی خریدار نہ ہوا- جسی پنساری یک چشم جس کی دکان کھاری باؤلی میں تھی، اس نے ڈھائی سو روپیہ کی بولی دی اسی بولی پر صاحب نے نیلام ختم کر دیا- فیلبان نے ہاتھی سے کہا کہ لے بھائی تمام عمر تو تُو نے اور مَیں نے بادشاہوں کی نوکری کی اب میری اور تیری تقدیر پھوٹ گئی کہ ہلدی کی گرہ بیچنے والے کے دروازے پر چلنا پڑا- یہ سنتے ہی ہاتھی کھڑے قد سے دھم دیکی زمین پر گر پڑا اور جان بحق ہو گیا اور اسی دن اسپ ہمدم کا بھی خاتمہ بخیر ہوا-

سبحان اللہ ایسے نمک حلال جاں نثار رفیق کہاں پیدا ہوتے ہیں- ایسا حیوان انسان ناسپاس سے ہزار درجہ بہتر ہے- خدا انسان کو بھی ایسی ہی توفیق خیر عطا فرمائے-

اخلاق : حضرت بادشاہ کیواں بارگاہ باوجود عظمت و شوکت و جلال و جبروت خداداد جملہ علم و فضل و عجز و انکسار و کسر نفس و حلم و ترحم و حسن خلق سے آراستہ و پیراستہ تھے- عجز و انکسار مزاج اقدس امتزاج میں اس درجہ تھا کہ خود کو ادنیٰ بندگانِ بارگاہ احدیت کی برابر متصور فرماتے تھے- کبھی کوئی کلمۂ تمکنت و سطوت شاہانہ زبان پر نہ لاتے تھے- بوئے نخوت و رعونت پاس ہو کر نہ نکلی تھی- ہر بندۂ خدا سے خلقِ محمدیؐ سے پیش آتے تھے اور عالمِ شہزادگی سے مزاجِ تقدس امتزاج زہد و صلاح و تقویٰ طہارت و عبادت کی جانب مائل تھا- ایامِ شباب میں بھی مرتکب منہیات و ممنوعات شرعیہ نہ ہوئے-

خوش بیان اس درجہ تھے کہ اگر پہروں بیان فرمائے جائیں تو دل کو سیری نہ حاصل ہو- صدہا افسانہائے لطیفہ و حکایات عجیبہ و غریبہ نوک زبان تھیں-

اکثر تذکرہ جات عالم شاہزادگی بہ زمانہ سلطنت حضرت شاہ عالم بہادر مرحوم بیان فرمایا کرتے تھے-

جائے افسوس و مقام عبرت ہے دنیائے ناپائدار و بے وفا و زمانہ غدار پُر دغا کا کیا اعتبار کیسی پرانی سلطنت کس زمانہ کی سلطنت معرضِ زوال میں آئی ہے- کیسے کیسے بادشاہانِ اولوالعزم کشورستان صاحب اقبال اس خاندان والا دودمان میں گذرے ہیں- جن کے رایت

جہانگیر کا پھریرا قیصر روم وخاقان چین وزار روس کے سروں پر لہراتا تھا- بزورِ شمشیر غرب سے شرق تک کشورستانی کا ڈنکا بجادیا- ہفتِ اقلیم میں رعب داب کا سکہ بٹھادیا- شہزادی الغوی سے لے کر بہادر شاہ بادشاہ دہلی تک پانچ ہزار سال سے زیادہ سلطنت خاندان مغلیہ میں رہی ہے-

امیر تیمور کشور گر کی ہمت وجرأت کو غور کیا چاہیے کہ ہفتِ اقلیم میں قبضہ جمادیا اور بڑے بڑے سرکشوں کو کتے کی کھوپڑی میں پانی پلوادیا- سلطانِ روم کو لوہے کا پنجرہ جھکادیا- بابر کی علو ہمتی کو دیکھئے تنِ تنہا بجان واحد گھر سے نکل کر سرحد کابل سے تا دریائے شور اپنا قبضہ جمالیا- بادشاہ اکبر نے حکمتِ عملی سے تمام ہندوستان کے کان میں کوڑی ڈال دی- عالمگیر تو اسمِ بامسمّیٰ پورے پورے عالمگیر ہی ہوئے- باون برس کپڑے کے خیمہ میں بسر کر کے تمام ہندوستان پر قابض ومتصرف ہوگئے- ایسی قدیم سلطنت کو زمانہ ہنجار بے وفا نے ایسا نیست و نابود کیا کہ تواریخ تک میں درج کرنے کو نام ونشان باقی نہ چھوڑا اور کچھ پاس قدامت نہ کیا-

فاعتبرو یا اولی الابصار

توانگری بدل است نہ بمال

سخیاں زاموال برمے خورند بخیلاں غم سیم وزرمے خورند

راجہ ابجیت سنگھ

ان کے واقعات بھی دلچسپی سے خالی نہیں- راجہ صاحب موصوف رئیس ریاست پٹیالہ کے چچا تھے- ایامِ شباب میں واردِ دہلی ہوئے تھے- دِلّی کے عیش وعشرت میں ایسے مرغوب طبع ہوئے کہ پھر وطنِ مالوف کی جانب متوجہ نہ ہوئے- ڈیڑھ دو لاکھ کے جاگیردار تھے- جس وقت آپ کی جاگیر کا روپیہ آتا تھا کل سامانِ امارت از سرِ نو درست کر کے راجہ بن بیٹھتے تھے- مکان کی آرائش، شیشہ آلات- جھاڑ فانوس گاڑی- بگھی- سامان پوشاک- لباس وغیرہ وغیرہ سب اَز سرِ نو خرید کیا جاتا تھا اور جب داد وہش وغیرہ پر کمر باندھی جاتی تھی تو چند روز میں سب کو دے دلا فقیر ہو بیٹھتے تھے ایک بوریا ایک کمبل رکھ لیتے تھے اور کہتے تھے "اسیں تو فقیر ہیں" بعد قرض دام پر گزر کرتے تھے- سال بھر میں دو لاکھ روپیہ کے مقروض ہو جاتے تھے- جب وہ تین سال میں پانچ چار لاکھ قرض ہو جاتے نالشیں ہوتیں ڈگریاں جاری

ہوتیں- یہ خبر پٹیالہ میں پہنچتی رئیس پٹیالہ نخیال بدنامی ریاست روپیہ بھیج دیتے اور سال بھر میں ان کے واسطے پانچ چھ گھوڑے بیش قیمت معہ ساز طلا و نقرہ ایک دو زنجیر فیل برائے سواری بھیجتے رہتے تھے اور یہ ہر سال لوگوں کو بخشش کر دیتے تھے- ایک سال ایک فیل مادہ معہ زیور نقرہ و جھول زروزی و حوضہ نقرہ ایک ہزار روپیہ خوراک مومن خاں صاحب کو عطا کی تھی- اور ایک زنجیر پایہ فیل داغ صاحب کو عطا ہوا تھا-

راجہ صاحب موصوف کو دو باتوں کا شوق از حد تھا- ایک شعر و سخن کا دوسرے سماع مزامیر کا جتنے ارباب نشاط تھے سب دربار میں بارہ مہینے حاضر رہتے تھے-

جس شخص کو سن لیتے تھے کہ شعر کہتا ہے گھر سے بلوا کر اس کی قدردانی حد سے زائد فرماتے تھے- صبح کے نو بجے حوائج ضروری سے فارغ ہو کر دربار کرتے تھے- دربار میں مصاحبین شعراء وغیرہ دوست احباب فراہم ہوتے تھے- اور بزم رقص و سرود گرم ہوتی تھی- رات کے دس بجے تک صحبت عیش و عشرت میں ہر طرح کی دل لگی رہتی تھی-

پوشاک نہایت عمدہ و لطیف پہنتے تھے اور اہلِ صحبت کو بھی خوش پوشاک رکھتے تھے- اور ہر روز داد و دہش فرماتے رہتے تھے جو شاعر ان کے پاس پہنچ گیا اور دس پانچ شعر اس کے سن لئے خالی نہ جانے دیتے تھے اسی وقت اس کو خلعت نقد وغیرہ عطا کرتے تھے-

برسات میں یہ کیفیت ہوتی تھی کہ بیس پچیس خیاط بیٹھے ہوئے ہیں اور تھان پر تھان پارچہ اور گوٹہ کناری وغیرہ کے چلے آتے ہیں اور سیلے مندیلیں بنارسی اور دوشالے وغیرہ خریدے جا رہے ہیں اور جوڑے تیار ہو کر سب کو ایک رنگ تقسیم ہو رہے ہیں- بیس بیس ہزار روپیہ میں نے ایک جلسہ میں تقسیم کرتے ہوئے دیکھا ہے غرضکہ چند روز میں زرِ نقد تقسیم ہو جاتا تھا- بعد توشے خانہ تقسیم ہوتا تھا- بعد سواریاں بخشش کی جاتی تھیں- پھر سامان مکان تقسیم ہوتا تھا- جب سب کچھ دے چکتے تھے تو بستر تک اٹھا کر بوریے پر ہو بیٹھتے تھے-

اس دل گردے کا فیاض بے ملک امیر نظر سے نہیں گزرا- یہ انتہا کی سخاوت ہے اگر کوئی صاحب ملک اس درجہ سخی ہو تو عجب نہیں- اس کم بضاعتی پر دریادل ہونا تعجبات سے ہے ایک بار ایک گھوڑا تین ہزار روپیہ کی قیمت کا رئیس پٹیالہ نے بھیجا اور اپنی قسم لکھی کہ تم اس گھوڑے کو ضائع نہ کرنا یہ نایاب ہے اور کامداروں کو تاکید لکھی کہ اگر یہ گھوڑا کسی کو دیا جائے گا

تو تمہارے لئے بہتر نہ ہوگا- خیر کامدار حفاظت کرتے تھے-ایک روز یہ خونیں دروازہ میں اس پر سوار چلے آتے تھے کہ ایک فقیر نے سوال کیا کہ راجہ اجیت سنگھ تمہارا نام سن کر دور سے آیا ہوں کہ راجہ صاحب بڑے سخی ہیں-جب میرا سوال پورا کردو-تو میں جانوں-

راجہ صاحب- تیرا کیا سوال ہے-

فقیر- یہ گھوڑا مجھے دے دو-

راجہ صاحب گھوڑے پر سے اتر پڑے-گھوڑی کی باگ اس کو دے دی اور کہا کہ میں جانتا تھا کوئی بڑا سوال ہوگا کہ مجھ سے پورا نہ ہوگا-یہ تو کچھ بھی سوال نہ تھا-غرضکہ فقیر گھوڑا لے کر راہی ہو-یہ پیادہ پا مکان پر پہنچے-کامداروں نے سنا کہ گھوڑا دے آئے-وہ تلاش کر کے فقیر کے پاس پہنچے-اس سے دریافت کیا گھوڑا بیچتا ہے-اس نے کہا ہاں-کامدار نے کہا کیا لے گا-اس نے کہا ایک ہزار-کامداروں نے فی الفور گھوڑا کھول لیا-مکان پر لا کر ہزار روپیہ اسے دے دیا-جب تو وہ گھوڑا بچ رہا-بعد چھ ماہ کے کسی اور کو دے دیا

شہر دہلی کی تقریبات

دہلی میں یوں تو سب میلے مثل عیدین اور بارہ وفاتیں اور بسنتیں اور حضرت نظام الدین اولیا کی سترھویں بڑی دھوم دھام سے ہوتی تھیں اور تمام شہر کی خلقت کا اژدحام عام ہوتا تھا مگر سیر گل فروشاں عجب پر تکلف اور رنگین میلہ تھا-ایسا میلہ میری نظر سے کہیں نہیں گزرا-ہر چند کے بڑے بڑے میلے ہندوستان کے مثل ہردوار اور ہیٹسر اور مکتیسر میں نے دیکھے ہیں مگر توبہ لاحول ولا قوہ پھول والوں کی سیر کی کیفیت اور تکلفات سے کیا نسبت ہے-ان میلوں میں گنوار دل فراہم ہوتا ہے یہ تعلیق پن کہاں-اول تو وہ منظر ہی ایسا خوش نما اور فرحت افزا کہ صدہا صحرا و مرغزار و کوہسار و چشمہ سار میری نظر سے گزرے ہیں ایسا پر فضا پر بہار کوہسار دیکھنے میں نہیں آیا-نہ ایسا خوبصورت تالات نہ ایسے درختان گنجان سایہ دار نہ ایسا زار مینو نگار-یہ میلہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ علیہ کے مزار پر ہوتا ہے-مزار مبارک دہلی سے سات کوس کے فاصلے پر جانب جنوب موضع مہرولی میں واقع ہے-یہ موضع زمانہ سلطنت راجان ہندوستان میں دار الخلافہ ہندوستان تصور کیا جاتا تھا-چنانچہ راجہ پر تھوی راج فرمانروائے ہندوستان اسی مقام پر اورنگ آرائے سلطنت تھا-

اس کی بنیاد قلعہ اور محلات اور معبد کتبہ و شکستہ و ریختہ تا الی آلان موجود ہیں اور نیز بنیاد مسجد نیم تیار بادشاہ قطب الدین ا- فاتح ہندوستان بھی اسی محل پر مسمار شدہ یادگار روزگار ہے- بت خانہ ٹوٹا جاتا تھا اور مسجد تعمیر ہوتی جاتی تھی- نصف بت خانہ ٹوٹا تھا اور نصف مسجد تعمیر ہوئی تھی کہ بادشاہِ اسلام نے وفات پائی- مسجد کی تعمیر ناتمام رہ گئی-

کاردنیا کسے تمام نکرد- اس میں شک نہیں کہ اگر یہ مسجد تعمیر ہو جاتی تو روئے زمین پر اس تعمیر کا نظیر نہ نکلتا- اس مسجد کا ایک مینار تیار ہو گیا تھا اور دوسرا ہنوز ناتمام تھا فقط ایک کھن اٹھنے پایا تھا، مسجد کے دالان کے در نصف تعمیر ہوئے تھے- مینار مسجد کا ارتفاع اسی گز کا ہے- سات منزلیں اسی کی قرار دی گئیں- دور مینار کی عمارت مثمن کمر کی نہائت خوش نماو مطبوع ہے اور پوشش عمارت سنگ سرخ سے ہے اور اس پر کلام مجید چار انگل کے جلی قلم سے کندہ کیا ہوا ہے- حروف ابھروان ہیں لیکن کس خوش نویس کے ہاتھ کی تحریر ہے کہ آنکھوں سے لگانے کو جی چاہتا ہے- علی ہذاالقیاس مسجد کے دروں اور محرابوں پر بھی اسی قلم سے کلام اللہ ثبت ہے-

اس مسجد کے صحن میں وہ بت خانہ شکستہ ہے- بت خانے کی عمارت سب عمارات سے جداگانہ ہے- فقط پتھروں پر پتھر چن دیئے گئے ہیں مگر کس ترکیب سے چنے گئے ہیں کہ آج تک بر قرار ہیں- بت خانہ کے صحن میں وہ ستون آہنی جس کو کیلی کہتے ہیں وہ نصب ہے اور اس پر بخطِ شاستری کچھ عبارت کندہ ہے- اس کی کیفیت اس طور پر ہے کہ پر تھی راج کو منجموں نے خبر دی تھی کہ تیرے محلات کی زمیں میں راجہ باسک جو زمین کا راجہ ہے اس کا گزر ہو گیا ہے تو اس کے سر پر کیلی ٹھونک دے کہ وہ یہاں سے جانے نہ پائے- پھر تیرا راج اٹل ہو جائے گا- قیامت تک تیری اولاد میں سے سلطنت نہ جانے پائے گی- منجموں کو زمین و آسمان کی تو خبر تھی مگر خدا کے گھر کی خبر سے بے خبر تھے-

شانِ قدرت دم کے دم میں کیا سے کیا پیدا کرے

جو نہ ہو وہم و گماں میں بر ملا پیدا کرے

غرضکہ حسبِ ہدایت دو میخ آہنی گاؤدم تیار کرائی گئی اور بموجب نشان دہی منجمان زمین میں

ا- سلطان قطب الدین جن کا مزار لاہور میں ایبک روڈ پر ہے-

ٹھونکی گئی- جب زمین پر نصب ہوگئی راجہ کو منجمان کے قول کا اعتبار نہ آیا- کہا کہ اس لاٹھ کو باہر کھینچ لو کہ میں اپنی نظر سے دیکھ لوں- ہر چند برہموں نے منع کیا اور سر پٹکا مگر راجہ کب مانتا تھا- مثل ہندی ہے راج ہٹ، تریاہٹ، بالک ہٹ ایک نہ سنی اور کیلی کو اکھڑوا کر دیکھا تو ایک ہاتھ کیلی خون میں ڈوبی ہوئی تھی- حکم دیا پھر اسی جا پر نصب کردو- منجموں نے کہا اب کیا ہوتا ہے- وہ کہیں کا کہیں پہنچا- وہ پتال کا راجہ ہے کیا اب تک یہاں بیٹھا رہا- ہزاروں کوس پہنچ گیا- غرضکہ وہ کیلی آج تک اسی جا موجود ہے- اسی محل سے آبادی موضع مہرولی شروع ہوئی ہے اور مقام جھرنا اور اولیا مسجد پر جاکر ختم ہوگئی ہے اور اسی مسجد ناتمام کے گوشہ شمال و مشرق میں سنگ سرخ کا حجرہ ہے- اس میں بادشاہ علاء الدین کا مزار ہے- موضع مہرولی کی آبادی بالائے سطح کوہ ہے- یہ پہاڑ چنداں بلند نہیں ہے بلکہ زمیں دوز ہے- اسی عمارت مسمار شدہ کے آگے بڑھ کر عمارت مزار مبارک خام ہے- مزار کا چبوترہ چار گز سے چار گز مربع ہوگا- ارتفاع ایک بالشت سے کم پر چبوترہ کیا- ایک حد بندی مزار ہے- مزار پر مٹی کی ٹوکریوں کے اور جدا جدا نشان تاہنوز موجود ہیں حالانکہ ہزارہا بارشیں ہوئیں مگر یہ تصرف حضرت کا ہے کہ ان ٹوکریوں کے نشانات کو تبدل اور تغیر نہ ہوا- حضرت نے قبل وفات مریدان کو وصیت فرمائی تھی کہ میرا مزار زمین دوز زیر آسمان رہے- سقف اور گنبد وغیرہ کی تکلیف نہ کرنا- درگاہ ہی کے ملحق عمارات محلات بادشاہاں ہے اور سامنے کے رخ کو جانب مغرب مکانات رعایا و امیراں ہیں اور بازار ہے اور آبادی ہے اور سرائے پختہ ہے اور دورویہ مکانات اور کمرہ جات اور دکانیں وغیرہ تعمیر ہوتی ہوئی جھرنے تک چلی گئی ہیں- آبادی کے گوشہ مغرب اور جنوب میں تالاب عظیم الشان ہے اور وسط تالاب میں ایک پختہ چبوترہ ہے اور اس پر ایک برج نما مکان ہے اس کے در سب کھلے ہوئے ہیں وہ تالاب حوض شمسی کے نام سے موسوم ہے- اس کو بادشاہ شمس الدین التمش نے کندہ کرایا ہے- یہ روایت اس طور پر مشہور ہے کہ بادشاہ شمس الدین کو خواب میں جناب سرور کائنات کی زیارت ہوئی اور اس نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار ہیں اور اس محل پر تشریف رکھتے ہیں اور ارشاد ہوا کہ شمس الدین یہاں حوض ہوادے- چنانچہ بادشاہ جب خواب سے بیدار ہوا اور اسی موقع پر پہنچا اور دیکھا کہ گھوڑے کے چار سموں کے نشان موجود ہیں- اسی وقت وہاں چبوترہ اور برج تیار کرانے کا حکم دیا اور گرد اس کے حوض کرادیا- پہاڑ کا پانی جانب مغرب سے

موسم برشگال میں بہہ بہہ کر اس میں فراہم ہوتا ہے اور مشرق کی جانب پشتہ ہے اور پشتہ پر عمارات دکانیں بازار و مکانات ہیں اور بازار کے عقب میں جانب مشرق نشیب ہے اور تالاب کے جنوب میں درختان گنجان آم کے ہیں جو امریوں کا اندھیری باغ مشہور ہے۔ بازار کے اختتام پر جانب مشرق نشیب ہے اس کا ارتفاع قریب دس گز کے ہوگا اس محل پر جھرنے کی عمارت ہے۔ تالاب کے کنارے کی جو سڑک ہے اس کے نیچے ہی جھرنا ہے۔ چونکہ زمین تالاب کا پانی جھر کر جھرنے میں جاتا ہے جھرنے کے نشیب پر دیوار پشتہ ہے اور پشتہ سے ملحق ایک دالان سنگ سرخ کا ہے اور دونو پہلو میں زینہ ہے۔ اور آگے اس دالان کے ایک حوض چوڑا چکلا قد آدم سے زیادہ عمیق ہے۔ اور صحن وسیع پختہ چبوترہ کا ہے اور حوض میں سے ایک نہر رواں ہے کہ حوض میں پانی چل کر نہر میں جاتا ہے اور نہر میں سے پانی کی چادریں چلتی ہیں اور چبوترہ پر سے نیچے گرتا ہے اور سامنے اس چبوترہ کے ایک پہاڑ کا ٹکڑا ہے کہ وہ ڈھلوان ہے اور اسکے پہلو میں زینہ ہے اس پر آدمی چڑھ کر اس پہاڑ کے ڈھلان پر بہتے ہیں تو پھسل کر نیچے زمین پر آرہتے ہیں۔ اسے پھسلنا پتھر [1] کہتے ہیں اور جھرنے کے دالان کے دونوں جانب شمال اور جنوب میں عمارت کے دو مکان دالان در دالان ہیں اور ان مکانات اور صحن جھرنا پر درختان انبہ سایہ دار ہیں جھرنے کے حوض میں پانی تالاب کا بکثرت جھرا کرتا ہے اور جھرنے میں چھلک کر نہر میں جاتا ہے اور نہر میں چادریں چھلک کر بہ جاتی ہیں۔ میلہ کے ہنگام میں اس مقام پر عجب کیفیت ہوتی ہے کہ قابلِ دید ہے۔ ہزارہا آدمی جھرنے کے دالان کی سقف پر سے حوض میں کودتے ہیں اور تیر کر باہر نکلتے ہیں اور پھر چڑھتے ہیں اور پھر کودتے ہیں ایک تار بندھا رہتا ہے بعضے پہلوان پانچ آدمی کو لے کر کودتے ہیں اور پھسلنے پتھر سے سینکڑوں آدمی پھسلتے ہیں۔ جھرنے کے مکانات میں پھول والے بیٹھے ہوئے پنکھا تیار کرتے ہیں ادھر تماشائیوں کا وہ ہجوم ہوتا ہے۔ پانی کا اک شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز نہیں

---

[1] یہ پتھر اس بلا کا چکنا اور پھسلنا ہے کہ ذرا کوئی اس پر بیٹھا اور پھسلا۔ پھول والوں کی سیر میں لوگوں کا اس پر چڑھنا اور پھسلنا تماشا ہو جاتا ہے استاد ذوق نے اس مطلع میں اسی پتھر کا حوالہ دیا ہے۔

میں کہاں سنگ دریار سے ٹل جاؤں گا
کیا وہ پتھر ہے پھسلنا کہ پھسل جاؤں گا

آتی ہے ہزارہا آدمیوں کا اژدھام اس محل پر فراہم ہوتا ہے۔ راہ چلنے کو خالی نہیں ملتی۔

یہ میلہ ساون کے مہینے میں ہوتا ہے۔ جمعرات کے دن پنکھا چڑھتا ہے چار روز برابر یہ میلہ رہتا ہے تمام شہر کی خلقت ہندو مسلمان، امیر غریب، ادنےٰ اعلےٰ شہر سے سب چلے جاتے ہیں۔ شہر میں دکان کوئی شاذ ونادر کھلی رہتی ہے ورنہ تمام حلوائی۔ نانبائی۔ طباق۔ کبابی سب خواجہ صاحب میں جاکر دکانیں لگاتے ہیں۔ حلوائیوں کی دکانوں کا ہجوم العظمتہ للہ ایک ایک دکان سولہ سولہ گز زمین مربع میں لگائی جاتی ہے۔ دکان کے اندر بڑے بڑے کڑھاؤ گھی کے چڑھے ہوتے ہیں اور کچوریاں پوڑیاں۔ بیوریاں شیرینی وغیرہ تیار ہوتی ہے بازار کی جانب آٹھ آٹھ بیچنے والے بیٹھ جاتے ہیں۔ تاہم وار نہیں آتا ہے۔

مکانوں کا کرایہ سینکڑوں روپے ہو جاتا ہے جابجا ڈیرے خیمے استادہ ہو جاتے ہیں۔ شہر کی خلقت شبانہ روز ناچ رنگ دیکھتی ہے اندھیری باغ میں جھولے پڑ جاتے ہیں۔ شاہدان بازاری اس میں جھولتی ہیں۔ ہلکی ہلکی بوندیاں پڑتی ہوتی ہیں۔ عجب کیفیت ہوتی ہے کہ بیان نہیں ہو سکتی۔

دن کے دو بجے جھرنے پر سے پنکھے اٹھتے ہیں۔ آگے آگے تو اور اقوام اہل حرفہ کے پنکھے ہوتے ہیں اور سب کے پیچھے پھول والوں کا پنکھا ہوتا ہے اس وقت کا اژدھام دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر سیر میں کسی آدمی کا پاؤں زمین سے اٹھ گیا تو آدمیوں کی چپقلش میں سو سو قدم تک ادھر چلا جاتا ہے ہر پنکھے کے آگے روشن چوکی بجتی جاتی ہے۔ اور جابجا تھمتے جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ پنکھا روانہ ہوتا ہے۔ نفیری والے ستم کرتے ہیں۔ ایسی سریلی نفیروں میں ملار گاتے ہیں کہ آدمی بے اختیار اور سہو محو ہو جاتے ہیں کچھ ہوش تن بدن کا نہیں رہتا ہے اور عالم بے اختیاری میں جو ہاتھ میں آیا پھینک دیتے ہیں۔ کوٹھوں اور مکانوں پر سے صد ہا روپیہ برستا ہے۔ نفیری والے برس دن کی روٹی پیدا کر لیتے ہیں۔ ہر کمرہ کے نیچے دس دس پندرہ پندرہ منٹ توقف کرتے تھے رات کو نو بجے جاکر درگاہ میں پنکھا پہنچتا تھا۔ دو گھڑی کامل تو بادشاہی محل کے نیچے نفیری بجاتے تھے اور محل کی چلمنوں میں سے روپے اشرفیاں اور بٹوے برستے تھے۔ بعدہ جاکر درگاہ میں پنکھا چڑھاتے تھے۔ پنکھے کے دوسرے روز جمعہ کو سب خلقت بدستور جمی رہتی تھی اور جھرنے کی کیفیت اور میلے کے تماشے میں اور خرید وفروخت اشیا تحفہ جات میں مشغول رہتی تھا۔ درگاہ کے دروازہ کے آگے نیا بازار لگایا جاتا

تھا۔ ہر قسم کا سوداگری مال موجود ہوتا تھا۔ خصوصاً سادہ کاری چاندی سونے کا ہلکا زیور بہت فروخت ہوتا تھا۔ ساتیوں کی دکانیں بکثرت ہوتی تھیں لاکھوں روپیہ کی خرید و فروخت ہو جاتی تھی۔ دو تین شب تک شہرے بازار میں مرد کا نام تک نہ ہوتا تھا۔ شہر کی مستورات پردہ نشین شب کو بازار میں نکلتی تھیں اور مسجد جامع میں جا کر سیر کرتی تھیں۔

ہفتہ کے روز خواجہ صاحب کی درگاہ سے خلقت رخصت ہو کر شہر کو آتی تھی۔ سات کوس تک برابر خلقت کا تانتا بندھا رہتا تھا اور جا بجا دکانیں لگی ہوتی تھیں اور کھلونے والے بیٹھے رہتے تھے۔ اب لوگ گھر کو آتے وقت گھر والوں کے واسطے انگوٹھی چھلے بچوں کے واسطے کھلونے لیتے جاتے ہیں اور چلتے جاتے ہیں۔ حضرت بادشاہ موسم بارش میں چار ماہ کامل یہیں رہتے تھے۔ [۱]

شاہان مغلیہ کی رعیت نوازی

یہ امر بھی خاندان تیموریہ پر ختم ہو گیا۔ جیسی رعیت پروری سلطنت مغلیہ نے کی ہے کسی تاریخ کی رو سے کسی عہد سلطنت میں نہیں پائی گئی رعیت کو بجائے اولاد سمجھا گیا ہے چنانچہ ایک بار قوم ہنود نے اہلکاران سرکار انگریزی سے ساز باز کر کے شہر سے اخراج گاؤ قصابان کا حکم جاری کرا دیا۔ اور سرکار سے دکانداران گاؤ قصاب پر تاکید ہوئی تھی کہ تم اپنی دکانیں شہر سے باہر لے جاؤ۔ اور تمام شہر کی دکانیں بند کرا دی جاتی تھیں۔ ان غریبوں نے

۱۔ پھول والوں کے میلے کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ ریذیڈنٹ سٹین صاحب پر شاہزادہ جہانگیر نے گولی چلا دی تھی۔ بدیں وجہ الہ آباد میں قید کر دیئے گئے۔ ملکہ ممتاز محل نے منت مانی کہ جہانگیر رہا ہو کر آئیں تو حضرت خواجہ بختیار کاکی کے مزار پر پھولوں کی مسہری چڑھاونگی۔ چنانچہ شاہزادہ جہانگیر جب رہا ہوئے۔ تو ملکہ نے بڑی دھوم دھام سے منت چڑھائی۔ تقریب میں شہر بھر کے ہندو مسلمان شریک ہوئے۔ قطب میں کئی روز میلا لگا رہا۔ پھول والوں کی جو مسہری بنائی اس میں خوبصورتی کیلئے پھولوں کا ایک پنکھا بھی لگا دیا۔ بادشاہ کو یہ میلا بہت پسند آیا۔ حکم ہوا کہ ہر سال بھادوں کے شروع میں یہ میلا ہوا کرے۔ مسلمان درگاہ شریف پر پنکھا چڑھائیں۔ ہندو جوگ مایا جی پر چڑھائیں۔ اس طرح اس میلے کی بنیاد پڑ گئی۔ شاہ اور شہزادے قطب جاتے۔ وہاں رہتے اور میلے میں شریک ہوتے۔ (نظیر)

جب سوائے تعمیل حکم کے کوئی چارہ نہ دیکھا تو سب کے سب نے فراہم ہو کر اپنے بال بچوں کو اور تمام گھر بار اپنا ہمراہ لے کر محل شاہی کے نیچے زیر جھروکہ آکر ڈنڈا ڈیرا ڈال دیا اور جھروکہ کے نیچے جاکر فریاد مچائی کہ ہم اپنا گھر چھوڑ کر شہر سے کہاں جائیں۔ بادشاہ رعیت پناہ نے بمجرد سننے زارنالے ان غریبوں کے حکم دیا کہ ہمارا ڈیرہ خیمہ بھی ریتی میں لب دریائے جمن ان کے برابر لگا دو۔ جہاں رعیت کا وہ ہمارا۔ شاگرد پیشگان نے بمجرد اصدار حکم بارگاہ سلطانی لے جاکر لب دریا استادہ کر دیئے۔ یہ خبر صاحب رزیڈنٹ بہادر کو ہوئی وہ خبر سنتے ہی بادشاہ کی خدمت میں دوڑے ہوئے آئے اور حضور میں عرض کی کہ حضور یہ کیا کرتے ہیں۔ حضور کے ہمراہ تمام رعیت شہر سے نکل کھڑی ہوگی!

باشاہ سلامت۔ بھئی جہاں میری رعیت وہاں میں۔ رعیت میرے بال بچے ہیں۔ میں ان کو کیونکر اپنے سے جدا کردوں۔ کہیں گوشت سے ناخن بھی جدا ہوئے ہیں؟ آج تو قصابوں کو شہر بدر کرنے کا حکم ہوا ہے کل کسی اور قوم ہوگا پرسوں کسی اور قوم کو ہوگا، ترسوں کسی اور قوم کے واسطے حکم جاری کیا جائے گا رفتہ رفتہ سب شہر خالی کرالیا جائے گا۔ اگر تم صاحبوں کو شہر خالی کرانا منظور ہے تو صاف مجھ سے کہہ دو۔ میں شہر کی رعیت کو ہمراہ لے کر خواجہ صاحب میں جابیٹھتا ہوں شہر کا تم کو اختیار ہے جو جی چاہے وہ حال کرو۔

صاحب رزیڈنٹ بہادر:۔ حضور ہر گز ہر گز ایسا خیال نہ فرمائیں۔ اسی وقت ان فریادیوں کی دادرسی کرتا ہوں اور سب کو شہر میں آباد کئے دیتا ہوں۔ حضور اپنا خیمہ ڈیرہ اٹھوا منگائیں۔ صاحب رزیڈنٹ بہادر نے اسی وقت زیر جھروکہ جاکر قصابان کو حکم دیا کہ جاؤ اپنے گھروں میں جاکر آباد ہو اور ڈیرہ خیمہ بادشاہ کا اٹھوا دیا۔

فریاد شبانان:

ایک بار گھوسیوں کو سرکار انگریزی نے حکم فرمایا کہ تم لوگ اپنی گائیں بھینسیں لے کر شہر سے نکلو اور بیرون شہر پناہ جاکر آباد ہو جاو۔ تمام شہر میں ایک غلغلہ برپا ہو گیا تمام گھوسی اپنے بال بچوں کو اور مویشی کو لے کر ریتی میں آپڑے۔ اب یہ حال ہوا ادھر تو مویشی حیران پریشان گھبرائے ہوئے ادھر فریادیوں کے بال بچوں کی گریہ وزاری کی پکار یہ حال دیکھتے ہی بادشاہ رعیت پناہ کو کہاں تاب تھی۔ کہ یہ زیادتی دیکھ سکیں۔ بطور سابق پھر اپنا خیمہ ریتی میں بھجوا دیا۔

پھر اسی طرح رزیڈنٹ بہادر آئے اور عرض معروض کی اور گھوسیوں کو حکم بھیجا
کہ جا وبد ستور قدیم شہر میں جا کر آباد ہو۔

اب کے باشاہ سلامت نے صاحب ریذیڈنٹ سے کہا کہ دیکھو بھئی میری
موجودگی میں تم رعیت کو گھر سے بے گھر نہ کرو اور بعد میرے تم کو اختیار رہے دہلی کی اینٹ
سے اینٹ بجادینا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا کابلی دروازہ سے لے کر قلعہ تک اور دریبہ سے
لے کر قلعہ تک اور جامع مسجد سے لے کر دہلی دروازہ تک بلاقی بیگم کا کوچہ خانم کا بازار۔ خاص
بازار خان دوران خاں کی حویلی سے دریا گنج تک ہزارہا مکانات نہدم اور مسمار کر کے دلی کا چبوترہ
ہنادیا گیا۔ اور چٹیل میدان کر دیا گیا۔

تیسرا باب

ہنگامۂ غدر کا آغاز

ماہِ رمضان کی پہلی

انقلابِ دہر نے دکھلائیں وہ نیر نگیاں

جب زباں پر لائیے اپنا نیا افسانہ ہے

اُف اُف کس قیامت کی گرمی ہے کہ جگر کباب ہوا جاتا ہے الحفیظ، الامان دھوپ کی تیزی العظمۃ للہ، آسمان سے آگ برستی ہے گویا آفتاب سوا نیزہ پر اتر آیا ہے۔ پیاس کے مارے زبان نکل نکل پڑتی ہے۔ حلق میں کانٹے پڑے جاتے ہیں۔ زمین کا طبقہ کُرہ نار ہو رہا ہے، وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار، منہ سے بات تک نہیں نکلتی۔ نو بجے سے ٹٹیاں چھڑکی جاتی ہیں۔ پنکھا کھنچتا ہے مگر پسینوں میں شرابور ہوئے جاتے ہیں۔ دن کیا ہوتا ہے، حشر کا دن ہوتا ہے۔ پہاڑ کی طرح کاٹنا پڑتا ہے۔ ہونٹوں پر جان آجاتی ہے رات کی گھمس اللھم احفظنا من کل بلاء الدنیا۔ چھڑکاؤ ہوتے ہیں۔ پنکھے جھلے جاتے ہیں پلنگ تر کیے جاتے ہیں، تاہم کسی طرح نیند نہیں آتی۔ کروٹیں لیتے لیتے صبح ہوتی ہے۔

؎ بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار۔

ابھی سلامتی سے جیٹھ کے ۳ دن گزرے ہیں۔ پندرہ روزے پندرہ برس کی برابر تصور کرنے چاہئیں۔ خدا خدا کر کے سولہویں شب نصیب ہوئی۔ رات کے دو بج چکے ہیں۔ تیسرے کا عمل ہے۔ ہوا میں کسی قدر خنکی آگئی ہے۔ جس قدر صبح قریب آتی جاتی ہے رات بھینی بھینی ہوتی جاتی ہے۔ روزہ دار سحری کو بیدار ہو کر خور و نوش میں مشغول ہیں۔ پچھلا پہر سہانا وقت ہے۔ مسجد جامع کا نقارہ گونج گونج کر بیدار باش کی آواز لگا رہا ہے۔ خفتہ گان خواب غفلت کو جگا رہا ہے۔ چوکیدار گھر گھر جاگو کی آواز لگاتے پھرتے ہیں۔ محلّہ محلّے جگاتے پھرتے ہیں۔ سولہویں رات کا چاند وسط سما سے ڈھل کر قریب غروب پہنچ گیا ہے۔

روزہ داروں کے گھروں میں عجب چہل پہل ہے- گھر گھر رتجگے کا سامان نظر آتا ہے- اب وہ وقت قریب آتا جاتا ہے کہ روزہ داران شب بیدار روزہ کی نیت باندھ کر خورد و نوش سے دست بردار ہوں- گھڑی دو گھڑی بستر راحت پر دراز ہو کر استراحت فرمائیں- تناول طعام سے فارغ البال ہو کر پان کی گلوریاں کلّوں میں دبا کر قلیان کے گھونٹ کھینچ رہے ہیں- اکثر جوان شر اشر سلفوں کے دم لگا رہے ہیں- آنکھوں میں نیند کا خمار ہے- بیٹھے بیٹھے اونگھے جا رہے ہیں- ادھر آسمان کا رنگ بدلنے لگا ہے- آثارِ صبح نمودار ہوتے جاتے ہیں- صبح کا تارہ بر آمد ہو چکا ہے مگر چاندنی کھل کھل کر اپنا روپ دکھا رہی ہے- دامِ تزویز نکھار ہی ہے- عاشقانِ جمال کبریا باوضو ہو کر سر سجادہ بہ کمال خشوع و خضوع تسبیح و تہلیل حمدِ الٰہی میں محوِ حال و قال میں ہیں کہ یکایک توپ کے زناٹے کی آواز کانوں میں آئی- تین منٹ تک برابر زناٹا رہا- جلدی جلدی پان تھوک کر غرارے کئے- دانت مانجھے اور "وَبِصَوْمِ غَدًا نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ" کہہ کہہ کر پلنگوں پر دراز ہوئے- اپنی کسی کو یہ خبر نہیں کہ صبح کو قیامت نمودار ہونے والی ہے- (مصنف)

نہ رکھو آج کی کل پر کہ کل کس کو خبر کیا ہو مریضِ جاں بلب کو صبرِ امیدِ سحر کیا ہو

اب مشرق کی جانب سے سفیدی کے بادل آسمان پر پھیلتے چلے آتے ہیں- مطلعِ خورشید کا رنگ جو گیا شجری ہوتا جاتا ہے، قرص ماہتاب لبِ بام پہنچ کر تانبے کی تھالی کی طرح بد قلعی نظر آنے لگا ہے- جھاڑ فانوس کی روشنی جھلمل جھلمل نظر آتی ہے- چراغ سحری بیمار جاں بلب کی طرح ٹمٹماتا ہے- دروازہ شہر پناہ کے دیدۂ حیرت کی طرح نگراں ہیں- کوچہ بندی کے پھاٹک چشم انتظار کی طرح حیراں، صبح کا تڑکا نور ظہور کا وقت، سہانا سماں ادھر گجر کی آواز، ادھر مسجدوں میں اذانوں کا شور ادھر مندروں سے ناقوس کی پکار، نقار خانوں سے دھیمی نوبت کی نکور میں شہنائیوں کی سہانی بھیرویں کی دھنیں جی کو بیکل کئے دیتی ہیں- نسیم سحری کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے نرم نرم چل کر جاگنے والوں کو تھپک تھپک کر سلا رہی ہے- بیگم کے باغ کے ہوا کے جھونکے بنارس کی پتی خوشبو میں لپٹ لپٹ کر عطر مجموعہ کے لخلخے سونگھا رہی ہے- چوکیدار شب بیدار دوکانوں کے چبوتروں پر مردوں سے شرط باندھ کر بے خبر سو رہے ہیں-

چو صبح از دم گرگ برزو زبان نجفتن در آمد سگ و پاسباں

خروس غنودہ فرد کوفت بال دہل زن بزد بر متیرہ دوال

لاہوری دروازہ سے نگر موت کے گھاٹوں تک حسن کا دریا لہریں لے رہا ہے۔ چاندنی چوک کی سڑک کہکشاں بنی ہوئی ہے۔ ہزاروں چاند کے ٹکڑے سیاروں کی طرح جگمگاتے چلے آتے ہیں۔۔ جس کو دیکھو آفت کا پرکالہ ہے۔ایک سے ایک اعلیٰ ہے۔ سینکڑوں پرستان کی پریاں، سوتواں نقشے، چاند سے چہرے، چھریرے بدن نازک اندام، گلفام سرو قامت، سیاہ پتلی، سیاہ بال، اُبھرے اُبھرے ہوئے سینے، مرگ کیسی آنکھیں، چیتے کیسی کمریں۔ سر سے پاؤں تک چاندی سونے میں لدی پھندی چلی آتی ہیں۔ کامدانی اور تن زیب کے دوہرے دوپٹوں میں سے کندن سی بدن کی رنگت پھوٹی پڑتی ہے۔

کیا تنِ نازک ہے جاں کو بھی حسد جس تن پہ ہے

کیا بدن کا رنگ ہے نہ جس کے پیراہن میں ہے

اودی اور سرمئی اطلسوں کے گھیر دار لہنگے چوڑی چوڑی پٹھے کی سنجاف پور پور طلائی انگوٹھی چھلے نازک نازک پتلی پتلی حنائی انگلیوں میں چھوٹی چھوٹی گنگا جلیاں۔

کیا چاہیے انہیں سر انگشتِ برہنا جس بےگنہ کے خون میں چاہیں ڈبو لیا

گوری گوری پیشانیوں پر کچھ کچھ بکھرے ہوئے بال نیند بھری آنکھوں میں پھیلا ہوا کاجل، پتلے پتلے سرخ سرخ ہونٹوں پر پھیکی پھیکی مسی کی دھڑی لاکھ لاکھ بناؤ دے رہی ہے۔

یہ شہر وہ ہے کہ غنچہ تھا حُسن والوں کا یہ شہر وہ ہے کہ تختہ تھا نونہالوں کا

یہ شہر وہ ہے کہ مجمع تھا مہ جمالوں کا یہ شہر وہ ہے کہ مرجع تھا ذی کمانوں کا

یہ وہ زمیں ہے زمیں جس کی زر اگلتی ہے

یہ خاک وہ ہے کہ اکسیر ہاتھ ملتی ہے

دریائے جمن میں نازنیناں گلبدن کے جمگھٹوں سے تختہ چمن نظر آتا ہے۔ دریا میں دوسرا دریائے پرنور موجیں مار رہا ہے۔ چاند دریا کی موجوں میں جھکولے لے رہے ہیں۔ آسمان کے ستارے پانی میں دکھائی دے رہے ہیں۔ دریا کی موجیں شوق ہمکناری سے بیتاب دوڑی ہوئی چلی آتی ہیں۔ دریا کے حباب چشم بن کر ایک ایک کی صورت کو تک رہی ہیں۔ ہزاروں آسمان خوبی کے سیارے مہین مہین ریشمی ساڑھیاں اوڑھے ہوئے کمر کمر پانی میں

غوطے لگا رہی ہیں - اکثر شوخ کم سن الھڑ پنے کے دن آپس میں چھینٹم چھینٹا ہو رہی ہیں -

شوخیاں زیور ہیں اِس سن کے لئے کچھ نرالا ہے جوانی کا بناؤ

کوئی پری پیکر، مہ جمال جمنا کا اشنان کر کے کھڑے کھڑے بالوں کو مروڑی دے کر نچوڑ رہی ہے - کوئی خشک ساڑھی باندھ کر گیلی ساڑھی کو مروڑی دے رہی ہے -

فشرو پنجۂ مرجاں زابر مروارید قمر زجیب شب اشکبار پیدا شد

گھاٹ میں ایک مصری مہاراج موٹے تازے چوڑے چکلے ننگ دھڑنگ ٹانگوں میں لنگوٹی سر پر چوٹی جٹا لٹکائے توند پھیلائے آلتی پالتی مارے ہوئے براج رہے ہیں - ایک پتھر کے چھوٹے سے چکلے پر ایک ہاتھ سے صندل گھستے جاتے ہیں - ایک جانب مہادیو کی بٹیا دھری ہے - مقابل میں اس کے گورا پاربتی کی مورت رکھی ہے - اور سنگِ مرمر کا ایک نادیا بیل بیٹھا ہوا ہے - ایک کمل کے آسن پر کچھ پوجا پتری کا سامان سنکھ وغیرہ دھرا ہوا ہے - مہادیو پر کچھ دودھ کچھ پانی لنڈھا ہوا ہے - کچھ پھولوں کی پنکھڑیاں بکھری ہوئی ہیں - ایک جانب کوڑی پیسوں کا ڈھیر ہوتا جاتا ہے - اور ایک جانب اناج کا انبار ہے - نازنیناں پری پیکر جو نہا دھو کر دربار سے نکلتی ہیں تو لباس پہن پہن کر پہلے آکر مہادیو کے روشن کرتی ہیں اور مصر جی مہاراج کو پاؤ لاگن کہتے ہیں -

مصر جی مہاراج ایک ہاتھی کی انگوٹھی سے پیشانی پر صندل کا ٹیکہ لگا دیتے اور ایک پنکھڑی تلسی کی منہ میں دے دیتے اور وہ روانہ ہوتی جاتی ہیں -

میرٹھ میں غدر کی ابتداء :

صبح ہوئی گجر بجا مرغ سحر کا غل ہوا

کرنے لگے چمن چمن مرغ چمن نواگری

مسجد و خانقاہ سے شور اٹھا صلوٰۃ کا

دیر میں جا کے برہمن کرنے لگے ہری ہری

مرغان خوش الحان درختوں پر بیٹھے ہوئے حمدِ الٰہی چہچہا رہے ہیں پڑی کے باغیچے میں چڑیوں کے چوں چوں کا وہ غل شور ہے کہ کان پڑی آواز نہیں آتی - مستانِ بادۂ توحید عالمِ وجد میں جھوم رہے ہیں - عجب کیفیت کا وقت ہے - سرخی شفق افق آسمان پر پھولتی چلی جاتی ہے - مطلع خورشید گلناری ہوتا جاتا ہے - دامان سفیدہ چاک ہو کر آسمان کی رنگت نیلی نظر

آنے لگی ہے- سورج کی گنگا جمنی کرنیں سنہرے روپہلے تاروں کی طرح پھیلی جاتی ہیں- آفتاب کی شعاعیں قلعہ معلے کے بلند منظروں کے سنہرے کلسوں پر پڑ پڑ کر اپنی چمک دمک دکھارہی ہے- بیٹھک کا سنہری برج عکس شفقی سے سنہری نظر آتا ہے- اس برج کو ثمن برج کہتے ہیں- یہ بادشاہان تیموریہ کی خاص نشست گاہ ہے- اس کے نیچے چھت بھی اور چھتہ میں سیڑھیاں ہیں اور دیوان خاص میں سے نیچے دریا کی طرف رستہ اترتا ہے اور نیچے اتر کر دریا کے کنارہ پر بطور پشتہ ایک چبوترہ ہے جس کو پڑی کہتے ہیں اس پر باغچہ ہے جس کو پائیں باغ دیوان خاص کہنا چاہیے جس کا عرض تخمیناً بیس پچیس گز کے قریب ہوگا- سطح دریا سے پانچ چار گز کا ارتفاع ہے- ثمن برج وقت طلوع آفتاب مجازی آفتاب میں مشرق کی جانب سے آفتاب دیگر کے قریب نظر آتا ہے- یا یوں کہنا چاہیے کہ چودھویں تاریخ کا چاند وقت غروب و طلوع آفتاب کے مقابل میں دوسرا آفتاب ہو جاتا ہے- یہ برج اندر سے بہت چوڑا چکلا ہے اور ہشت پہل ہے اس لئے اس کا نام مثمن برج رکھا گیا ہے جس کو اب ثمن برج کہتے ہیں- بادشاہ شاہ جہاں بعد نماز صبح اسی کے جھروکوں میں بیٹھ کر در شنیوں کو درشن دیا کرتے تھے- چنانچہ وہ قاعدہ مستمرہ آج تک جاری ہے- اس کے شمالی مشرقی- جنوبی طرف کو پر تکلف نفیس خوش نما غرفے ہیں- ان کو جھروکے کہتے ہیں- نیچے داہنی جانب کو ایک جنگلہ ہے جس میں میر فتح علی داروغہ کہاروں کا نشیمن ہے اور برابر میں دوسرا بنگلہ ہے اس میں حمید خاں رامپوری جمعدار خاص برداراں کا قیام ہے اور اسکی برابر میں چھوٹا چھپر اور ہے اس میں شیدی قمر جمعدار حبشیوں کا اور اس پڑی کا طول قلعہ معلی کی طول کی برابر ہے- اس پر پہرہ داروں کے خس پوش مکان بنے چلے گئے ہیں- حضرت ظل سبحانی خلیفہ الرحمانی سراج الدین ابو ظفر بہادر شاہ ثانی فریضہ صبح سے فارغ ہو کر جھروکوں میں بیٹھے ہوئے وظیفہ پڑھ رہے ہیں- سواری کی تیاری ہے- تخت رواں جس کا سنہری ہودا ہے اور چار ڈنڈے ہیں اس پر زربفت کی مسند تکیے لگے ہوئے ہیں- اور کاشانی مخمل کا غلاف پڑا ہوا ہے، وہ تسبیح کے صحن میں پڑا ہے- ڈیوڑھی کے دروازہ پر باناتی پردہ پڑا ہے- تسبیح خانہ کے صحن میں خواجہ سرا اور خواص بادشاہی وغیرہ اور چند معززین دربار حاضر ہیں- انتظار بر آمد حضور ہے- تسبیح خانہ کے چبوترہ کے نیچے پچاس ساٹھ کہار جن کی نوکری ہے سرخ بانات کی وردیاں اور سرخ پگڑیاں باندھے ہوئے کمر بستہ استادہ ہیں- ثمن برج کے نیچے پڑی پر کوئی دو سو خاص بردار سرمئی دستار اور سرمئی ٹپکے

باندھے ہوئے بغلوں میں تلواریں دبائے دست بستہ کھڑے ہیں۔ ایک جانب کو تیس جوان حبشی نو عمر گراں ڈیل سرخ کمخواب کی وردیاں سرخ مندیلیں سرخ پٹے باندھے دست بستہ مودب کھڑے ہیں نیچے پٹڑی کے پار رسالہ سواروں کا پرجمائے ہوئے استادہ ہے۔ مہدیوں کے تختہ میں میر فتح علی اور حمید خاں اور شیدی قمر مسلح دست بستہ کھڑے ہیں۔ جھروکہ کی جانب سب کی نگاہ ہے کہ یکا یک بالائے جھروکہ سے ہنکارے کی آواز آئی۔ میر فتح علی ہاتھ جوڑ کر آگے بڑھا۔ اشارہ سبابہ سے دریا کے پل کی جانب ایما ہوا۔ اب جو دریا کے پل کی جانب نگاہ کی تو دیکھا کہ دریا پار جو میر بحری کا بنگلہ ہے اس میں آگ لگ رہی ہے اور شعلے اڑ اڑ کر آسمان کو جاتے ہیں۔ دریا کا کنارہ گرد و غبار اور دود آتش سے دھواں دھار و تیرہ و تار ہو رہا ہے۔ میر فتح علی نے رسالدار کو حکم دیا کہ سوار بھیج کر خبر منگاؤ کہ یہ روشنی کیسی ہے۔ رسالہ سے نکل کر دو سواروں نے جو گھوروں کی باگیں لیں تو گرد باد ہو کے گھوڑے زمین سے لپٹ گئے۔ آناً فاناً میں یہاں تھے یا وہاں تھے۔ ہنوز یہ موقع واردات پر نہ پہنچے تھے سلیم گڑھ کے نیچے پل پر پہنچے تھے کہ دیکھا ادھر سے بے تحاشا لوگ اور ملاح پل کے چپراسی بھاگے ہوئے چلے آتے ہیں۔

سوار : ہیں خیر تو ہے، کیا آفت ہے جو اس طرح سر سیمہ منتشر الحواس بھاگے آتے ہو۔

چپراسی : اجی جناب خیر تو خیر فوج اتر آئی۔ میر بحری صاحب کو مار ڈالا۔ بنگلہ کو آگ لگا دی۔ مال کا صندوق اور گولک لوٹ لی۔ ہم لوگ اپنی جان بچا کر بھاگے ہیں۔ سواران بادشاہی نے یہ سنتے ہی الٹی باگیں پھیر دیں۔ کوئی پانچ منٹ میں واپس آکر خبر دی کہ کوئی غنیم دلی پر چڑھ آیا ہے۔ اس کی فوج نے تاخت و تاراج پر کمر باندھی ہے۔ بنگلہ پھونک دیا۔ میر بحر کو مار ڈالا۔ ا ؎

ا ؎ ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے آغاز سے بہت پہلے دہلی میں انقلاب کی پیش گوئیاں ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن اس انقلاب کی تفصیل سے کوئی شخص آگاہ نہ تھا۔ تاہم عام طور سے یہ خیال تھا کہ اس انقلاب کا نتیجہ انگریزوں کے حق میں برا ہوگا۔ کوئی کہتا تھا ایران ہندوستان پر حملہ کرے گا۔ ایک مرتبہ شور اٹھا کہ ایرانی اٹک تک آچکے ہیں۔ پھر یہ افواہ پھیلی کہ ایرانی فوج درہ بولان کے راستے سے آرہی ہے۔ کہا جاتا تھا کہ شاہ فارس پانچ پشت سے فوج اور سامان حرب تیار کر رہا تھا تاکہ ہندوستان کو فتح کرے اور یہ کہ زار روس شاہ ایران کا ساتھ دے گا۔ ایک طرف (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پیشگاہ حضور پر نور سے امیر فتح علی اور حمید خاں کو حکم ہوا کہ اپنی جمعیت لیجاؤ پل توڑ دو- کشتیاں کھینچ لو- کہ فوج اترنے نہ پاوے- دروازہ شہر پناہ کو بند کرادو سواروں کو روانہ کرو کہ بری صاحب کو لے کر جلد حاضر ہوں اور تمام ملازمان شاہی از کہ تا مہ کو حکم حضوری دربار پہنچ جائے- کوتوال شہر کو حکم پہنچے کہ دروازہ شہر کا پورا پورا بندوبست رکھے- کلکتہ دروازہ پر بذات خود حاضر رہے- قلعہ دار صاحب کو حکم پہنچادو کہ دروازہ قلعہ کی پوری پوری حفاظت رکھیں- سوار کو رخصت نوکری والے جلد گھوڑے دوڑا کر شہر میں داخل ہو کر دروازہ راج گھاٹ معمور کرادیں-

حسب الحکم تقاشیم فورا تعمیل حکم ہوگئی- سوار جابجا روانہ ہوگئے مگر یہاں سے جو جمعیت شکست پل کے واسطے روانہ ہوئی تھی اس کو حصول مطلب میں ناکامی حاصل ہوئی اور بے نیل مرام واپس آنا پڑا- ہنوز یہ سلیم گڑھ کے نیچے تھے کہ سامنے ملک الموت کی طرح سوار آتے دکھائی دیئے- یہ پل تک نہ پہنچنے پائے اور وہ پل کے ادھر اتر آئے- وہاں سے بہزار خرابی افتاں و خیزاں گریزاں سواران باغیہ کے آتے آتے انہوں نے جھروکہ کی ڈیوڑھی کا دروازہ لیا- چھتہ میں داخل ہو کر دروازہ ڈیوڑھی معمور کر دیا اور دیوان خاص اور تسبیح خانہ میں حاضر ہوگئے- مگر حضرت قدر قدرت ظل اللہ باشاہ رعیت پناہ کمال جرأت و تہور کو فرما کے نہایت اوسان اور استقلال سے بجائے خود جس طرح بیٹھے تھے بیٹھے رہے- ہرگز جنبش نہ کی- اور محل کی مستورات اور سراجات عصمت میں ایک تہلکہ عظیم برپا ہوگیا- مگر حضرت بہ نفس نفیس سب کو کلمات صبر و تسکین فرما کے تشفی دیتے رہے-

ادھر سواران باغیہ کشتیوں کے پل پر سے اتر کر سلیم گڑھ کے نیچے ہوتے ہوئے زیر جھروکہ پہنچے اور مردمان آیندہ و روندہ گریزاں ہو کر کلکتہ دروازہ میں داخل ہوئے- دروازہ

(بقیہ حاشیہ) شاہ نعمت اللہ ولی کی مشہور پیش گوئی کا چرچا تھا- مارچ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کو بھی شبہ ہوا کہ اہل قلعہ کا تعلق شاہ فارس سے ہے- انہیں ایام میں جامع مسجد دہلی کے دروازے پر ایک اشتہار چسپاں کیا گیا- جس میں شاہ فارس کے حملہ کی اطلاع دی گئی تھی- اشتہار دہندہ کا نام محمد صادق لکھا تھا- اخبارات میں اس اشتہار کا بہت چرچا ہوا- آخر مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ چھاؤنی میں بہت جوش پھیل گیا- (نظیر)

والوں کو اطلاع دی کہ دروازہ معمور کردو۔

ادھر مگنہ مود دروازہ پر خبر ہو گئی۔ نہانے دھونے والے گرتے پڑتے بھاگ کر شہر میں داخل ہوئے۔وہ دروازہ بھی معمور ہو گیا۔اسی اثنا میں محبوب علی خاں خواجہ سرا مختار بادشاہی اور حکیم احسن اللہ خاں آکر حاضر ہوئے۔ حضور انور نے محل میں یاد فرمایا کہ یکایک سواران نمک حرام بلائے آسمانی کی طرح نازل ہوئے اور زیر جھروکہ آکر پرا جما کر استادہ ہو گئے اور حسب قاعدہ سلامی ادا کی۔ حضور لامع النور نے حکیم احسن اللہ خاں کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے دریافت کرو کہ تم کون لوگ ہو اور کہاں سے آتے ہو۔ اور کس کے نوکر ہو۔اور یہاں کیوں آئے ہو۔

حکیم احسن اللہ خاں نے بموجب حکم تسبیح خانہ میں آکر سواران باغیہ سے استفسار حال کرنا شروع کیا۔چند افسر سواران گھوڑوں پر سے اتر کر پٹری پر آکر کھڑے ہو گئے اور زیر جھروکہ سے ہاتھ جوڑ کر عرض کرنا شروع کیا۔

باغی[1] سواروں کا بیان :

حضور جہاں پناہ سلامت! آپ دین و دنیا کے بادشاہ ہیں۔ حق تعالےٰ نے آپ کو بائیس صوبہ کا مالک کیا ہے۔ تمام ہندوستان آپ کا محکوم و فرمانبردار ہے۔ہندوستان کی رعیت آپ کی رعیت شمار ہوتی ہے۔ آج تک ہندوستان میں جو منادی پھرتی ہے تو یہی بیان کیا جاتا ہے۔خلقت خدا کی ملک بادشاہ کا حکم کمپنی کا۔انگریز لوگ آپ کی طرف سے مالک و مختار ہیں۔ لوگ آپ کے پاس فریادی آئے ہیں۔امیدوار انصاف ہیں۔ہم لوگ ملازم انگریزی ہیں۔ ہمیں لوگوں نے اپنی جانیں بیچ کر اور سر کٹوا کر کلکتہ سے لے کر کابل کے ڈیرے تک فتح کر کے چودہ سو کوس میں عملداری انگریزی قائم کرادی۔اور ہمیں لوگوں کی استعانت و امداد سے تمام ہندوستان پر تسلط ہو گیا۔ یہ ولایت سے کوئی فوج ہمراہ لے کر نہیں آئے تھے۔ سب ہندوستانی فوج کی کارگزاری ہے۔ شہادت کے واسطے ہمارے پاس تمغے موجود ہیں۔اب چونکہ تمام ہندوستان پر قبضہ اور تسلط انگریزوں کا ہو گیا اور کوئی سرکش باقی نہ رہا۔اب سرکار کی نیت میں فتور واقع ہوا اور ہمارے دین مذہب کے درپے تخریب ہوئے اور چاہا کہ تمام

---

[1] یہ سوار ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی پہنچے تھے۔(نظیر)

ہندوستان کو عیسائی کرلیں- اور ابتدا اس کی فرقہ فوج سے ہونی چاہئے- چنانچہ باہم صلاح کر کے یہ تجویز قرار پائی کہ ایک قسم کی بندوق ایسی ایجاد کی گئی کہ جس میں ٹوٹا یعنی کارتوس دانتوں سے کاٹ کر بندوق کے منہ میں دینا پڑے اور اس ٹوٹے کو جانوروں کی جھلی سے منڈھوایا گیا- اب نہ معلوم وہ جھلی دراصل کس کس جانور کی ہے- وہ بندوقیں ہم لوگوں کو دی گئیں کہ تم کارتوسوں کو دانتوں سے کاٹ کر بندوقوں میں ڈالو- ہم لوگوں نے بالاتفاق ہندو اور فرقہ مسلمان نے تعمیل حکم سے انکار کیا کہ ہم ہرگز ہرگز ایسا امر نہ کریں گے- خواہ سرکار نوکر رکھے یا نہ رکھے- فرقہ ہندو کو گائے کی جھلی کا اشتباہ واقع ہوا اور اہل اسلام کو سوٗر کی جھلی کا- ورائے ازیں ہندو نے یہ عذر کیا کہ ہم لوگوں میں اکثر برہمن- چھتری وغیرہ اعلیٰ قوم کے لوگ ہیں وہ کسی جانور کے گوشت کو منہ نہیں لگاتے- مسلمانوں نے بھی یہ عذر پیش کیا کہ ہم سوائے حلال جانور کے مردار کو منہ نہیں لگاتے- خدا جانے یہ حلال جانوروں کا پوست ہے- یا مردار، ہمارے مذہب میں ہرگز جائز نہیں- ہم ہرگز تعمیل حکم سرکار نہ کریں گے- اس پر سرکار کو یہ خیال ہوا کہ فوج نے عدول حکمی کی- اگر ان پر تشدد نہ کیا جائے گا تو ضعف حکومت سرکار متصور ہے- سطوت شاہی میں فرق آتا ہے اور ہم لوگوں کو خیال دین و آئین دامنگیر ہوا- نزاع بڑھ گئی- مقدمہ طول کھینچ گیا- چار مہینہ سے یہ تنازعہ درپیش ہے- حکام میں کمیٹیاں ہو رہی ہیں اور ہم لوگوں میں بھی سوار پیادوں کی چھاؤنیوں میں جابجا چٹھیاں دوڑ گئی ہیں کہ یک قلم کل فوج انکار کر جائے اور نوکری چھوڑ دے اور زیادہ تشدد ہو تو ایک دن ایک تاریخ بالاتفاق تمام ہندوستان میں غدر مچادو- پھر دیکھو یہ کیا کر سکتے ہیں- چنانچہ مفسدہ کا ظہور اب آ کر ہوا- اور تمام فوج یک قلم جادہ اطاعت سے منحرف ہو گئی- اور بنا اس بغاوت کی اس طور پر واقع ہوئی کہ حکام کی کمیٹیوں میں یہ بات قرار پائی کہ پہلے بسم اللہ میرٹھ سے ہونی چاہئے کہ یہ مقام صدر ہے اور بہت بڑا بھاری کمپو یہاں مقیم ہے اور پرانے بھروسے کی فوج کی اسی جا پر چھاؤنی ہے- جب یہ کمپو ٹوٹا کاٹ لے گا تو کسی اور فوج کو مجال سرتابی کی نہ ہوگی- چنانچہ حسب صلاح بالا ایک روز اور ایک تاریخ مقرر کر کے پریٹ پر فوج گورے کی جمائی گئی اور سولجروں کا توپ خانہ اور رسالہ کھڑا کیا گیا- اور تیسرے رسالہ خاص ہندوستانی کو بلوا کر پریٹ پر استادہ کیا گیا اور افسران رسالہ کو بندوقیں اور کارتوس دے کر حکم سنایا گیا کہ تم اس ٹوٹے کو کاٹو- افسران نے معذرت کی کہ سرکار معاف فرمایئے- ہم دین سے بے دین کبھی نہ

ہوں گے - خواہ سرکار ہم کو توپ سے اڑادے - جب افسروں نے انکار کیا تو پھر دوبارہ ان کو حکم سنادیا گیا کہ تم کو کاٹنا پڑے گا - پھر بالاتفاق سب نے اسی طرح انکار کیا - انجام کو سہ بارہ یہی حکم صادر ہوا - اسجانب سے وہی جواب صاف ملا - اس وقت حکم ہوا کہ ہتھیار دے دو - ہم لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے - پھر حکم ہوا کہ گھوڑوں سے اتر پڑو - ہم گھوڑوں سے اتر پڑے - پھر حکم ہوا کہ افسر لوگ فوج سے علحدہ ہو جائیں - ہم چوراسی افسر چھٹ کر رسالہ سے الگ ہو کر کھڑے ہو گئے پھر حکم ہوا کہ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دو - جب بھی عدول حکمی نہ کی - خوشی خوشی ہتھکڑیاں پہن لیں - کچھ عذر نہ کیا پھر حکم ہوا تم لوگوں کو عدول حکمی کی سزادی جاتی ہے - تم جیل خانے جاو - ہم سلام کر کے جیل خانہ کو چلے گئے - ا

تدبیر سے تقدیر مٹائی نہیں جاتی
بگڑی ہوئی قسمت کی بنائی نہیں جاتی

میرٹھ چھاؤنی کا حال :

ہیک گردش چرخ نیلوفری ہنہ تاور بچاماندو نے نادری جب ہم داخل جیلخانہ ہوئے تو کیمپ میرٹھ میں تہلکہ عظیم برپا ہو گیا اور گھر گھر کھچڑی پکنے لگی اور باہم صلاح مشورہ ہونے لگے - فرقہ مستورات میں ہمیشہ سے ناقص العقل کوتہ اندیش ہوتے آئے ہیں ان کو ہرگز اپنے انجام پر نظر نہیں ہوتی - ان میں اکثر عورتیں تھیں کہ جن

ا - ۱۸۵۷ء کے غدر کی بڑی وجوہ یہ تھیں کہ لارڈ ڈلہوزی نے جو ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء تک ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات کے گورنر جنرل رہے - بہت سی اصلاحات کیں وہ تمام دیسی ریاستوں اور دہلی کی مغل شہنشاہی کو ختم کرنا چاہتے تھے اگرچہ کمپنی نے انکی اس تجویز کو نہیں مانا - تاہم ڈلہوزی کی الحاق کی پالیسی سے تمام والیان ریاست ناراض ہو گئے تھے انہیں یہ فکر ہو گیا تھا کہ ان کی ریاستیں جاتی رہیں گی - فیصلہ کیا گیا کہ موجودہ مغل بادشاہ کی وفات کے بعد شاہی خاندان کو قلعہ سے نکال کر قطب میں آباد کیا جائے - جھانسی کی رانی کی کوئی اولاد نہ تھی - اس نے کسی کو متبنٰی بنانے کی اجازت مانگی جو نہیں دی گئی - باجی راؤ کے متبنے نانا صاحب کو پنشن دینے سے انکار کر دیا گیا - یہ ایسی باتیں تھیں جن میں والیان ریاست کو اپنا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا - اسی زمانے میں ایک فوجی قانون منظور کیا گیا جسکی رو سے فوج کو دنیا کے ہر حصے میں لڑائی کیلئے روانہ کیا جا سکتا تھا.

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے ورثا محبوس ہوئے تھے۔انھوں نے زبان طعن و تشنیع سے پنکھا جھل جھل کر نائرہ فتنہ و
فساد کو بھڑکانا شروع کیا اور ان کی چرب زبانی آتش فساد پر روغن کا کام کر گئی۔اس محل پر دیوانہ

(بقیہ حاشیہ) تھا۔ہندوؤں کے مذہب میں سمندر پار جانا گناہ تھا۔اس لئے ہندو اس قانون کو مذہب میں مداخلت سمجھتے تھے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ہندوستانیوں کو بڑے عہدے نہیں دیئے جاتے تھے۔حکومت میں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا۔اس وجہ سے ملک میں انگریزوں کے خلاف عام نفرت پھیل رہی تھی اور یہ سمجھا جارہا تھا کہ انگریز رعایا کو زبردستی اپنا غلام اور عیسائی بنارہے ہیں۔چونکہ مغلوں کے عہد میں ہندوستانیوں کو اعلیٰ ترین عہدے دیئے جاتے تھے لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل تھی ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی تھی سمندر پار نہیں جاتی تھی۔مغل اس ملک کو اپنا ملک سمجھتے تھے اس لئے انگریزی حکومت کے مقابلے میں لوگوں نے مٹی ہوئی مغل سلطنت کو زندہ کرنیکا ارادہ کرلیا۔غدر کی ابتدا مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ میں ہوئی۔جیسا کہ باغیوں نے اوپر بیان کیا ہے بعد ازاں بغاوت کی آگ دوسری چھاؤنیوں میں بھی پھیل گئی اور جہاں جہاں موقع ملا باغیوں نے انگریز افسروں کو قتل کردیا۔کانپور اور لکھنو باغیوں کے مرکز تھے۔لکھنؤ میں نواب واجد علی شاہ کے خاندان کے ایک شاہزادے کو باغیوں نے بادشاہ بنادیا۔ایک سال پیشتر انگریزوں نے نواب واجد علی شاہ سے اودھ کی حکومت لے کر انہیں بٹیابرج (کلکتہ) میں نظر بند کردیا تھا) باجی راؤ سابق پیشوا کا متبنٰے نانا صاحب انگریزوں کا جانی دشمن تھا۔اس نے باغیوں کی قیادت اختیار کی اس کے مقابلہ کے لئے جزل ہیولک کو بھیجا گیا جس نے نانا صاحب کو شکست دی اور وہ روپوش ہوگیا۔لکھنو میں سر کالن کمپل نے باغیوں کو شکست دی۔باغیوں کا اصلی مرکز دہلی تھا۔انگریزوں نے دہلی کا محاصرہ کرنے کے لئے کلکتہ بمبئی، مدراس اور پنجاب سے فوجیں منگائیں۔جزل نکلسن نے دہلی میں باغیوں کو شکست دی تاہم وہ خود اس لڑائی میں کام آیا۔رانی جھانسی اور تانتیا توپی نے بڑی بہادری سے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔رانی تو میدان جنگ میں لڑتی ہوئی ماری گئی۔تانتیا توپی کو گرفتار کرکے ۱۸۵۹ء میں پھانسی دے دی گئی۔بمبئی اور مدراس کی فوجوں کا مقابلہ سیندھیا اور ہلکر کی مرہٹہ فوجوں سے ہوا۔جس میں مرہٹوں کو شکست ہوئی۔اور انگریزوں نے کئی قلعے فتح کرلئے مگر سیندھیا اور ہلکر نے انگریزوں سے صلح کرلی۔

غدر کے ایام میں پنجاب میں امن رہا بلکہ پنجاب کی سکھ فوج کی امداد سے جزل نکلسن نے دہلی کو فتح کیا اور ہزاروں بے گناہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا خون بہایا۔

وار ہوئے بس است کا مضمون صادق آیا-ان عورات نے مردوں کو طعنے دینے شروع کئے کہ تم لوگ مرد ہو اور سپاہ گری کا دعوی کرتے ہو- مگر نہایت بزدلے اور بے عزت اور بے شرم ہو تم سے تو ہم عورتیں اچھیں تم کو شرم نہیں آتی کہ تمہارے سامنے تمہارے افسروں کے ہتھکڑیاں بیڑیاں پڑ گئیں-اور تم کھڑے دیکھا کئے اور تم سے کچھ نہ ہو سکا-لو یہ چوڑیاں تم پہن لو اور ہتھیار ہم کو دو ہم افسران کو چھوڑا کر لاتی ہیں-ان کلمات فتنہ انگیز نے اور اشتعال طبع پیدا کیا اور تمام فوج کے دلوں میں جوش و خروش مردی اور مردانگی کی آگ بھڑک اٹھی اور مرنے مارنے پر تیار ہو گئے-اور باہم یہ صلاح قرار پائی کہ شب کو چل کر جیل خانہ توڑ کر افسران فوج کو چھوڑا لاؤ- چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا-وقت شب افواج پیادہ سوار متفق و کمر بند ہو گئی اور جیل خانہ پر چڑھ گئے اور جیل خانہ توڑ کر چوراسی افسر جو قید تھے ان کو قید سے نکال لائے اور ان کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں سب کاٹ لیں اور ان کے ہمراہ جو اور بد معاش بد پیشہ، چوٹے، اٹھائی گیرے، ڈاکو، خونی، ٹھگ وغیرہ وغیرہ جو جیل خانہ میں قید تھے-سب کو گو رہا کر دیا-اور بیڑیاں سب کی کاٹ دیں-اب تمام شہر میں غدر مچ گیا-اور ہنگامہ جدال و قتال گرم ہوا- سرکار کی جانب سے گوروں کی کمر بندی ہوئی اور سو لجروں کا توپ خانہ لا کر لگا دیا گیا-اب دھائیں دھائیں توپ کے فیر ہونے لگے اور ہماری طرف سے جواب میں بندوقوں کی بار جھڑنے لگی- تمام شب گوروں کی اور ہماری جنگ ہوتی رہی- صبح کو ہم لوگ دہلی کو روانہ ہوئے- شبانہ روز میں تیس کوس کی مسافت طے کر کے آج اس وقت ہم یہاں پہنچے ہیں-بادشاہ سلامت ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں اور ہمارا انصاف فرمادیں-ہم دین پر بگڑ کر آئے ہیں-

بادشاہ کا جواب:

سنو بھائی مجھے بادشاہ کون کہتا ہے- میں تو فقیر ہوں ایک تکیہ بنائے ہوئے اپنی اولاد کو لئے بیٹھا ہوں-بادشاہت تو بادشاہوں کے ہمراہ گئی- میرے باپ دادا بادشاہ تھے جن کے قبضہ میں ہندوستان تھا-سلطنت تو سو برس پہلے میرے گھر سے جا چکی تھی-میرے جدو آباد کے نوکر چاکر اپنے خاوندان نعمت کی اطاعت سے جداگانہ رئیس بن بیٹھے-میرے باپ دادا کے قبضہ سے ملک نکل گیا- قوت لا یموت کو محتاج ہو گئے- خصوصاً میرے جد بزرگوار حضرت شاہ عالم بادشاہ غازی کو جب غلام قادر نمک حرام نے قید کر کے نابینا کیا ہے تو سلے

مرہٹوں کو طلب کیا گیا تھااور انہوں نے اس نمک حرام کو کیفر کردار کو پہنچایا- حضرت بادشاہ کو قید سے چھڑایا- چند سال مرہٹے بادشاہ کی جانب سے مختار رہے- مگر بادشاہ کے صرف مطبخ کا بندوبست بھی نہ کر سکے- لاچار ہو کر میرے دادا نے منجانب سلطنت برطانیہ رجوع کی اور انگریزوں کو بلوا کر اپنے گھر کا مختار فرمایا- اور ملک ہندوستان انکے تفویض کیا اور ان لوگوں نے حسب دل خواہ اخراجات شاہی کا بندوبست کر دیا اور ملک میں امن وامان کا ڈنکا بجادیا- اس روز سے آج تک ہم لوگ بہ عیش و عشرت تمام بسر کرتے چلے آتے ہیں- ہمیں کسی طرح کا فکرو اندیشہ دامنگیر نہیں اور کمال خوشحالی وفارغ البالی وعیش و عشرت سے بسر اوقات کرتے ہیں لڑائی جھگڑے سے کچھ کام نہیں- اس کا انسداد اور انتظام انگریز لوگ خود کر لیتے ہیں میں تو اک گوشہ نشین آدمی ہوں مجھے ستانے کیوں آئے- میرے پاس خزانہ نہیں کہ میں تم کو تنخواہ دوں گا- میرے پاس فوج نہیں کہ میں تمہاری امداد کروں گا- میرے پاس ملک نہیں کہ تحصیل کر کے تمہیں نوکر رکھوں گا- میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں- مجھ سے کسی طرح سے توقع استعانت کی نہ رکھو- تم جانو یہ لوگ جانیں- ہاں ایک امر میرے اختیار میں ہے البتہ وہ ممکن ہے کہ میں تمہارے درمیان میں ہو کر انگریزوں سے تمہاری صفائی کرا سکتا ہوں تم ابھی یہیں ٹھہرے رہو- میں نے صاحب رزیڈنٹ کو بلوایا ہے- وہ میرے پاس آنے والے ہیں- پہلے میں ان سے دریافت کر لوں ان کی زبانی مجھے حال فتنہ وفساد معلوم ہو جائے گا- اور خدا چاہے تو میں اس فساد کو رفع دفع کرا دوں گا- غرض کہ یہ گفتگو ہنوز ناتمام تھی کہ فریز صاحب ریزیڈنٹ بہمراہی قلعدار صاحب داخل دیوان خاص ہو گئے- خواجہ سرا جا کر آداب کورنش بجالایا- اندر سے حکم آیا کہ دونوں صاحب محل میں حاضر ہوں اس وقت صاحب ریزیڈنٹ بہادر قلعدار صاحب اور احسن اللہ خاں اور محبوب علیخاں ہر چہار اشخاص محل شاہی میں داخل ہوئے-

ریزیڈنٹ کی باریابی :

حضور پر نور : کیوں بھئی - یہ کیا فتنہ و فساد برپا ہو گیا- یہ مذہب کا جھگڑا کیسا اٹھ کھڑا ہوا- یہ مقدمہ دین آئین کا ہے - تعصب مذہبی بہت بری شے ہے- اس میں اکثر سلطنتیں معرض زوال میں آگئی ہیں- لاکھوں آدمیوں کا کشت و خون ہو گیا ہے- اس فتنہ کا جلد انسداد ہونا واجب ہے-

سر چشمہ شاید گرفتن بمیل چو بر شد نشاید گذشتن بہ پیل

مبادا فتنہ و فساد ہندوستان میں عالمگیر ہو جائے اور لاکھوں آدمیوں کا کشت و خون ظہور میں آئے اور انتظام مالی و ملکی میں فرق واقع ہو-بنا بنایا کام بگڑ جائے جہاں تک ممکن ہو نرمی اور آشتی سے کام نکالا چاہیے-یہ لوگ جاہل ہیں- فرقہ سپاہ جاہل ہوتا ہے-ان سے تھپک کر کام نکالنا چاہیے اور ان کو ہدایت کرو کہ یہ لوگ اس فتنہ و فساد سے باز آئیں- جائے تعجب ہے کہ تم کو اس معاملہ کی اب تک خبر نہیں-

صاحب رزیڈنٹ بہادر حضور غلام کے پاس شب کے گیارہ بجے سوار نے چٹھی لا کر دی- مجھ کو چونکہ اس وقت نیند کا غلبہ تھا میں سمجھا کوئی معمولی چٹھی ہے اس وقت کچھ خیال نہ کیا-پاکٹ میں ڈال کر سو رہا- صبح کو جب حضوری سوار میرے پاس پہنچے اس وقت میں نے چٹھی پڑھی تو حال معلوم ہوا- حضور کچھ اندیشہ نہ فرمائیں خاطر جمع رکھیں-بلوائی لوگ ہے کیا کر سکتا ہے حضور کے اقبال سے سب رفع دفع ہو جائیں گے-غلام باہر جا کر ابھی ان کو فہمائش کرتا ہے-خدا چاہے تو فساد بڑھنے نہ پائے گا- یہ عرض کر کے صاحب ریزیڈنٹ بہادر محل سے برآمد ہوئے تسبیح خانہ کے صحن میں کٹہرے کے برابر کھڑے ہوئے حاضرین دربار شاہی سب برابر صف باندھے ہوئے کھڑے ہیں- دربار کی جانب سب کا رخ ہے- حکیم احسن اللہ خاں بہادر کے لڑکے استادہ قلعہ دار صاحب بھی موجود ہیں-

ریزیڈنٹ باغیوں کے سامنے :

صاحب ریزیڈنٹ بہادر : کیوں بابا لوگ یہ کیا فتنہ و فساد تم نے برپا کر دیا- ہم لوگوں نے تم لوگوں کو رومال سے پونچھ کر تیار کیا ہے- ہم کو یہ دعویٰ تھا کہ اگر روس ہندوستان کی طرف پاؤں بڑھائے گا تو ہم سرحد پر اس کا سر توڑیں گے اور اگر ایران پیش قدمی کرنے کا ارادہ کرے گا تو ہم اس کو وہیں پسپا کریں گے -اگر کوئی سلطنت ہندوستان کی طرف رخ کرے گی تو اس کو دنداں شکن جواب دیں گے یہ خبر نہ تھی کہ ہماری فوج ہمارے ہی مقابلہ کو تیار ہو گی- کیوں بابا لوگ شرط نمک خواہی یہی تھی کہ آج تم ہمارے مقابلہ کو تیار ہوئے ہو- ہم نے تم کو اسی واسطے کروڑہا روپیہ صرف کر کے تیار کیا تھا-

سواران فوج باغیہ : غریب پرور حضور سچ فرماتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں سرکار نے ہم لوگوں کو اسی طرح پالا اور پرورش کیا ہے سرکار کے حقوق نمک ہم نہیں

بھولیں گے مگر ہم لوگوں نے آج تک سرکار کی کوئی نمک حرامی نہیں کی- جہاں سرکار نے ہم کو جھونک دیا ہم آنکھیں بند کر کے آگ میں، پانی میں کود پڑے، کچھ خوف جوکھوں کا نہ کیا سر کٹوانے میں کہیں دریغ نہیں کیا- کابل پر ہمیں لوگ گئے- لاہور ہمیں لوگوں نے فتح کیا- کلکتہ سے کابل تک ہمیں لڑے بھڑے سر کٹوائے جانیں دیں- اور حق نمک ادا کیا- اب جبکہ تمام ہندوستان پر سرکار کا قبضہ ہو گیا تو سرکار ہمارے دین آئین کے درپے ہوئی ہمیں کرسٹان بنانا چاہا- ہم سے ٹوٹا کٹوانے کو کہا تو ہم لوگ اپنے دین آبائی کو چھوڑ کر کس طرح بے دین ہو جائیں ہم کو مر جانا قبول ہے مگر دین سے بے دین نہ ہوں گے- اب سرکار جو چاہے ہمارا کرے ہم سب مرنے پر تیار ہیں اور ہم اپنے کو اس وقت تک مردہ تصور کر چکے ہیں کہ جس وقت جیل خانہ توڑ کر افسروں کو بر آمد کیا-

صاحب ریزیڈنٹ بہادر: سنو سنو بابا لوگ تم اس خیال کو جانے دو اور ہمیں مارنے سے باز آؤ- اب تم کو کوئی نہیں مارے گا- ہم بیچ میں پڑے ہیں اور ضامن ہوتے ہیں اور خدا کو گواہ کرتے ہیں اور خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تم سے دغا نہ کریں گے اور تمہارے حق میں انصاف کریں گے اور ان لوگوں کو سزا دلوائیں گے- جنھوں نے یہ فتنہ برپا کرایا ہے اور وہ لوگ سزایاب ہوں گے اور بیے سب ٹھیک کئے جائیں گے اب تم مار کٹائی ترک کرو اور لوٹ مار سے باز آؤ- اور بادشاہ سلامت کا بھی یہی حکم ہے کہ تم لوگ دین پر پھرے ہو- ہم تمہارے دین کا بندوبست کرا دیتے ہیں- تم کشت و خون سے باز آؤ اور بادشاہ صاحب خود درمیان میں پڑے ہیں-

فوج باغیہ: غریب پرور ہم کو سرکار کے قول کا بھروسہ نہیں معلوم ہوتا- سرکار نے اکثر جائے دھوکہ دے کر ملک گیری کی ہے- آج تو ہم سرکار کی اطاعت قبول کریں- کل سرکار ہم کو پکڑ کر پھانسی پر کھینچ دے- ایسی حالت میں ہم کو بھنگی کے ہاتھ سے پھانسی کھانے سے تلوار کے منہ سے مرنا اچھا معلوم ہوتا ہے-

صاحب ریزیڈنٹ بہادر: نہیں نہیں تم لوگ ایسا ہرگز خیال نہ کرو ہم انجیل پر ہاتھ دھر کے کہتا ہے کہ ہم تم سے ہرگز ہرگز دغا نہ کریں گے اور بادشاہ صاحب کا بھی فرمانا یہی ہے- اس میں اکثر جو سمجھدار تھے- انھوں نے کہا ہاں صاحب بہادر سچ تو فرماتے ہیں جس طرح صاحب بہادر فرمائیں قبول کرنا چاہیے- مگر بعض جہاں نافہم جن کے سر پر مظالم کا

بھوت سوار تھا اور موت دامنگیر تھی وہ بولے کہ انگریزوں کے قول و قسم کا اعتبار نہیں۔ یہ لوگ قول دے کر پھر جاتے ہیں۔ یہ لوگ عیسائی ہیں۔ ان میں باہم تکرار ہونے لگی۔ آدھے تو یہ کہتے تھے میاں صاحب کا کہنا مان لو۔ آخر یہ بھی حاکم وقت ہیں، دلّی کے مالک ہیں یہ کبھی ہم سے فریب نہ کریں گے اور آدھے اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ ہم ہرگز ہرگز نہیں مانیں گے۔ آخر ایک نالائق سپاہی بولا کہ لو ہم فیصلہ ہی کئے دیتے ہیں۔ جھٹ بندوق چھتیا کر صاحب ریزیڈنٹ بہادر پر فیر کر ہی دیا۔ مگر اس وقت قضا نہ تھی۔ وہ بندوق کی گولی صاحب بہادر اور حکیم احسن اللہ خاں کے برابر میں سے نکل کر تسبیح خانہ کے ستون پر جا کر لگی اور سنگ مرمر کا ٹکڑا ٹوٹ کر گر پڑا۔ وہ ستون آج تک ٹوٹا ہوا موجود ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں نے صاحب بہادر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پیچھے کر لیا اور کہا یہ لوگ ہرگز نہ مانیں گے جو حق فہمائش تھا وہ ہو لیا اب اور تجویز کرنی چاہیے۔

صاحب ریزیڈنٹ بہادر نے پھر محل میں جانے کی اجازت طلب کی اور محل میں جا کر بادشاہ سے عرض کی کہ جو حق سمجھانے کا تھا سمجھا لیا گیا۔ مگر یہ لوگ نہیں مانتے ہیں۔ ان لوگوں کے سر پر قضا سوار ہے ابھی جا کر ان کا بندوبست کرتا ہوں ابھی ان کو اڑا دیا جائے گا ان کے انفصال کو نجیبان کوتوالی کی پلٹنیں کافی ہیں اٹھارہ سو نجیب ہے بہت ہے۔

بادشاہ سلامت۔ اچھا جو میرے آدمی موجود ہیں اپنی حفاظت کو ہمراہ لے جاؤ۔ صاحب ریزیڈنٹ بہادر مسکرا کر دربار کی سوبھا کے آدمی ہیں ڈیوڑھی کی حفاظت کو رہنے دیجئے حضور کا اقبال کافی ہے۔ حضور خاطر جمع رکھیں حضور پراگندہ خاطر نہ ہوں بندوبست ہوا جاتا ہے۔

ریزیڈنٹ کی واپسی :

صاحب ریزیڈنٹ بہادر محل سے برآمد ہوئے۔ قلعدار صاحب اور صاحب بہادر لال پردہ کے دروازہ سے نکل کر نقش گری کے چوک میں ہوتے ہوئے جالی کے دروازہ میں آئے اور دیوان عام کا چوک طے کر کے نقار خانہ کے باہر آ کر بگھی پر سوار ہوئے قلعدار صاحب ہمراہ ہیں یہ دونوں صاحب بگھی پر سوار ہیں اور نقار خانہ کے آگے کا چوک طے کر کے قلعہ کے چھتہ سے گزر کر قلعہ کے دروازہ سے باہر ہوئے اور کھوکس میں بگھی کو روک کر دروازہ کی کمپنی کو کمربندی کا حکم دیا اور کہا کہ تم کھوکس کی دیوار پر بندوقیں بھر کر تیار ہو اور جو باغی لوگ

دروازہ پر آئیں۔ان کو اڑادو اور کارتوس توشدان میں بھر واؤ۔ہم کلکتہ دروازہ کے بندوبست کو جاتے ہیں۔ خبر دار ہو دروازہ کو کس کے بند رکھو۔ کھڑکی کھلی رہنے دو۔ یہ کہہ کر دونوں صاحب بگھی پر سوار کھوکس کے دروازہ سے باہر آئے۔کلکتہ دروازہ پر پہنچے وہاں جاکر دیکھا کہ دروازہ معمور ہے کوتوال شہر اور تھانیدار اور جمعدار و سپاہی سب مستعد ہیں۔ شہر پناہ کے ڈنڈے پر کلکتہ دروازہ سے موت دروازہ تک نجیب لین جمائے کھڑے ہیں ناکوں پر بھی موجود ہیں ناکہ موت دروازہ اور کلکتہ دروازہ کے مابین جو ایک برج چھوٹا سا شہر پناہ کا ہے اس پر ایک توپ چڑھی ہوئی ہے۔اور اس کا رخ پل کی طرف کے روزن میں سے پل کی طرف ہے اب احتمال یہ ہے کہ آخر فوج باغیہ جو دریائے جمن سے عبور کر کے آئے گی تو اسی دروازہ سے آئے گی۔اس انتظار میں ساری فوج نجیبان کی جمی کھڑی ہے یہاں تو انتظام ہو رہا ہے۔ سب کیل کانٹے سے درست ہیں۔جنگ کا سامان ہے، برگشتگی تقدیر کی کسی کو خبر نہیں۔

کہن چرخ مشعبد حقہ باز است لئے آزار مروم حیلہ ساز است

پانچ سوار:

صاحب ریزیڈنٹ بہادر تو ادھر رخصت ہو کر آئے چرخ شعبدہ باز نے ادھر تازہ بازی آغاز کی۔ سواران باغیہ واپس ہو کر کلکتہ دروازہ کی طرف تو گئے نہیں انہوں نے راج گھاٹ دروازہ کی طرف رخ کیا اور راجگھاٹ دروازہ پر پہنچے اخبار روایات مختلفہ گوش گزار راقم ہوئی ہیں۔بعض کا بیان ہے کہ دروازہ بند تھا اور نجیب دروازہ پر موجود تھے جمنا کے اشنان کرنے والے بہت سے منتظر تھے کہ دروازہ باز ہو تو ہم جاکر اشنان کریں گے مگر دروازہ بند تھا پان صد کے قریب آدمی جمع ہو گئے تھے۔دروازہ والوں سے بحث کر رہے تھے کہ دروازہ کھول دو تو ہم جاکر اشنان سے فارغ ہوں تو روٹی ٹکڑا کریں۔دروازہ والے انکار کرتے تھے کہ ہرگز دروازہ بے حکم سرکار نہیں کھلتا ہے آخر نوبت زدوکوب کی پہنچی اور لوگوں نے بلوا کر کے پتھروں سے قفل دروازہ توڑ کر دروازہ کھول دیا۔یا یہ کہ دروازہ دراصل پہلے سے کھلا ہوا تھا مگر یہ بھی قرین قیاس نہیں دروازے شہر کے سب معمور ہو چکے ہیں اور جب کلکتہ دروازہ پر تو اتنا بندوبست ہے تو اور دروازے کیسے کھلے رہ سکتے ہیں۔

غرضکہ اس روایت کی تحقیق پوری طور پر راقم کو نہیں کہ دروازہ کیونکر کھلا۔

قصہ مختصر سواران باغیہ راجگھاٹ کے دروازہ سے شہر میں داخل ہوئے اور دروازے کی سڑک جو کھائی جو کئی دریا گنج کی چوڑائی میں سنہری مسجد کے سامنے جا کر تمام ہوتی ہے وہاں سنہری مسجد کے نیچے چوراہہ ہے۔ایک سڑک تو لال قلعہ کے نیچے ہوتی ہوئی لال ڈگی کو جاتی ہے اور ایک راستہ خاص بازار کو جاتا ہے اور یہیں سے قلعہ کے نیچے کا میدان شروع ہے اور جنوب کے جانب میں دو سڑکیں برابر دلی دروازہ کو جاتی ہیں۔ نہر مائلسے اور ایک سڑک گوشہ جنوب اور مشرق میں دریا گنج کو جاتی ہے۔اس میں اول ہی سڑک کے سرے پر پادری صاحب کا بنگلہ ہے۔یہ پادری صاحب اول تو ہندو تھے پھر عیسائی ہو گئے تھے،اول انہیں پر چوٹ ہوئی۔ پہلی بسم اللہ کشت و خون کی یہیں سے شروع ہوئی۔

سواران باغیہ بنگلے کی قطع دیکھ کر بنگلہ کی غلام گردش میں آکر کھڑے ہوئے۔

سواران باغیہ : تم کون۔

پادری صاحب :پادری۔

سواران باغیہ : مسلمان یا ہندو۔

پادری صاحب : عیسائی

یہ سنتے ہی ایک سوار نے پستول کا گھوڑا دبایا ادھر طپنچہ کی آواز ہوئی اور ادھر مرغ روح نے آسمان کو پرواز کی۔پادری صاحب تو غلام گردش میں دراز ہوئے اور دست غارت گری فرار۔سواران باغیہ بنگلہ کو آگ لگا کر آگے روانہ ہوئے۔

لال ڈگی کے سرے پر پہنچے اور ہسپتال میں داخل ہو کر ڈاکٹر صاحب کی مزاج پرسی کی۔ چمن لال ڈاکٹر ذات کے کایستھ تھے۔ تھوڑے عرصہ سے وہ اور ماسٹر رام چندر دونوں عیسائی ہو گئے تھے۔اس وقت شفاخانہ میں سوار جا کر نکیرین کی طرح چھاتی پر سوار ہو گئے اور سوال کیا۔ کیا دین رکھتے ہو؟

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ عیسیٰ مسیح کا۔

فرقہ باغیہ نے ان کو بھی ایک ضرب طپنچہ میں پادری صاحب کے پاس پہنچادیا۔ شفاخانہ توڑ پھوڑ کر سب برابر کیا۔ان دونوں شخصوں کے مارے جانے کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی اور تمام بد پیشہ بد معاش چوٹے، اٹھائی گیرے، کرکی باندی باز مال مردم خور جو ایسے مواقعات کے منتظر رہتے تھے گھروں سے نکل نکل کر آن موجود ہوئے اور ایک جم غفیر اور

اژدہام کثیر فرقہ باغیہ میں شامل ہو گیا- اب ایک سوار ہے پچاس بد پیشہ اس کی اردلی میں دوڑے جاتے ہیں سوار کسی پر دست درازی کرتے ہیں بد معاش لوٹ کھسوٹ کرنے لگتے اور سامان توڑ پھوڑ کر برابر کر دیتے ہیں- جو شے آتی ہے اسے لے بھاگتے ہیں- رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ سواران باغیہ قلعہ کے لاہوری دروازہ تک جا پہنچے- کوئی ان کا سد راہ نہ ہوا- وہاں پہنچ کر فرقہ باغیہ نے دریافت کیا کہ انگریز لوگ کہاں ہیں- کسی نے کہہ دیا کہ انگریز لوگ اور تمام تھانہ دار کوتوال تیلیاں وغیرہ سب کلکتہ دروازہ پر جمع ہیں- یہ سنتے ہی سواران باغیہ میں سے پانچ سواروں نے کلکتہ دروازہ کی جانب گھوڑوں کی باگیں اٹھادیں اور سرپٹ گھوڑے بگٹٹ وہاں سے روانہ ہوئے- باقی سوار تمام زیر دیوار قلعہ لب خندق لال ڈگی کی سڑک پر کھڑے رہے- یہ پانچ سوار جو آندھی بگولے کی طرح سے گڑبڑ گڑبڑ کرتے ہوئے بلا تحاشا قریب کلکتہ دروازہ پہنچے اور ان کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز محافظان دروازہ جو بالائے دیوار شہر پناہ روزنوں میں بندوقیں نکالے ہوئے سواروں کے انتظار میں کھڑے ہوئے پل کی طرف دیکھ رہے تھے ان کے کان میں پہنچی اور پشت پھیر کر جو سواروں کو آتے ہوئے دیکھا یکبارگی سب کے اوسان خطا ہو گئے اور کسی کے منہ سے یہ نکلا کہ اے وہ تو یہ آگئے- پس کہنا غضب ہو گیا- ڈنڈی پر اور ڈنڈی کے نیچے جتنے انگریز اور کوتوال اور تھانہ دار نجیب کھڑے ہوئے تھے سب کے پاؤں اٹھ گئے- اس وقت ایسا ہیز اور نامردی طبیعتوں پر ستولی ہوئی- کسی کی جرأت اور ہمت نہ پڑی کہ ان پانچ سواروں پر حملہ کرے اور ان پانچ سواروں کا رعب ایسا غالب ہوا کہ ڈنڈے پر سے کود کود کر سب مگنہ مود دروازہ کی جانب فرار ہو گئے- اس وقت اگر یہ لوگ مٹھی مٹھی بھر خاک ڈال دیتے تو وہ دب کر رہ جاتے مگر استغفر اللہ کس کی جرأت تھی کہ ان کے مقابل ہوتا جیسے بکریوں میں شیر آن پڑا- بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ سوجھا- اب میدان صاف ہو گیا- رہ گئے بے چارے ریزیڈنٹ بہادر اور قلعدار صاحب ان کے سوا چڑیا تک کا نام و نشان نہ پایا-

ان پانچوں سواروں نے صاحب ریزیڈنٹ بہادر کی بگھی کو آگھیرا- مگر واہ ری جرأت و ہمت صاحب ممدوح کی کہ اس وقت بے کسی میں ذرا انتشار طبیعت اور اضمحلال خاطر کو دل میں نہ آنے دیا اور بہ استقلال تمام بگھی کی گھوڑے کی باگ قلعہ کے دروازہ کی جانب پھیر دی اور چابک مار کر گھوڑے کو تیز کر دیا اور سوار بھی ساتھ کے ساتھ ہی شمشیر برہنہ

کئے ہوئے بارادہ قتل چلے آتے تھے کہ ایک سوار نے گھوڑا بڑھا کر چاہا کہ تلوار کا وار کرے۔ صاحب ریزیڈنٹ نے جیبی طپنچہ نکال کر اس پر سر کیا اور طپنچہ کی گولی سوار کے سینہ پر کارگر ہو گئی اور اس کا کام تمام کیا۔ باقی چار سواروں نے کہا کہ اب تو تم نے ہمارا ایک سوار بھی گرادیا۔ اب ہم تم کو ہر گز جیتا نہ چھوڑیں گے۔ غرض کہ جوں توں کر کے دروازہ قلعہ تک پہنچے اور بگھی میں سے جلدی جلدی کود کر کھڑکی کی راہ سے دروازہ قلعہ میں داخل ہوئے اور کھڑکی پر بھی قفل ڈلوادیا اور کمپنی کو حکم دیا کہ ہاں کیا دیکھتے ہو ان باغیوں پر فیر کیوں نہیں کرتے یہ کہہ کر دونوں صاحب قلعہ کے چھتے میں داخل ہوئے اور چھتے سے گزر کر زینے پر چڑھتے تھے قلعہ دار صاحب تو دروازہ پر جہاں ان کی سکونت کا مکان تھا جا پہنچے اور بڑے صاحب چونکہ جسیم تھے ہنوز راہ میں ہیں۔

سواران باغیاں نے نگہبانان دروازہ سے آکر کہا کہ تم لوگ دین کے ساتھی ہو کہ ان کے؟

نگہبان دروازہ: دین کے۔

سواران: تو دروازہ کیوں بند کر رکھا ہے؟

سپاہیان دروازہ نے فوراً چوپٹ دروازہ کھول دیا۔

سواران: صاحب کہاں گئے؟

نگہبان دروازہ: بالائے دروازہ۔

سواران باغیہ فی الفور گھوڑوں پر سے کود کود کر گھوڑوں کو تو سپاہیان دروازہ کے حوالہ کیا اور چھتہ میں روانہ ہوئے اور زینہ کی راہ میں بڑے صاحب بہادر کو جالیا۔

ریزیڈنٹ کا قتل :

افسوس صد افسوس کہ باغیان کور نمک نے کچھ حق نمک پر خیال نہ کیا اور اس حاکم ذوی الاقتدار نصفت شعار کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے اور بضربات شمشیر ان کا کام تمام کیا اور اوپر دروازہ کے بنگلہ پر جاکر قلعدار صاحب اور قلعدار کی بیوی اور ان کے بچوں کو مارے تلواروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیا۔

دنیا الحق مقام عبرت ہے اس لئے اہل اللہ جن کو خداوند عالم الغیب نے چشم

بصیرت اور نگاہ معنی نگر عطا فرمائی ہے وہ ہرگز ہرگز اس عروس گندم نمائے جو فروش کے حسن ابلہ فریب پر مائل نہیں ہوتے ہیں اور اس کے نقش و نگار ظاہری و بہار عارضی کے دام فریب پر التفات نہیں فرماتے۔

دو در وار د ایں باغ آراستہ　　　　در وبند ازیں ہر دو بر خاستہ

دراز در باغ و ہنر تمام　　　　زدیگر در باغ بیروں خرام

اس کی ثروت و تمکنت اور دولت و حشمت سلطنت کا کچھ اعتبار نہیں ہزاروں بادشاہان عالی مقدار و سلاطین ذوی الاقتدار چشم زدن میں پامال نکبت و ادبار ہو گئے ہیں۔ نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

خیال فرمانا چاہیے کہ یا تو سلطنت برطانیہ کا یہ رعب سطوت و سیاست تھا کہ آج کسی دول خارجہ کی یہ مجال اور حوصلہ نہیں کہ سرکار سے آنکھ ملا کر دیکھ سکے یا یا نسہ پلٹا تو ایسا پلٹا کہ چند جہال گھس کھدوں نے آناً فاناً میں زیروزیر کر دیا۔

وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدك الخیر انك علی کل شئی قدیر۔

تجہیز و تکفین کا انتظام

جہاں میں جتنے تھے اوباش رند نافرجام　　　　دغا شعار چغل خور بد معاش تمام

ہوئے شریک سپاہِ شریر و بد انجام　　　　کیا تمام شریفوں کے نام کو بد نام

دو چند آتش فتنہ کو سربلند کیا　　　　کیا وہ کام کہ عالم کو درد مند کیا

شریر و مغوی و نااہل سر اٹھانے لگے　　　　کہ گمراہوں کو رہ گمرہی دکھانے لگے

چھپے ہوؤں کا سراغِ نشان بتانے لگے　　　　پکڑ پکڑ کے ستمگار خوں بہانے لگے

اٹھائی گیرے اچکے گھروں سے دھر بھاگے
جو گٹھ کٹے تھے وہ گھڑی لپک کے دھر بھاگے

ہمارے ہاں کمرے کے گھنٹے میں سات بج کر پچیس منٹ پر سوئی آکر قائم ہوئی ہے۔ راقم روزے کی نیت باندھ کر جو چھپر کھٹ پر دراز ہوا تو جوانی کی نیند ہے۔ بائیس کا سن نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ چار مہینے شادی کو گزرے ہیں۔ ہند مکانات سے آفتاب بلند ہو چکا ہے اور کمرے کی منڈیر سے دھوپ اتر کر نصف دروں تک آپہنچی ہے اور چھپر کھٹ کے

پردوں میں چھن چھن کر تمازت آفتاب بدن پر اثر کرنے لگی ہے-جب خواب سے بیدار ہوا ہے مکان کی سقف فراخ ہے تو کمرے کے آگے کا صحن وسیع ہے- کمرہ شرق رویہ ہے جنوب کی جانب دیوار بلند ہے شرق کی جانب قد آدم ہے-زینہ شرق کی جانب ہے زینہ میں سے دو رستے ہیں-ایک دیوانخانہ کے چھت کی جانب دوسرا کمرہ کے صحن میں کمرہ کے آگے چھپر کھٹ ہے اور چھپر کھٹ کے آگے چوکیوں کا فرش اس پر دری چاندنی وغیرہ کا فرش ہے- گاؤ تکیہ جھرمٹ کی پٹی سے لگا ہوا ہے- حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر مونڈھے پر بیٹھا ہوں دوسرے مونڈھے پر سیلانچی دھری ہوئی ہے- خادمہ کے ہاتھ میں آفتابہ ہے منہ دھو کر رومال سے ہاتھ منہ پاک کر چکا ہوں- سامنے کرسی دار مونڈھے پر آئینہ دھرا ہے کنگھی سے بالوں کو سلجھا کر مروڑی دے رہا ہوں کہ یکایک کیا دیکھتا ہوں ایک خادمہ گھبرائی ہوئی سانس چڑھا ہوا ہوش حواس پراگندہ، پسینے پسینے، منہ فق-رنگ زرد لبے اوسان زینہ پر سے چڑھی چلی آتی ہے-آتے ہی دھم سے چوکیوں پر گر گئی-

ہیں ہیں، مبارک، خیر باشد آج ایسی گھبرائی ہوئی کہاں سے آئی- گھر میں تو خیر ہے-مبارک سلام کر کے ہاتھ کے اشارہ سے ذرا سانس قائم ہولے تو کہتی ہوں- قریب چار منٹ کے سر پکڑے بیٹھی رہی، جب ہوش درست ہوئے تو کہا- میاں مجھے نواب صاحب اور تمہاری خوش دامن نے بھیجا ہے اور تمہاری خیر خیریت دریافت کی ہے کہ تم گھر میں ہو یا قلعہ میں ؟

راقم : میں تو اچھا بھلا چنگا ہوں خدا کا فضل ہے- قلعہ تو بہ سبب رمضان المبارک دوسرے تیسرے روز جاتا ہوں- آج تو نہیں گیا-اور میری بیوی بھی تندرست ہیں-یہ دیکھ لے چھپر کھٹ میں سوتی ہیں-

مبارک :-اور یہ تختوں پر چادر اوڑھے کون سوتا ہے-

راقم :- فہیم النسا مانی سوتی ہیں-

مبارک :-بی مانی ابھی تک اٹھی نہیں-شہر کی تجھے کچھ خبر ہے شہر میں تو غدر ہو رہا ہے- تم پڑی سوتی ہو-

مانی :-اے چل کم بخت دور پار غدر کیوں ہونے لگا تو ایسی ہی فال زبان سے نکالا کرتی ہے- صبح ہی صبح کہاں سے آئی- میں رات بھر کی جاگی ہوئی ہوں- مجھے سونے دے-

راقم :- مبارک! غدر کیسا؟

ممبارک : میاں دکانیں شہر کی بند ہیں- بازار میں سوار پھر رہے ہیں- شہر میں خاک اڑ رہی ہے- جب تو نواب صاحب نے تمہاری خیریت منگائی ہے-

راقم :- مبارک کیا کہتی ہے- سوار کیسے- کس کے سوار؟

مبارک :- میاں! میں تو عورت ذات مجھے کیا معلوم کس کے سوار ہیں- اگر میں مرد ہوتی تو ان سے پوچھتی کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو-

راقم :- مبارک، سواروں کو تم نے آنکھ سے بھی دیکھا یا سنی سنائی کہتی ہے؟

مبارک :- ہاں میاں میں آنکھ سے دیکھ کر آئی ہوں- جامع مسجد کے نیچے پانچ سات سوار پھر رہے تھے- بلکہ میرے پیچھے پیچھے شاہ بولا کی بڑک تک آئے- میں روشن پورہ میں چلی آئی اور وہ قاضی کے حوض کی طرف چلے گئے-

راقم :- کس وضع کے سوار تھے، کیسے کپڑے تھے، کیسے گھوڑے تھے؟

مبارک :- کپڑے تو ان کے سفید ہی تھے، مگر گھوڑوں کا سامان انگریزی تھا-

یہ واقعہ سن کر مجھ پر ایک حیرت کا عالم ہوا اور چند منٹ تک سکوت میں گردن جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا رہا اور خیالات فاسدہ میرے دماغ میں گردش کرتے رہے- یکا یک خیال نے پلٹا کھایا اور طبیعت میں یہ بات آئی- آیا وہ جو دو بزرگوار اولیاء اللہ نے تجھ سے چند کلمے بطور پیشگوئی بیان کئے تھے یہ اس کا ظہور ہے-

اس واقعہ سے پانچ چار ماہ پیشتر ایک روز میں بازار پایہ والوں میں ایک کتب فروش کی دکان پر بیٹھا ہوا کتابوں کی سیر کر رہا تھا- یکا یک ایک بزرگوار لحیم شحیم دراز قامت، فربہ اندام ،دراز ریش، سیہ فام، کزبزی داڑھی، ساٹھ برس کا سن و سال، ڈھیلا انگرکھا، شرعی پاجامہ ،گول ٹوپی، ہاتھ میں عصا، گلے میں تسبیح ڈالے وارد ہوئے اور دکان پر آ کر بولے- بھائی سلام علیک- مولوی عیسیٰ کتب فروش نے اور میں نے تعظیم دی-

مولوی عیسیٰ : آیئے حافظ صاحب- حافظ صاحب راقم کی برابر آ کر بیٹھ گئے-

حافظ صاحب (راقم سے مخاطب ہو کر) : بھائی! ان کتابوں میں کوئی کلام مجید بھی ہے؟

راقم :- حضرت ہاں ہے- میں نے ایک لکھنو کے چھاپہ کا کلام اللہ اتار کر حافظ

صاحب کے حوالے کیا- حافظ صاحب تلاوت میں مشغول ہوئے-ایک رکوع جب ختم ہو گیا تو حافظ صاحب پر حالتِ جذب طاری ہوئی اور آنکھیں سرخ ہو گئیں اور چہرہ تمتما گیا- گردن کی رگیں پھول گئیں اور حالتِ غیظ و غضب میں بازار کی جانب ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے- ایلو ایلو، وہ مارڈالا، وہ مارڈالا، وہ پھانسی دے دیا، وہ پھانسی دے دیا، واہ واہ کیا خوب تماشا ہے- ایک کو ایک مارے ڈالتا ہے- ایک کو ایک پھانسی دے رہا ہے- اور کوئی کچھ نہیں کہتا اور بار بٹن صاحب بیٹھے ہوئے تماشا دیکھ رہے ہیں- یہ الفاظ فرما کر حافظ صاحب خود ہی فرمانے لگے- بس خاموش رہو- تم کو کس نے اِذن دیا ہے کہ تمام اسرارِ الٰہی کا پردہ فاش کرو- یہ کہہ کر حافظ صاحب نے گردن نیچے جھکائی اور پھر تلاوت میں مشغول ہو گئے- ایک رکوع پڑھ کر پھر وہی حالت طاری ہو گئی اور دوبارہ پھر انہیں الفاظ میں وہی کلمات سابق ادا فرمائے- غرضکہ مرہ بعد اولی و کرہ بعد اخری تین بار یہ ظہور میں آیا اور بعد حافظ صاحب نے کلام شریف کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا اور سر پر رکھا اور میرے حوالے کیا- میں نے الماری میں رکھ دیا- پھر حافظ صاحب راقم سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے- تم شہر میں بیٹھے ہوئے کیا کرتے ہو، باہر رجواڑں کی سیر کیا کرو- دنیادار کو گھر میں بیٹھا رہنا نہ چاہیے- میں خاموش بیٹھا رہا- مارے رعب کے کچھ نہ کہہ سکا- پھر فرمانے لگے تمہارے والد خط نسخ کے بہت بڑے خوشنویس ہیں- تم اپنے والد سے مجھے ایک کلام اللہ ایسا لکھوا دو کہ ایک ورق میں سپارہ تمام ہو جائے اور تیس ورق میں تیس سپارے ختم ہو جائیں-

راقم :- بہت بہتر میں عرض کروں گا-

حافظ صاحب :- بھائی میرے واسطے پراٹھے اور میتھی کا ساگ پکوا کر لانا-

راقم :- بہت بہتر آپ کہاں ملیں گے-

حافظ صاحب :- یہ برابر میں جو نانبائی کی دکان ہے- یہ کہہ کر اور سلام علیک کہہ کر تشریف لے گئے- ہنوز یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امیر خاں خدمت گار نے دروازہ پر ایک خادمہ کا نام لے کر آواز دی کہ میاں سوتے ہیں یا جاگتے ہیں- اگر سوتے ہوں تو جگا دو- ڈیوڑھی سے چوبدار حکم لے کر آیا ہے- یہ آواز میرے گوش گزار ہوئی- میں جس طرح بیٹھا ہوا تھا نیچے اتر کر آیا اور باہر دیوان خانہ میں پہنچا- چوبدار نے حکم سنایا کہ حضور کا حکم ہے زبانی محبوب علی خاں کے کہ جتنے ملازم سرکار ہیں سب آکر ڈیوڑھی پر حاضر ہوں- آپ جلدی

سوار ہو کر جائیے۔ مجھے اور کئی جائے حکم پہنچانا ہے۔ میں سن کر آداب بجالایا اور چوبدار سے کہا کہ ابھی کپڑے پہن کر کمر باندھ کر روانہ ہوتا ہوں۔ گوردھن سے کہا گھوڑے پر چار جامہ رکھ۔ امیر خاں سے کہا تیار ہو جاؤ یہ کہہ کر گھر میں آیا۔۔والد ماجد اللھم اغفر وارحم باہر کے دالان میں تختوں کے فرش پر سوزنی بچھی ہوئی تھی تکیہ لگا ہو ابعادت معہودہ بیٹھے ہوئے کلام مجید لکھ رہے تھے۔ ان کی خدمت میں جاکر آداب بجالا کر دوزانو ہو بیٹھا۔ میری جانب مخاطب ہو کر پوچھنے لگے خیر باد؟ میں نے تمام حال گزارش کیا۔ یہ کہہ کر جزو کلام مجید کو ہاتھ سے رکھ دیا اور چند منٹ تک گردن جھکا کر خاموش بیٹھے رہے پھر گردن اٹھا کر فرمانے لگے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ کہاروں سے کہو پالکی لگائیں میں جاتا ہوں۔

راقم:۔(دست بستہ ہو کر) جناب! آپ تشریف رکھیں۔ غلام نوکری میں جاتا ہے اور چوبدار نے آپ کا نام نہیں لیا۔ مجھے ہی حکم سنایا ہے۔ آپ کی نوکری تو حضور سے معاف ہے۔ آپ گھر سے خبر دار رہیے۔ آدمیوں کو ڈیوڑھی پر چھوڑے جاتا ہوں۔ فقط امیر خاں اور گوردھن چاکر کو ہمراہ لیجاتا ہوں اور باقی پانچوں خدمتگار یہاں موجود ہیں۔ یہ عرض کر کے میں اوپر کوٹھے پر آیا اور کپڑے بدلے، پگڑی باندھی اور جب چلنے لگا تو میرے گھر کے آدمی میری طرف دیکھ کر آبدیدہ ہونے لگے۔ میں کلمات تسلی آمیز کہہ کر نیچے آیا ارادہ ہوا کہ کچھ ہتھیار ہاتھ میں لے چلنا ضرور ہے۔ تلوار، چھری وغیرہ جو سالہا سال سے بے غور پڑے ہوئے تھے ان کو دیکھنے لگا کہ اگر کوئی کام کی ہو تو لیتا چلوں۔ اس میں والد بزرگوار نے منع فرمایا خبر دار ایسی حرکت نہ کرنا۔ انگریزی عملداری ہے خدا جانے کیا معاملہ ہے۔ سیدھا ڈیوڑھی پر چلا جا۔ جب کچھ حکم ہو اور حضور اجازت دیں تو جب ہتھیار کو ہاتھ لگانا۔ غرضکہ میں سوار ہو کر آیا جس وقت چھوٹے دریبہ کے پھاٹک سے باہر نکلا ہوں تو دیکھا کہ تین چار سوار کرتے پہنے اور دھوتیاں باندھے ہوئے سر سے ایک چھوٹا سا انگوچھ لپٹا ہوا فقط ایک کرچ ذاب میں اور وہ پیپل کے درخت کے سایہ میں نہر کی دیوار سے لگے کھڑے ہیں اور ہندو لوگ ان کی سربراہی کر رہے ہیں۔ کوئی پوریاں لے آیا ہے کوئی مٹھائی کا دونہ لئے آتا ہے کوئی لوٹا پیتل کا پانی سے بھر کر لا دیتا ہے۔ میں نے کچھ ان کی طرف توجہ نہ کی اور قلعہ کی جانب روانہ ہوا ورو ہاں سے چند قدم گھوڑا بڑھایا تو کیا دیکھتا ہوں گامی بدمعاش پہلوان نہر والا آگے آگے کرتہ پہنے ہوئے لنگر لنگوٹہ بندھا سر پر ٹوپی کاندھے پر لٹھ اور پیچھے اس کے پچاس سو شہدوں کا انبوہ

سب کے لنگر لنگوٹے کسے ہاتھ میں بانڈیاں لئے چلے آتے ہیں-اشرف بیگ کے کمرے کے نیچے آکر اس نے ایک لٹھ سڑک کی لالٹین پر مارا اور لالٹین چھن دیکی ہو کر گر پڑی اور منہ سے کہا کہ یہ ایک کافر اور مارا اور پھر ایک بزاز کی دکان کا قفل توڑنے لگا- میں گھوڑا بڑھا کر آگے چلا گیا- پھر آگے اور دو چار سوار پھرتے چلتے دیکھے -نہ میں نے ان سے کچھ کہا نہ انہوں نے میری مزاحمت کی- میں سیدھا کوتوالی ہوتا ہوا خونی دروازہ کے آگے پہنچا تو دیکھا کہ انبوہ کثیر بدمعاشاں کا ہے اور صرافوں کی دکانیں لٹ رہی ہیں-امیر خان میراخد متگار ساتھ آتے آتے ٹھٹک رہا- میں جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچا ہوں تو یہ تماشا دیکھا کہ قلعہ کی کھائی کی برابر کوئی پچاس سوار جمع ہیں اور انگریزی کتابوں کے اوراق پھٹے ہوئے اڑتے پھرتے ہیں- ہوا بہت تیز چل رہی ہے-کاغذ اڑ کر قلعہ کے دوازہ کی طرف آتے ہیں اور قلعہ کے دروازہ کے فاصلہ سے چار کروڑی کھائی کے کٹہرے سے لگا ہوا ایک مست ننگ دھڑنگ بیٹھا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک پرانا مونڈا انگریزی جوتا ہے، اور کاغذ اڑ کر اس کے پاس آتے ہیں اور وہ مجذوب غصہ میں ان کاغذوں پر جوتے مارتا جاتا ہے اور برا بھلا کہہ رہا ہے- خیر یہاں سے گھوڑے کو بڑھا کر میں نقار خانہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا اور گھوڑے سے اتر کر ڈیوڑھی سے گزر کر دیوان خانہ خاص کے صحن میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ دیوان خاص کے در میں ایک ستون کے درسے لگے ہوئے محبوب علی خاں بیٹھے ہیں اور سامنے ان کے دوسرے درسے لگے ہوئے حکیم احسن اللہ خاں[1] بیٹھے ہیں اور سب درباری دو رویہ دو صفیں باندھے بیٹھے ہیں- میں نے جا کر سلام علیک کی اور ایک صف میں بیٹھ گیا-ان دونوں صاحبوں کے بیچ میں ایک مسلمان پنجابی بزاز جس کی دکان قلعہ کے سرے پر تھی-اور سب شہزادے اور بیگمات کے یہاں وہی کپڑا دیا کرتا تھا بیٹھا ہے اور اس کے آگے نین سکھ لٹھے کے تھان اور طاقتے سیاہ بانات کے دھرے ہیں اور سکھا خیاط خانسامانی والا بیٹھا ہے- حکیم احسن اللہ خاں بتاتے جاتے ہیں اور وہ کفن دیتا جاتا ہے- میری عقل حیران ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے اور کس کا کفن تیار ہو رہا

---

[1] احترام الدولہ- عمدۃ الحکماء- معتمد الملک- حاذق الزمان- حکیم محمد احسن اللہ خاں ثابت جنگ بہادر وزیر اعظم تھے- غدر کے بعد بہادر شاہ ظفر پر جو مقدمہ چلایا گیا اس میں ان کی بھی شہادت ہوئی تھی-

ہے ایسا کون شخص مارا گیا- جسکے تجہیز و تکفین کی اتنی تیاری ہو رہی ہے- میری برابر میر فتح علی اور ایک جانب مرزا احمد بیگ داروغہ آبادار خانہ بیٹھے ہوئے تھے ان سے چپکے چپکے دریافت کرنے لگا وہ کچھ تھوڑا سا حال بیان کرنے پائے تھے کہ حکیم احسن اللہ خاں کے کان میں کچھ بھنک پہنچی -انہوں نے

باآواز بلند کہا کہ کیوں نہیں کہتے کہ صاحب ریزیڈنٹ بہادر مارے گئے ہیں -اور بادشاہ کا حکم ہے کہ میرے سب ملازم جائیں اور صاحب کی تجہیز و تکفین کریں -اور قلعہ دار صاحب کی مانجی میں انکو دفن کریں اور حضور کو ان کے مارے جانے کا نہایت قلق ہے- سات آدمی مارے گئے ہیں -دروازہ قلعہ پر لاشیں پڑی ہیں -یہ کلمات سنکر میرے ہوش و حواس باختہ ہوگئے پانچ چھ منٹ تک تو مجھے کاٹو تو خون نہ تھا اور دماغ میں ایک سناٹا چکر کھایا کیا- آخر کچھ ہوش درست ہوئے تو ساری کیفیت ازابتدا تا انتہا حضار دربار کی زبانی گوش گذار ہوئی-

ہنوز کفن تیار ہونے نہ پایا تھا انتظار تھا کہ کفن تیار ہو جائے تو چل کر ان کی تجہیز و تکفین کریں کہ یکایک کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت عزرائیل روح قبض کرنے کو سامنے سے نمودار ہوئے اور وہی سواران محسن کش لال پردے کے دروازہ سے آتے ہوئے دکھائی دے- حکیم احسن اللہ خاں نے ان کی شکل دیکھ کر کہا کہ سب صاحب فاتحہ خیر پڑھیں- قضا آن پہنچی- انا للہ و انا الیہ راجعون- سب لوگ فاتحہ خیر پڑھنے لگے -اس اثنا میں وہ دیوان خاص کے دالان کے نیچے آن پہنچے اور گھوڑوں سے اترا تر کر گھوڑے تو جالی کے کٹہرے سے اٹکائے اور آپ اندر آئے- آتے ہی بیٹھ گئے تو اس وقت قریب ۳۰ آدمیوں کے ہوں گے اور اکثر ان میں افسر تھے وضع ان کی وہی پوربیوں کی تھی- نہ افسر معلوم ہوتا تھا نہ سوار- سب کی ایک وضع تھی- گلے میں لٹھے کے کرتے پاؤں میں ڈھیلے لٹھے کے غرارے دار پاجامے سر پر چھوٹا سا انگوچھ لپٹا ہوا چندیا کھلی ہوئی کسی کے پاس قرابین کسی کے پاس بندوق کسی کے پاس طپنچہ اور کرچیں سب کے پاس موجود ہیں- وہ کپڑے کے تھان پھیلے ہوئے دیکھ کر حکیم احسن اللہ خاں سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگے یہ کیا سامان ہے-

حکیم- احسن اللہ خاں آپ صاحبوں نے جو اعمال کئے ہیں، اس کی تلافی ہم بھگت رہے ہیں- آپ نے آگ لگائی ہے ہم بجھا رہے ہیں-

سواران باغیہ : ارے...... تم لوگ سب بے ایمان کرستان ہو- ارے تم سب

عیسائی بے دین کرسٹین ہو۔ تم نے انگریزوں کا جوٹھا کھایا ہے یہ کہہ کر وہ جو تھان کفن کے پڑے ہوئے تھے وہ سب لوٹ لئے اور پھاڑ پھاڑ کر سروں سے باندھ لئے اور ایک سوار نے بڑھ کر محبوب علی خاں خواجہ سرا کی توند پر طپنچہ رکھ دیا۔ محبوب علی خاں بے چارہ استسقی کی بیماری میں مبتلا سوجا ہوا پڑا تھا مگر جی کا مردانہ تھا، گو خواجہ سرا تھا تو کیا ہوا۔

سوار: ہم کو رسد دلواؤ۔

محبوب علی خان: ہمارے پاس رسد کہاں سے آئی۔ ہمارے ہاں کوئی فوج ہے لشکر ہے جس کے واسطے رسد جمع رہے، ہمارے پاس رسد وسد کچھ نہیں۔ تم کو جان سے مار ڈالنا ہے، تو مار ڈالو۔ میں تو مرنے کو بیٹھا ہوں۔ بہت اچھا ہے جو کسی کے سر ہو کر مروں۔

شریف علی خاں داروغہ محبوب علی خاں نے سوار کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ان سے کیا کہتے ہو۔ تم ہم سے کہو ہم دیں گے۔

حکیم احسن اللہ خاں۔ ہمارے حضور خود اپنی زبان سے کہہ چکے ہیں کہ ہمارے پاس روپیہ نہیں۔ مال نہیں۔ ملک نہیں۔ خزانہ نہیں، ہم تو فقیروں کی طرح سے تکیہ بنائے بیٹھے ہین۔ ہم رسد کہاں سے لائیں۔ ہاں بادشاہ کے گھوڑوں کے اصطبل کے واسطے مہینہ بھر کی خوراک کے چنے آتے ہیں تو وہ موجود ہیں۔ اس کے سوا ایک دانہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ بادشاہ کے گھوڑے بھوکے مریں گے مگر تم اپنا پیٹ بھر لو مگر وہ کب تک وفا کریں گے۔ تم لوگوں کے ایک دن کی خوراک کو مکتفی نہ ہوں گے۔ جاؤ شریف خاں دانہ کا کوٹھا کھول کر چنے تلوادو۔ تین تین سیر کے حساب سے فی کس تقسیم کرادو۔

غرضکہ جوں توں کر کے ایک بلا کو ٹالا۔ انہوں نے جا کے مہتاب باغ میں گھوڑے باندھے دوسرے اور آن موجود ہوئے۔ اب کے بار کوئی پچاس ساٹھ سوار کا اژدہام ہوگا۔ وہ بھی رسد طلب کرتے ہوئے آئے۔ ان کو بھی یہی کہہ کر ٹالا اور پچاس جان کھانے کو موجود ہوئے۔ غرضکہ اڑھائی سو تین سو کے قریب سوار مہتاب باغ میں جمع ہو گئے۔ اب جو آتا ہے وہ مہتاب باغ میں اتر جاتا ہے۔ اس اثناء میں قریب گیارہ بجے کے دن چڑھ گیا ہے۔ کسی قدر پیدل بھی آتے جاتے ہیں۔ تین چار سو پیدل بھی داخل شہر ہو گئے ہیں اور شہر میں غدر مچ رہا ہے۔ شہر کو بدمعاشان شہر لوٹ رہے ہیں کہ بہت سے سوار گھوڑے باندھ کر دیوان خاص میں محبوب علی خاں اور احسن اللہ خاں کے پاس آئے اور کہا کہ رسد اور ہمارے کھانے پینے

کابندوبست کرو۔

ملازمان : شاہی ہم کیابندوبست کریں جن لوگوں سے شہر کابندوبست تھاان کو تم نے مارڈالا۔ شہر میں غدر مچادیا۔ شہر لٹ رہا ہے۔ دکانیں بند ہیں ۔اب کھانے پینے کا کیا بندوبست ہو۔ جہاں سے ممکن ہے کھاؤ پیو اور تمہارے سبب سے ہمارا کھانا پینا بھی بند ہوا۔

سواران باغیہ : بادشاہ سلامت سے عرض کرو، بازار کھلوائیں۔ جو چیز بست ہاتھ آئے کھانے پینے کا سرانجام ہو۔

ملازمان شاہی : دوکانیں تو تم نے پہلے ہی لوٹ لیں اب ان میں کیا دھرا ہے جو کھلواتے ہو اور دوکاندار کس موقعہ پر دوکانیں کھولیں۔ شہر میں لوٹ مار موقوف ہو اور امن چین ہو تو دوکانیں کھلیں۔

سواران باغیہ : ہم لوٹ مار کابندوبست کرتے ہیں۔اب ہم کسی پر دست درازی نہیں ہونے دیں گے۔ جابجا پہرے سپاہیوں کے بٹھائیں گے۔ بادشاہ سلامت کی منادی پھروادیں اور دکانیں کھلوادیں۔

ملازمان شاہی :اچھا تم عہد کرو کہ اب ہم کسی قوم کے آدمی کو جان سے نہیں ماریں گے نہ بازار لوٹیں گے۔ہم امن کی منادی پھرواتے ہیں۔ تم اپنے سپاہی جابجا بٹھادو۔

قیامِ امن کی تدبیر :

سواران نے اقرار کیا اور کہا کہ اپنے آدمی ہمارے ساتھ کردو۔ ہم جابجا ناکہ بندی کردیتے ہیں اور دوکانوں کی حفاظت کے واسطے پہرہ بٹھادیتے ہیں کہ لوٹ کھسوٹ نہ ہونے پائے۔اور جو دست درازی کرے وہ گرفتار کیا جائے۔ چنانچہ تین چار آدمی معززین اور چند سرکاری آدمی ان سواروں کے ہمراہ کئے گئے اور کوتوال شہر کے آگے ڈھنڈورچی کو بلوا کر حکم سنایا گیا کہ شہر میں منادی پھیردے "خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم بادشاہ کا" کوئی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرنے پائے۔اب جو شخص کسی کے جان و مال پر دست اندازی کرے گا تو گنہگار سرکار ہوگا اور ہرکاروں نے گھروں سے بلابلا کر حلوائیوں کی دوکانیں کھلوادیں اور بقالوں کی دکانیں بھی کھل گئیں اور ان پر پربیوں کے پہرے بیٹھ گئے اور کچھ دکانیں بھی کھل گئیں حلوائیوں نے بڑے بڑے کڑھاؤ گھی کے چڑھادیئے، پوریاں تلی جانے لگیں۔بقالوں نے

دو کانیں کھول دیں -روزہ دار کھانے پینے کا سامان لے جانے لگے -اس وقت احسن اللہ خاں نے راقم کو اور صوفی مظہر اللہ بیگ رسالدار بادشاہی کو حکم دیا کہ تم جاکر دیکھو شہر کی کیا کیفیت ہے -اب تو لوٹ مار نہیں ہوتی -بموجب حکم ہم دونوں آدمی سوار ہو کر بازار میں آئے اور فتح پوری کی مسجد تک پہنچے تو امن امان پایا- کہیں لوٹ مار نہ تھی -خال خال دکانیں کھلی تھیں - دکانوں پر پہرے لگے ہوئے تھے -خرید و فروخت ہو رہی تھی -سپاہی قیمت دیتے تھے اور جنس تلوا لیتے تھے ہم واپس آرہے تھے کہ دیکھا کوتوالی کے سامنے کچھ ہجوم ہو رہا ہے -جال کے پیڑ کے سایہ میں بہت سے پوربی جمع ہیں اور بدمعاشاں شہری بھی موجود ہیں -ان بدمعاشان نے یکبارگی ان پوربیوں سے کہا کہ یہ کوتوال شہر بڑا انگریزوں کا خیر خواہ ہے -یہ سننا تھا کہ پوربیوں نے ایک باڑ بندوقوں کی سامنے سے کوتوالی کے برآمدے پر سر کی جس سے کوتوالی کا دروازہ گرا اور کچھ لوگ کوتوالی کے اندر سے عقب کی دیواریں کود کر فرار ہو گئے -

اس اثنا میں ہم نے دیکھا کہ ایک ہجوم اور کوڑیا پل کی طرف سے آرہا ہے -ہم ٹھہرے رہے -جب قریب آئے تو دیکھا کہ دو عورتیں جوان خوبصورت میموں کو گرفتار کئے ہوئے لاتے ہیں -راقم نے ان کو دیکھ کر ان سب سواروں سے جو بندوبست کا اقرار کر کے آئے تھے اور کوتوالی کے سامنے نیم کے درخت کے نیچے کھڑے تھے گھوڑا بڑھا کر کہا -ابھی تو تم لوگ دست درازی کا انکار کر کے آئے ہو اور ابھی پھر دست درازی ہونے لگی -یہ کیسے عہد و پیمان ہیں تو ان سواروں نے ان دونوں عورتوں کو پربیوں سے لے کر ہمارے حوالہ کر دیا -بعد ان کے کہا گیا کہ یہاں تو تم ہمارے حوالہ کرتے ہو آگے پھر سپاہی لوگ ہم سے چھین کر مار ڈالیں گے تو دو سرا بندوبست کے لئے ہمراہ ہو گئے -جب ہم قلعہ کے دروازہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ پوربیوں کی ایک جماعت کثیر اور ان کے ہمراہ اور ہندو مسلمان قریب پانچ ہزار آدمی کے چلے آتے ہیں -

راقم : یہ انبوہ کثیر کیسا ہے -

سواران : یہ ہمارے مدد و معاون ہیں جو میرٹھ میں ہمارے شریک حال تھے

غرضکہ ہم ڈیوڑھی پر بخیر و عافیت پہنچے اس وقت نہ محبوب علی خاں تھے نہ احسن اللہ خاں میں نے خواجہ سرا کے ہمراہ ان دونوں عورتوں کو اندر محل میں بھیج دیا -خواجہ سرا نے کہا کہ حضور انور اس کارگذاری سے بہت خوش ہوئے -جہاں تک ممکن ہو رفاہ عام پر نظر رہے -کسی

آدمی کی جان ضائع نہ ہونے پائے- مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں وہ بدمعاش ہیں جو جیل خانہ سے رہا ہوئے ہیں-

راقم: مجھے اس وقت تشنگی کا نہایت غلبہ تھا- پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے کیونکہ میں روزہ دار تھا اس پر یہ تکالیف شاقہ میں وہیں تسبیح خانہ کے سائبان کے نیچے بیٹھ گیا- تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ ایک اور ہنگامہ برپا ہوا- کیا دیکھا کہ تسبیح خانہ کی سیڑھیوں پر ایک جوان ولایتی چڑھتا آتا ہے اور پوربی اس کو لئے ہوئے ہیں- اور ولایتی کے سیدھے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی پیتل کی لٹیا اور موٹھ تلوار کی ہے مگر تلوار ٹوٹ کر آدھی رہ گئی ہے- اور وہ نصف تلوار قبضہ تک خون میں سرخ ہو رہی ہے اور بائیں ہاتھ میں ایک نوجوان حسین مہ جبین نازنین مس کا ہاتھ ہے- اس لڑکی شکیلہ جمیلہ کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی معلوم ہوتی ہے- دراز قد، کتابی چہرہ باریک کمر سفید براق سایہ اس کے گلے میں ہے- مگر اس پر چھ چھ خون کی بوندوں کے نشان معلوم ہوتے تھے- اور لڑکی کا منہ فق، رنگ سفید، چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں- اوسان ٹھکانے نہیں- پسینے پسینے ہو رہی ہے-

راقم یہ کیفیت دیکھتے ہی فوراً بے تابانہ اس کے پاس پہنچا اور دل میں خیال آیا کہ اس کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ خون آلود ہے اور سر پر خون سوار ہے مبادا مجھ پر ہی وار کر بیٹھے یا اس نازنین پر ہاتھ چھوڑ دے گا تو اس کا کام تمام ہو جائے گا- پہلے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی جائے پھر اس لڑکی کا ہاتھ چھوڑا لینا- یہ سوچ کر میں نے پہلے جاتے ہی دائیں ہاتھ سے اس کی کلائی خوب طاقت سے پکڑی اور بایاں ہاتھ تلوار کی کنویر پر ڈالا اور زبانی یہ الفاظ کہے کہ ہیں بے ادب تو نہیں جانتا یہ بادشاہ کی ڈیوڑھی ہے یہاں ہتھیار باندھنے کی ممانعت ہے- اس میں اور آدمی بھی اٹھ کر چمٹ گئے اور اس نازنین لڑکی ستم رسیدہ نے جو اس طرح کا ترحم اور حامی و مددگار اپنا پایا وہ میری اوٹ میں ہو گئی اور میری کمر میں اپنا ہاتھ ڈال دیا جب اس کا جسم میرے جسم سے مس ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ مارے خوف کے مانند بید کے لرزاں و ترساں ہے- کلیجہ اس کا دھڑک رہا تھا- غرضکہ میں نے تلوار اس کے ہاتھ سے چھین لی اور پوچھا کہ تیرا کیا مطلب ہے منہ سے بیان کر-

جوان ولایتی: بھائی خدا کی قسم ہے- ہم نے کچھ نہیں لوٹا- دنیا لاکھوں روپیہ کا مال لوٹ کر لے گئی- ہم نے کسی کو ہاتھ نہیں لگایا- ہم نے فقط یہ مال لوٹا ہے ہم کو یہ مال مل

جاوے اور ہم کو کچھ نہیں درکار۔

راقم نے وہ شمشیر شکستہ اس کے حوالہ کی اور کہا ابھی تم کو یہ مال نہیں مل سکتا ہے اگر اس عورت کو کہا جائے تو تمہاری جان بھی جائے گی اور یہ غریب بے کس بھی جائے گی۔ تمہاری کوششیں و جانفشانی ضائع جائے گی۔ یہ سپاہی لوگ ابھی تم کو اور اس عورت کو ہلاک کردیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ تھوڑے روز تم صبر کرو۔ جب ہنگامہ فرو ہو جائے گا اور غدر مٹ جائے گا اس وقت یہ امانت تمہاری تم کو مل جائے گی ابھی تمہارے بادشاہ کے پاس رہے گی۔ اس میں اور خواجہ سرا وغیرہ جو ڈیوڑھی پر موجود تھے سب راقم کے ہم زبان ہوئے اور سمجھا سمجھو کر وہاں سے روانہ کیا اور اس نوجوان نازنین کے ذرا جان میں جان آئی اور مجھ سے الگ ہو کر کھڑی ہوئی۔ اب میں نے اس مس سے اس کا حال دریافت کیا کہ تم کو یہ کیونکر لایا۔

نوجوان مس نے منہ کو ہاتھ لگا کر پانی کا اشارہ کیا میں نے آبدار خانہ میں سے پانی منگا کر اسے پلوایا۔ جب ذرا ہوش درست ہوئے۔

نوجوان مس: اس آدمی نے صاحب کو مار ڈالا۔ اور ہمارا ہاتھ پکڑ کر لے چلا۔ راستہ میں سپاہی لوگ ہم کو چھیننے لگے۔ اس نے نہ دیا مرنے مارنے پر تیار ہوا۔ لڑتا بھڑتا یہاں تک آیا۔ مال و اسباب ہمارا دنیا نے لوٹ لیا۔ کیا اب ہم کو تم اس آدمی کو پھر دے دو گے۔

راقم: نہیں نہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب بادشاہ کی پناہ میں آگئی ہو۔ جیسا بادشاہ کا حکم ہو گا۔ وہ کیا جائے گا ابھی تم کو حفاظت میں بہ آسائش تمام رکھا جائے گا۔ کوئی تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ جس وقت غدر مٹ جائے گا پھر تم کو اختیار ہے جہاں چاہو رہو تم مختار ہو، تمہاری زندگی تھی کہ تم زندہ سلامت یہاں پہنچ گئیں اب تم کو کوئی نہیں مار سکتا۔

نوجوان مس: ٹھنڈا سانس بھر کر "دیکھا چاہیے"۔

راقم نے خواجہ سرا سے کہا کہ ان کو محل میں بھجوا دو۔ اور خواجہ سرا نے ڈیوڑھی کا پردہ اٹھایا اور باری دار کو آواز دی۔ بی باری دار میم صاحبہ آتی ہیں۔ انہیں حضور میں پہنچا دو۔ ڈیوڑھی کا پردہ اٹھا اور وہ نوجوان نازنین خاتون اندر داخل ہوئی۔

بینک لوٹ لیا:

اب دو بج چکے ہیں۔ تیسرے کا عمل ہے۔ بدمعاشانِ شہر نے جو دیکھا کہ اب لوٹ

مار کی ممانعت ہو گئی-اب دال گلنی دشوار ہے-اغوائے باغیان پر کمر باندھی مثل مشہور ہے ایک تو کڑوا کریلا اس پر چڑھا نیب- حسب تحریص وترغیب مغویان شیطان سرشت فرقہ باغیہ ہمراہ ہوئے اور بدپیشگان نے ان کو لے کر بنک گھر کے دروازہ پر کھڑا کر دیا-بنک سرکاری شمرو کی بیگم کے باغ کی کوٹھی میں جو خونی دروازہ کے محاذ میں اور دروازہ باغ جنوب رویہ لب سڑک اردو بازار واقع ہے-غارتگران بے پروائے جو دروازہ باغ میں قدم رکھا- محافظان خزانہ بنک نے جو انگریز تھے نیز چند عورت معہ بچوں کے پناہ گزین تھیں ان انگریزوں نے سررشتہ حزم واحتیاط خزانہ ہاتھ سے نہ دیا اور بہ استقلال تمام وجرأت مالا کلام مقابلہ سے پیش آئے اور سقف کمرہ سے مندوقیں سرکیں ادھر مردمان باغیہ نے جواب ترکی بہتر کی دیا-لڑائی کا سامان ہو گیا-باہم بندوق چلنے لگی تھوڑی دیر یہ ہنگامہ برپا رہا-بعدہ دوچار بدمعاشوں نے دیوار باغ سے کود کر کوٹھی کی چھت میں آگ لگا دی-کوٹھی کے سقف میں بڑے بڑے طویل اور جسیم شہتریں جب جل کر گرنے لگیں تو شعلہ ہائے آتش سر بفلک کشیدہ ہو گئے اور افراط دخان سے آسمان تیرہ وتار ہو گیا-حاصل کلام سقف کوٹھی جل کر بیٹھ گئی اور وہ بہادر ستم دل اس میں جل کر خاک ہو گئے اور پوربی کوٹھی میں داخل ہوئے-اول تو جو یوروپین عورتیں اور بچے اس میں پناہ گزین تھے ان کو بے رحمی سے ہلاک کیا چونکہ کوٹھی مذکور کا باہر کا درجہ گرا تھا اندر کے کمرے سب سلامت تھے جن میں خزانہ کے صندوق تھے یہ کوٹھی کے عقب سے اس میں داخل ہوئے اور صندوق خزانہ کے قفل توڑ توڑ کر توڑے روپوں کے لوٹنے شروع کئے-ان غارتگروں میں وہ لوگ ہیں جو میرٹھ سے باغی ہو کر پلٹن اور سوار آتے ہیں-اور ان کے ساتھ والے جو بدمعاش ہمراہ ہوئے ہیں اور ان کے شہر کے کولی چمار، دھوبی، سقے کنجڑے قصاب، کاغذی محلہ کے کاغذی اور دیگر بدمعاشان شہر- پہلوان بانڈی باز، اٹھائی گیرے، جیب کترے وغیرہ وغیرہ سب رذیل ہیں، کوئی شریف خاندانی ان میں شامل نہیں ہے-جو نیک معاش واشرف ہیں وہ اپنے گھروں کے دروازے بند کئے بیٹھے ہیں-ان کو یہ خبر تک نہیں کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے مردمان باغیہ سے جس قدر لوٹا گیا خوب روپیہ لوٹا کہ اس کے اٹھانے سے عاری ہو گئے علی ہذا القیاس ایک ایک چمار جوڑہ تین تین تھیلیاں روپوں کی اٹھا کر گھر لے گیا- خصوصاً کاغذی محلہ کے باشندے کہ زیر دیوار سکونت پذیر تھے نہال ہو گئے-روپوں سے گھر بھر لئے- مثل مشہور ہے مال مفت دل بے رحم مگر کہاں تک لوٹیں

چودہ لاکھ روپیہ ہے- تاہم روپیہ کی شے کو کون چھوڑتا ہے-ایک گھنٹہ کے عرصہ میں سب لوٹ اباٹ کر برابر کردیا- خزانہ کے صندوق تک اٹھا کرلے گئے-دو گھنٹہ کامل یہ ہنگامہ رہا-

میگزین اڑادیا:

پانچ بج چکے ہیں-دن ڈھل گیا ہے ہنوز قیامت برپا- گرمی ہنگامہ طلوع پہ ہے، باشندگان شہر میں نفسی نفسی کی پڑی ہوئی ہے، عجب ایک تلاطم فتنہ وفساد ہے کہ نیچے کی زمین اوپر ہورہی -دریائے کشت و خون جوش مار رہا ہے- لوٹ کھسوٹ کابازار گرم ہے- ظالمان بے خوف و خوگران ناخداترس نے حشر برپا کر رکھا ہے کسی کو کسی کی خبر نہیں- اپنی اپنی سب کو پڑی ہوئی ہے-

سوادِ ہند میں عرشِ احتشام تھی دہلی بیاضِ مردمکِ خاص و عام تھی دہلی
زمینِ چرخ کی قائم مقام تھی دہلی جب آیا عہدِ جوانی تمام تھی دہلی
یہ وہ زمین ہے زمیں جس کی زر اگلتی ہے
یہ خاک وہ ہے کہ اکسیر ہاتھ ملتی ہے
جہان آباد لقب تھا یہ عزوشان کے لئے جہاں کا لفظ بنا تھا اسی مکاں کیلئے
یہ درجے اس کے لئے تھے نہ آسماں کیلئے کہ اس سے کام زمانہ نے دو جہاں کیلئے
فلک سے رتبہ میں رتبہ دوچند تھا اس کا
مقام عرش سے پایہ بلند تھا اس کا
دلِ زمانہ تھا دلّی پہ یہ تباہی ہے نہ سمجھے دل میں تلنگانِ پُر جفائی ہے
کہ دل کو لوٹتے ہیں خانہ خدائی ہے خدا کے گھر کو بگاڑا ستم کمائی ہے
نہیں جہان میں واللہ اس جفا کی پناہ
جو انتقام ہو اس کا تو بس خدا کی پناہ
یہ شہر وہ ہے کہ غنچہ تھا مہ جمالوں کا یہ شہر وہ ہے کہ تختہ تھا نونہالوں کا
یہ شہر وہ ہے کہ مجمع تھا حسن والوں کا یہ شہر وہ ہے کہ مرجع تھا باکمالوں کا
یہ وہ مکاں ہے مکیں جس کے قیصر وجم تھے
یہ خطہ وہ ہے گدا جس کے فخر حاتم تھے

ہر کاروں کی ڈاک لگ رہی ہے۔ داد فریاد کی خبریں چلی آتی ہیں۔ بد معاشان ابلیس جیاد۔ ظالمان شدادنژاد کو ساتھ لگائے لگائے پھرتے ہیں۔ ملازمان شاہی معہ حکیم احسن اللہ خاں خانسامانی کے دالان میں بیٹھے ہوئے یا بدیع العجائب بالخیر کی تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ الاماں کا وظیفہ سب کی زبان پر جاری ہے کہ یکایک اس زور کی مہیب آواز ہوئی کہ اگر ہزار توپ کا برابر ایک فیر ہوتا تو اتنی گرج نہ ہوتی۔ خانسامانی کا مکان شاہجہانی عمارت ہے۔ جس کا آثار چہار فٹ کے برابر ہے۔ چونہ گچ کی عمارت ہے اس کے دالان کا سقف سنگ سرخ و سنگ بانسی کے ٹیسوں کا ہے جن کا دل اور ضخامت ایک بالشت کا ہے اور عرض بارہ گرہ کا اور طول پانچ گز ہے اس میں سے چونہ اور مٹی اس درجہ گری کہ سب گرد لباد ہو گئی اور زمین کو اس درجہ لرزہ ہوا کہ زلزلہ محسوس ہوتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم پر مکان آرہا۔ سب نکل نکل کر باہر صحن میں بھاگ کر کھڑے ہو گئے اور آثار اذا زلزلت الارض زلزالها کے پیدا ہوئے۔ مغرب کی جانب جو نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک تشق گرد و غبار اور دھوئیں کا زمین سے لگا کر آسمان تک بندھا ہوا ہے اور لاشیں آدمیوں کی زاغ و زغن کی طرح منڈلا رہی ہیں۔ تین منٹ نہ گذرے تھے کہ آسمان سے سنگ باری و تکون الجبال کالعھن المنفوش زمین پر برسنے لگے بھاگ بھاگ کر پھر دالان میں پہنچے اب عقل حیران ہے کہ یا الٰہی یہ کیا معاملہ ہے۔ موقع واردات کا معاملہ دکان خانسامانی سے ایک میل سے کچھ زیادہ ہوگا۔ ہر کاروں کی جوڑی نے منکر و نکیر کی طرح آ کر خبر دی کہ میگزین (بارود اسلح خانہ) اڑا دیا گیا۔

تفصیل اس اجمال کی اس طور پر گوش گذار واقعہ نگار ہوئی ہے۔ جب باغیان اور شقاوت آثار نے جا کر میگزین کا محاصرہ کیا ہے تو چند مردمان یورپین نگہبانان میگزین، میگزین میں موجود تھے اور اکثر عورتیں بچے وغیرہ جا کر پناہ گزین ہوئے۔ پہلے تو محصوران مجبور بمقابلہ پیش آئے اور حفاظت اختیاری کے طور پر بندوقیں سر کرتے رہے اور جب بلوائیان کا غلبہ حد سے گذر گیا اور چار دیواری میگزین کے اطراف و جوانب میں لوگ پھر گئے اور کوئی صورت جان بچنے کی نظر نہ آئی۔ اور زندگانی سے یاس کامل ہو گئی۔ تو بموجب اس مثل کے کہ مرتا کیا نہ کرتا، جان شیریں سے ہاتھ دھو کر مرنے پر کمر باندھی۔ ناچار "آپ ڈوبوں گا مگر تجھ کو بھی لے ڈوبوں گا" پر عمل کیا اور کارتوسوں کے تہ خانے میں جا کر ان کارتوسوں کو آگ دے دی۔ آپ بھی اڑ گئے اور ایک ہزار کے قریب کو ہمراہ لے کر راہی عدم آباد ہوئے اور

کیفیت اس کی اس طور پر ہے کہ کچھ لوگ تو دریا کی جانب کی دیوار فصیل پر کھڑے ہوئے تھے اور تین جانب خلائق کا مجمع تھا اور تہ خانہ کارتوسوں کا زیر دیوار شہر پناہ تھا۔ جب وہ تہ خانہ اڑا ہے تو پچاس گز دیوار شہر پناہ کی اڑ گئی۔ جس قدر آدمی ڈنڈے پر تھے وہ اڑ گئے کچھ تو اس طرح ضائع ہوئے اور اکثر صدماتِ سنگسار ان سے سنگسار ہوئے وہ عورتیں اور بچے جو اور کمروں میں چھپے ہوئے تھے اور پانچ چار بوڑھے جوان جو بچ رہے تھے۔ مگر وہ بھی زخمی ہو گئے تھے ان کو پوربیوں نے گرفتار کر لیا۔

قیدیوں کی رہائی کی کوشش :

اس اثناء میں ملازمان شاہی معہ حکیم احسن اللہ خاں مکان خانسامانی میں سے اٹھ کر سب دیوان خاص میں آ گئے۔ چھ بجنے میں کچھ منٹ ہیں پانچ بجے ہیں روزہ کشائی کا وقت قریب آ گیا۔ تشنگی کے مارے جان پر بنی ہوئی ہے۔ آفتاب لبِ بام پہنچ گیا ہے۔ بلند مکانوں کے کلسوں پر زرد زرد دھوپ چمکتی معلوم ہوتی ہے۔

یکایک لال پردہ کے دروازہ سے جم غفیر خلائق نمودار ہوا اور جب وہ اجماع کثیر دیوان خاص کے صحن میں پہنچا تو دیکھنے میں آیا کہ پچاس پچپن عورتیں اور بچے اور چار پانچ مرد زخمی چلے آتے ہیں اور گرد ان کے ایک حلقہ پوربیوں کا ہے اور خلائق کا ہجوم ہے۔ ان قیدیوں کو پوربیوں نے تسبیح خانہ کی سیڑھیوں پر بٹھا دیا۔ ہم ان کو اٹھ کر دیکھنے لگے تو ان کی اس وقت یہ کیفیت تھی کہ سر سے پاؤں تک اٹے ہوئے تھے اور پریشان حواس پراگندہ احوال تھے۔ ان لوگوں نے جو تسبیح خانہ کی سیڑھیوں کی طرف منہ کر کے ہم کو کھڑے دیکھا تو گڑگڑا کر پانی کا اشارہ کیا۔ آبدار خانہ سے دو سقوں کو بلوایا گیا وہ دو مشکیں پانی کی بھر کر لائے اور ان لوگوں کے ہاتھ منہ دھلوائے اور اوک سے سب کو پانی پلوایا مگر بعض چھوٹے بچے تھے کہ وہ اوک سے نہ پی سکتے تھے مجھے ان کے حال پر ترس آیا۔ میں نے دو آبخورے کاغذی آبدار خانہ سے طلب کر کے ان کی ماؤں کو دلائے کہ ان بچوں کو پانی پلواؤ۔ جب لوگوں نے پانی پیا اور ہوش درست ہوئے تو متفق اللفظ ان سب نے کہا کہ بھائی مسلمانو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہم سب مسلمان ہوتے ہیں۔ ہم کو جان سے نہ مارو جب یہ بات ان لوگوں کی زبان سے اپنے کانوں سے سنی تو بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور دو چار آدمی تھے سب آبدیدہ ہو گئے۔

یہ خبر اندر حضور کو پہنچ گئی اندر سے بادشاہ کا حکم آیا کہ فوج والوں کو تم لوگ سمجھاؤ اور ان کی حراست سے اپنی حراست میں لے لو۔

اس وقت جو سپاہی سوار و افسر وغیرہ موجود تھے مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ ازاں جملہ یہ دو شخص بھی تھے ایک تو گلاب خاں رسالدار رسالہ سوم انگریزی۔

دوسرا قادر بخش صوبیدار سفر مینا پلٹن یہ دونوں سن رسیدہ معمر تھے۔ان کے سن پچاس سے تجاوز کر گئے تھے۔پچاس اور ساٹھ کے بین بین میں تھے اور بہ نسبت دیگر ان کسی قدر رقیق القلب اور رحمدل بھی معلوم ہوتے تھے۔ان کا ہاتھ پکڑ کر دیوان خاص کے اول در میں جہاں ہم لوگ بھی تھے ان سے گفتگو شروع کی گئی۔

تقریر ملازمان شاہی:

سنو بھائی مسلمانو تم لوگوں کا بیان ہے کہ تنازعہ کی بنا دین پر پڑی ہے اور دین اسلام پر ہم لوگ بگڑ کر آئے ہیں۔پس تم کو واجب اور لازم ہے کہ اتباع شرع شریف اور پیروی بزرگان دین متین کی کرو اور جو احکام دین اسلام اور شریعت محمدی کے ہیں ان پر عمل در آمد رکھو۔جب تم پورے مسلمان ہو اگر اس میں نفسانیت اور تعصب کو راہ دو گے تو دائرہ اسلام سے خارج ہو جاؤ گے۔تمہارے پیغمبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یا ان کے خلفائے کرام کے زمانے میں جو اقوام یہود و نصاریٰ و دیگر کفار سے دین پر لڑائیاں ہوئی ہیں تو اول ان لوگوں سے تین شرطیں پیش کی جاتی تھیں۔ان میں جو نسی وہ منظور کر لیتے تھے اسی کو قائم کیا جاتا تھا۔

شرط اول۔اگر تم لوگ دین اسلام اور دین برحق قبول کرو اور کلمہ پڑھو اور واحدانیت خدا اور نبوت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تو تم ہمارے بھائی بند ہو۔جو ہم ہیں وہ تم ہو۔ہم میں تم میں کچھ فرق نہیں۔تمہارا مال اسباب ملک زمین جورو بچوں سے ہم کو کچھ تعرض نہیں۔

دوم۔یہ ہے کہ اگر دین اسلام قبول نہیں کرتے تو جزیہ دینا قبول کرو پھر تم لوگ ہماری حمایت میں ہو۔کبھی تم سے عہد شکنی نہ کریں گے۔

سوم۔اگر ان دونوں شرائط میں سے کوئی شرط تم کو منظور نہیں تو ہمارے تمہارے درمیان تلوار ہے وہ فیصلہ کر دے گی۔پھر وہ لوگ اگر مقابلہ پیش آتے تھے اور نوبت جدال

قتال کی پہنچتی تھی تو ان کو کیفر کردار کو پہنچایا جاتا تھا- مگر عورت اور بچے پر ہاتھ کسی نے نہیں اٹھایا- عورت اور اطفال قتال سے مستثنیٰ کر دیئے جاتے تھے یا جو کفار ذمی ہو کر اہل اسلام کی راہ میں آجاتے تھے پھر کسی کو حوصلہ دست درازی کا نہ ہوتا تھا- جائے تعجب ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں- اور تم لوگ ان کے درپے قتل ہو اور ان کو قتل کرتے ہو- یہ کہاں کی دین داری ہے اور کون سا دین ہے جس کی تم پیروی کرتے ہو- عورت اور بچوں کا قتل کسی مذہب میں روا نہیں-

فریق باغیہ :اچھا تو پھر ہم کو ان کے ساتھ کیا کرنا چاہیے-

ملازمان شاہی : ان کو بادشاہ اسلام کے سپرد کرنا چاہیے- وہ ان کو مسلمان کریں گے اور جس کے ساتھ ان کی خوشی ہوگی ان کے عقد کر دیئے جائیں گے- غرضکہ بعد گفتگوئے بسیار وہ ہمارے سپرد کرنے کو راضی ہوئے کہ اچھا تم ان کو اپنے پاس رکھو- یہ عرض حضور میں کرائی گئی- حکم ہوا کہ ان سے ان لوگوں کو لے کر اپنی تحویل میں رکھو اور ان کے کھانے پینے کی اچھی طرح خور پرداخت کرو اور جو زخمی ہیں ان کی مرہم پٹی کرو غرضکہ ان سب کو جو تسبیح خانہ کی سیڑھیوں کے نیچے دیوان خاص کے صحن میں زمین پر بیٹھے ہوئے تھے ان میں پانچ چار مرد ہوں گے اور باقی عورت اور اطفال خورد سال لڑکے لڑکیاں تھے- میرے قیاس کے بموجب قریب ساٹھ کے ان کا شمار ہوگا- میں نے اس وقت تسبیح خانہ کے چبوترہ پر کھڑے ہو کر کہا کہ تم سب دیوان خاص میں آجاؤ- وہ سب وہاں سے اٹھ کر تسبیح خانہ میں ہو کر دیوان خاص میں آتے تھے تو اس وقت کسی شخص نے ان سے کہا کہ اس شخص نے بڑی کوشش کر کے تمہاری جانیں بچائی ہیں تو وہ سب لوگ مجھ کو دعائیں دینے لگے اور اسی اثنا میں ڈیوڑھی کا پردہ اٹھا اور وہ خوبصورت نوجوان لڑکی جس کو میں نے اس ولایتی کے ہاتھ سے چھینا تھا اور پوربیوں کے ہاتھ سے بچایا تھا محل سے باہر آئی اور پیچھے اس کے دو عورتیں تھیں تینوں نے آکر مجھ سے پوچھا کہ اب کہاں جائیں- میں نے جواب دیا اور سب تمہارے ہم قوم دیوان خاص میں موجود ہیں تم بھی ان میں شامل ہو جاؤ- چونکہ وہ یہ جانتی تھیں کہ میں نے پوربیوں اور ولایتی کے ہاتھوں سے چھوڑا کر اندر بھیج دیا تھا اور اس کے دل میں خوف خدا ہے اور ایسی حالت یاس میں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے- مجھ سے کہنے لگی کہ اب تم کہاں جاؤ گے میں نے کہا کہ اب گھر جاؤں گا اور صبح کو نوکری میں پھر حاضر ہوں گا اس نے کہا تم مجھے

اپنے گھر لے جاؤ میری جان بچ جائے گی- میں نے کہا کہ اب تم کو کوئی نہیں مارے گا- تم بادشاہ کی حفاظت میں ہو-اس نے جواب دیا دیکھا چاہیے- تم اپنے ساتھ لے چلو- میں نے کہا کہ میں کیونکر لے چلوں تمہیں دیوان خاص کے باہر نکلتے ہی یہ لوگ مجھے اور تمہیں دونوں کو مار ڈالیں گے-اس پر وہ آبدیدہ ہو کر دیوان خاص میں چلی گئی- میں اپنے گھر کو روانہ ہوا-دیوان عام کے چوک میں ہوتا ہوا نقار خانہ کے دروازہ سے نکل کر قلعہ کے لاہوری دروازہ سے باہر آیا- شام کی تاریکی پھیل گئی جب میں اردو بازار کی سڑک پر آیا ہوں تو شہر میں سناٹا تھا- سڑک پر ایک چڑیا نہ تھی ایک عجیب بے رونقی تھی شہر کا شہر کھانے کو دوڑتا تھا- جابجا دوکانیں ٹوٹی پڑی تھیں مکانوں کے دروازے بند تھے روشنی کا نام نہ تھا لال ٹینوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے میں خونی دروازہ کے آگے ہوتا ہوا کوتوالی کے سامنے سے گذر کر چھوٹے دریبہ کے پھاٹک پر پہنچا اور چھوٹے دریبے میں چھڑے والوں مٹھائی والوں اور بزازی کی دکانیں سب ٹوٹی ہوئی پائیں اور صراف کی دکان پر ایک افیونی فقیر برہمن زخمی پڑا ہوا تھا-وہ ہائے ہائے کر رہا تھا-اس کی پشت کے اوپر تین زخم ہلکے ہلکے تلوار کے تھے وہاں سے آگے بڑھ کر ماڑی وارے میں ہوتا ہوا اپنے مکان پر آیا- گھڑی بھر رات آگئی تھی ابھی دروازہ نہیں کھلا تھا- مارے پیاس کے میری زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے مجھ کو دیکھ کر والد نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ زندہ سلامت گھر میں آگیا-اسی وقت میں نے شربت پیا- روزہ کھولا- کھانا کھایا والد نے مجھ سے حال پوچھا میں نے ساری حقیقت بیان کی کہ اس طرح سے میں نے فہمائش کر کے ان لوگوں کو بچایا ہے- میرے والد نے فرمایا کہ خدا تجھ کو جزائے خیر دے تو نے بہت اچھا کام کیا میں نہایت خوش ہوا- ہم سادات ہیں- ہماری سرشت میں رحم و ترحم خمیر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اولاد نے کیسے کیسے رحم کئے ہیں- جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے قاتل کو کاسہ شیر بھیجا ہے- تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ قلعہ کی جانب سے توپوں کی آواز آئی میں نے سمجھا انگریزوں کی فوج پیچھے سے آپہنچی- میں نے آدمی کو بھیجا کہ جاؤ خبر لاؤ- یہ توپیں کیسی چلتی ہیں- آدمی نے واپس آکر جواب دیا کہ چھاؤنی کی پلٹنیں شہر میں آگئی ہیں-اس کی سلامی کی توپیں چل رہی ہیں میں دن بھر کا مارا تھکا پلنگ پر لیٹتے ہی سو گیا- صبح کو منہ ہاتھ دھو کر پھر قلعہ کو روانہ ہوا- دن بھر وہاں حکم احکام کی تعمیل کرتا رہا-اس روز بادشاہ سلامت کی طرف سے شہر کا انتظام ہوا اور کوتوال مقرر کیا گیا

مجھے حکم ہوا کہ سقوں کو لے جاؤ اور میگزین میں آگ لگ رہی ہے اس کو بجھاؤ اور اگر بارود میں آگ لگ گئی تو تمام شہر اڑ جائے گا- غرض کہ کوتوال کی معرفت دو تین سو سقے میرے پاس پہنچے اور جن مکانوں میں آگ لگ رہی تھی وہ بجھوائی- دریا کی طرف کا شہر کا ڈنڈا گرا ہوا پڑا تھا- گولوں کے پہاڑ لگے ہوئے تھے- دو سو توپ کے قریب چھتیس پہنی تو پھڑوں پر تیار تھیں- اسی قدر توپ کی نالیں زمین پر پڑی تھیں، بندوقوں کا کچھ شمار حساب نہ تھا طپنچے لاانتہا تھے غرضکہ سارا میگزین آلات حرب سے معمور تھا- میں تو اس کو اسی طرح چھوڑ کر آیا تھا وہ تین روز کے بعد سنا کہ بدمعاش اس سامان کو لوٹ کر لے گئے- مگر توپ کے گولے باقی رہ گئے -شہر کی یہ کیفیت تھی کہ بدمعاش شہر کے پوربیوں کو ہمراہ لئے ہوئے بھلے مانسوں کے گھر لٹواتے پھرتے تھے اور جس کو مالدار دیکھا اس کے گھر پر پوربیوں کو لے جا کر کھڑا کر دیا کہ یہاں میم چھپی ہوئی ہے صاحب لوگ ہیں اس بہانے سے گھر میں گھس گئے اور لوٹ لیا- بادشاہی ملازموں کی یہ حقیقت تھی کہ ہر وقت اجل سر پر کھڑی تھی ہر دفعہ لوگ آکر ہمکو گھیر لیتے تھے اور سینہ پر بندوقیں رکھ دیتے تھے ایک دن ہم بیس پچیس آدمی خانسامانی میں حکیم احسن اللہ خاں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ پوربیوں نے آکر ہم کو گھیر لیا اور بندوقیں پایوں پر کھینچ کر کھڑے ہوگئے اور کہا تم سب بے دین ہو- ارے تم سب کرسچین ہو- تم انگریزوں کو چٹھیاں لکھتے ہو ہم لوگوں نے حیران ہو کر ان سے کہا کہ ایک دفعہ تم ہم سب کو اڑا دو، روز روز کے جھگڑے سے تو فیصلہ ہو جائے- ان میں سے ایک دو افسر سمجھدار بھی تھے وہ ان کو سمجھا کر لے گئے ان کے ظلم سے ہم لوگوں کی جان ناک میں تھی- ادھر فوج کا یہ حال تھا کہ روز دو چار سو آدمی فوج کے بھاگ کر آتے تھے اور دلی میں جمع ہوتے تھے چار کمپنیاں کوئل جیسر سے آئیں اور پانچ سو جوان سفر مینا کی پلٹن کے اور آگئے اب کوئی سات آٹھ ہزار آدمیوں کے قریب جمعیت پوربیوں کی ہو گئی-

بدی کے تخم شقی کشت دل میں بونے لگے کہ بے گناہ زن و بچہ قتل ہونے لگے
جو اہل درد تھے رو رو کے جان کھونے لگے مسیح و خضر بھی منہ ڈھانپ ڈھانپ رونے لگے

ستون خانہ فصفت گرا دیئے یکسر
چراغ بزم عدالت بجھا دیئے یکسر

قیدیوں کا قتل :

ایک دن صبح کا وقت ہے- کوئی گھڑی بھر دن چڑھا ہوگا میں گھر سے نکل کر قلعہ کی طرف روانہ ہوا اور نقار خانہ میں داخل ہو کر دیوان عام کے نزدیک پہنچا وہاں مجھ کو خیال آیا کہ خانسامانی میں چل کر حکیم جی سے ملتے چلو شائد حضور میں سے کچھ حکم احکام صادر ہوئے ہوں- اس خیال سے جالی کا راستہ چھوڑ کر خانسامانی کے دروازہ سے اندر داخل ہوا- جب مہتاب دروازہ کے آگے پہنچا دیکھا کہ پوربئے ان قیدیوں کو باغ سے لے کر باہر آتے ہیں- میں نے پوچھا کہ تم ان کو کہاں لے جاتے ہو- وہ بولے کہ ہم ان کو قلعہ کے باہر لے جاکر رکھیں گے- پھر میں نے کہا کہ یہ تو ہماری تحویل میں ہیں- تم ان کو نہ لے جاؤ مگر وہ کب سنتے تھے مجھ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا یہ کچھ اور حرکت ہی کر بیٹھیں میں قدم بڑھا کر جلدی سے احسان اللہ خاں صاحب کے پاس پہنچا وہ خانسامانی کے کوٹھے پر لیٹے ہوئے تھے میں نے جاکر ان سے کہا کہ خان صاحب آپ کو کچھ اور بھی خبر ہے- وہ بولے کیا؟ میں نے کہا کہ وہ بد معاش ان قیدیوں کو لئے جاتے ہیں مبادا وہ ان کو لے جاکر قتل کر ڈالیں، آپ اس کا بندوبست کیجئے تو مجھے جواب دیا کہ ہم کیا کر سکتے ہیں- پھر میں نے کہا کہ خان صاحب وقت نمک حلالی کا یہ ہے کہ اگر بادشاہ کو بچانا چاہتے ہو تو سمجھا سمجھو کر ان قیدیوں کو بچالو- ورنہ یاد رکھو انگریز لوگ لوگ دلی کا چبوترہ بنادیں گے- احسان اللہ خاں نے جواب دیا کہ میاں تم بچے ہو تم کیا جانو کہ انسان زحمت بالفعل پر زحمت بالقوۃ کو ترجیح دیتا ہے- ابھی جو ہم ان سے کہتے ہیں تو یہ ان سے پہلے ہم کو قتل کریں گے اور پیچھے ان پر ہاتھ ڈالیں گے- پھر میں نے جواب دیا- اچھا ہے اگر ہم دو چار آدمی مارے جائیں مگر بادشاہ کی سرکار تو بچ جائے گی- یہ کہہ کر میں وہاں سے روانہ ہوا اور ڈیوڑھی پر آیا- خواجہ سرا سے عرض کرائی کہ وہ پوربئے انگریزوں کو نکال کر لے گئے جن کو حضور نے بڑے خاصے میں رکھا تھا- بادشاہ نے اسی وقت حکم دیا کہ حکیم جی کو بلاؤ- وہ اس کا بندوبست کریں- خواجہ سرا نے اندر سے آکر ہرکارے کو دوڑایا کہ جلدی حکیم جی کو لے کر آؤ- غرض ایک ہرکارہ، تھوڑی دیر کے بعد دوسرا گیا، پھر تیسرا ہرکارہ روانہ ہوا- اس عرصہ میں گھڑی ڈیڑھ گھڑی کا زمانہ گزر گیا- حکیم جی کسی طرح وہاں سے نہ ملے- بعد ڈیڑھ گھڑی کے حکیم جی تسبیح خانہ پہنچے- اور اندر محل میں حضور کے پاس پہنچے بادشاہ نے حکم

دیا کہ تم افسروں کو بلا کر سمجھاؤ اور ان لوگوں کو بچالو- غرضکہ "بہت اچھا" کہہ کر باہر آئے اور دیوان خاص میں آکر بیچ کے در میں کٹہرے سے لگ کر ہو بیٹھے اور شاید ایک دو آدمی افسروں کے بلانے کو بھیجا کہ 'ناگہاں ہم دیکھتے کیا ہیں کہ لعل پردہ کے دروازہ سے دو کمپنیاں پوربیوں کی بندوقیں کاندھے پر رکھے ہوئے چلی آتی ہیں اور آتے ہی انہوں نے دیوان خاص میں گھس کر ہم لوگوں کا محاصرہ کیا اور بندوقوں کے پائے چڑھا کر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے- اس وقت ہم لوگ خدا کو یاد کرتے تھے اور سب بیٹھے ہوئے کلمہ پڑھ رہے تھے ہم کوئی دس بارہ آدمی کے قریب تھے- ہم کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب لحہ دو لحہ میں ہم کو اڑا دیں گے- گھڑی بھر تک یہ کیفیت رہی بعد دو سواروں کے ہاتھ میں سرخ رومال لعل پردے کے دروازہ سے رومال کا جھالا دیا- ان سپاہیوں نے جو ہم پر بندوقیں بھرے ہوئے کھڑے تھے انہوں نے بندوقوں کے پائے اتار دیئے اور کاندھے پر رکھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے- تھوڑی دیر میں ہرکارے نے آکر خبر دی ان قیدیوں کا کام تمام کر دیا گیا- یہ سن کر مجھ کو اس درجہ صدمہ ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا جس قدر مجھے اپنی اولاد کے مرنے کا غم ہوا- اسی کے برابر ان بچوں کے مارے جانے کا الم ہوا- میں حیران ہوں کہ وہ کم بخت کیسے سنگدل تھے کہ جن ظالموں نے ہاتھ ان بچوں پر اور ان حور طلعت عورتوں پر اٹھائے تھے- پھر میں اسی وقت اس رنج میں وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر کو آیا- جب نقار خانہ کے دروازہ میں آیا تو میں نے دیکھا کہ دروازے کے دائیں جانب کو وہ کٹے ہوئے پڑے تھے- مجھ سے یہ حال دیکھا نہ گیا اور منہ پر رومال ڈال کر چلا آیا- حوض کے برابر میرا چاکر گھوڑا لئے ہوئے کھڑا تھا- میں گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے مکان پر آیا تو پراگندہ حواس منتشر الحال تھا- میرے والد نے دریافت کیا خیر باشد؟ آج ایسا پریشان کیوں ہے- میں نے وہ ماجرائے قیامت انگیز بیان کیا- اس واقعہ ناگزیر کو سن کر وہ بھی بہت متالم اور متاسف ہوئے اور فرمایا تیرے نامہ اعمال میں تو جزائے خیر اس کی تحریر ہو گئی- مگر ان بیگناہوں کی قضا تھی مشیت ایزدی یوں ہی تھی مجھے آج تک جو اس واقعہ کا خیال آتا ہے تو میرے آنسو نکل آتے ہیں- کئی روز تک مجھے صدمہ رہا تھا- اس واقعہ کے بعد کی یہ کیفیت ہے کہ شہر میں پوربیوں کا راج ہو رہا تھا جو چاہتے تھے کرتے تھے اندھیر نگری چوپٹ راج- اندھے کی داد فریاد- رعیت کا ناک میں دم تھا- خدا سے دست بدعا تھے کہ خداوند اس بلائے ناگہانی کو جلد رفع کر یہ کم بخت ظالم کہیں شہر سے نکلیں تو قصہ پاک ہو اور ہم کو ان جفاکاروں کے ہاتھ

سے رستگاری ہو اور ان غداروں کی یہ کیفیت تھی کہ تمام خزائن انگریزی اور سرمایہ اب تک اور مال بازار لوٹ کر مالا مال ہو رہے تھے۔ روپیہ رکھنے کو جائے نہ تھی۔ روپیوں کی اشرفیاں کرا کر کمروں میں باندھ رکھی تھیں۔ اور اشرفی کا بھاؤ ایسا گراں ہوا تھا کہ تیس روپیہ کو ملتی تھی اور رعیت بھوکی مرتی تھی۔ تمام کارخانے بند تھے دستکار اور اہل حرفہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہوئے بیٹھے تھے۔

چوتھا باب

انگریزی فوج آگئی

ہیں دھادہ چہ معنی وارد ہینڈن ندی کے اس طرف غازی آباد میں گوروں کی فوج آگئی ہے۔اب چہار طرف سے بگل کا شور دھتو دھتو ہو رہا ہے اور جلدی جلدی فوج کی کمر بندی ہو رہی ہے۔ توپ خانہ تیار لیس ہے۔ میگزین کی کراچیاں لدی ہوئی ہیں۔ پلٹنیں الگ جمی ہوئی کھڑی ہیں۔ رجمنٹیں ایک جانب ہیں کہ بگل میں کوچ کی بولی بولی گئی اور فوج مسلح اور مکمل ہو کر پل کے دروازہ سے سلیم گڑھ کے نیچے ہوتی ہوئی دریائے جمن کے پل پر سے عبور کر کے شاہدرے کی سڑک پر روانہ ہوئے۔دن کے دس بج چکے ہیں۔

پہلی لڑائی :۔ غرضکہ پورے بارہ کا وقت تھا کہ توپ کی آواز کان میں آئی۔احتمال ہوا کہ دوپہر کی توپ چلی ہے کہ ایک منٹ کے بعد دوسری توپ سر ہوئی۔ہاں دوپہر کی توپ نہیں جنگ کی توپ ہے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔اب متصل توپ کے فیر ہونے لگے۔ لگا تار توپ کی آواز چلی آتی تھی۔ پھر یک بارگی باڑ کی آواز آنے لگی۔اب توپ بھی چل رہی ہے اور بندوقوں کی باڑیں جھڑ رہی ہیں۔دو گھنٹہ کامل یہ صدا آتی رہی۔بعد توپ اور بندوق بند ہوئی اور فٹ فیر کی آواز متفرق آنے لگی۔اب مقام حرب قلعہ سے بارہ تیرہ میل کے فاصلہ پر ہوگا اور دن کے تین بج گئے ہیں ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ دو گھنٹے کے عرصہ میں ڈبل کوچ کر کے پہنچ گئے اور لڑائی شروع ہوئی اور تین گھنٹہ میں فیصلہ ہو گیا۔ابھی فتح شکست کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ کون جیتا اور کون ہارا۔اس کا انتظار ہے۔ غرضکہ پانچ بجے کے قریب میں قلعہ سے سوار ہو کر جاتا ہوں جب لاہوری دروازہ کے چھتے میں پہنچا تو مجھے فوج واپس آتی ہوئی ملی۔ آگے آگے توپخانہ تھا۔میں نے دیکھا کہ ایک جوان میگزین کی کراچی پر صندوق سے لگا ہوا بیٹھا ہے۔ مگر بے ہوش آنکھیں بند ہیں۔میں سمجھا زخمی ہے۔ گھوڑوں پر جو بیشتر

سوار تھے میں نے ان سے پوچھا کہ اس کے زخم کہاں آیا ہے۔انہوں نے کہا زخم نہیں آیا۔اس کے ٹھنڈا گولہ لگا ہے۔اس کے صدمہ سے بے ہوش ہو گیا ہے۔اس کے بعد میں نے دیکھا کہ سوار اور پیدل ہنستے کودتے ہیں، باجا بجاتے چلے آتے ہیں۔ قلعہ کے دروازے میں سے میں نے نکل کر ایک سوار سے پوچھا کہ تم اتنی جلدی کیونکر واپس چلے آئے۔اس نے بیان کیا کہ ہماری فتح ہو گئی۔ گورے مقابلہ پر سے بھاگ گئے۔ ہم واپس چلے آئے۔ پھر میں نے پوچھا کہ لڑائی کی کیا شکل ہوئی۔اس نے بیان کیا کہ بند ہی ندی کے اس پار ہم تھے اور وہ اس پار تھے۔ جانبین سے توپیں چلتی رہیں ہمارے توپخانہ نے بڑا کام دیا۔ آدمی آدمی کے پیچھے گولہ لگا دیا۔ دوسرے یہ بات بھی ہوئی کہ گورے دھوپ کی تیزی اور حرارت آفتاب کی تاب نہ لا سکے ہم دور سے دیکھتے تھے کہ وہ ندی کے پانی کے اندر کھڑے تھے اور ان کے گھٹنوں تک پانی تھا۔ جب ہمارے سواروں نے دھاوا کیا تو وہ کلبلا کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن اپنی توپیں وغیرہ سب سامان اپنے ساتھ لے گئے۔

دوسری لڑائی :۔ یہ بہت بڑی خونخوار جنگ ہے۔ غازی آباد کے بعد ایک مہینے بھر تک کچھ لڑائی بھڑائی کا ذکر فکر تک نہیں ہے۔ پوربیئے امن و امان سے بے غل و غش چین اڑاتے ہیں۔ خوب بھنگیں پیتے ہیں اور لڈو پیڑے کھاتے ہیں۔ رسوئی کرنی چھوڑ دی ہے۔ دونوں وقت پوری کچوری مٹھائی چکھتے ہیں اور پاؤں پسار کر نیند بھر کر سوتے ہیں اور چاروں طرف سے مدد چلی آتی ہے لکھنؤ کا رسالہ آ گیا اور جالندھر والی پلٹن کے جوان بھاگ کر چلے آئے۔ اب قریب دس بارہ ہزار کی جمعیت پیدل سوار جنگی کی فراہم ہو گئی ہے اسکے علاوہ میرٹھ کے جیل خانہ کے بدمعاش جو رہا ہو کر ہمراہ فوج باغیہ آئے ہیں، وہ ساتھ ہیں اور دلی کے جیل خانہ کے چور اٹھائی گیرے سب فوج کے ہمراہ ہیں۔

جہاں کے جتنے تھے اوباش و رند نافرجام دغا شعار، چغل خور، بدمعاش تمام
ہوئے شریک سیاہ شریر و بدانجام کیا تمام شریفوں کے نام کو بدنام
اٹھائی گیرے اچکے گھروں سے دھر بھاگے
جو گٹھ کٹے تھے وہ گٹھری لپک کے گھر بھاگے

سولھویں رمضان کی ڈیڑھ ماہ کے بعد ایک دن پانچ بجے دن کے میں گھوڑے پر سوار قلعہ سے گھر آتا ہوں تو قلعہ کے چھتے میں مجھے دو سوار نیلی وردی کے ملے اور ان کی نیلی

جھنڈیاں تھیں- مجھے بظاہر ان کی وجاہت اور چال کرچ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید کسی رسالے کے افسر ہوں- مسلمان تھے صاحب سلامت ہوئی- چونکہ اس وردی کا کوئی اور سوار میری نظر سے نہیں گذرا تھا، مجھے شک ہوا کہ شاید نئے سوار ہیں- میں نے پوچھا تم کون سے رسالہ کے سوار ہو- انہوں نے بیان کیا چوتھے رسالہ کے- میں نے کہا چوتھا رسالہ تو یہاں کوئی نہیں-

سوار :- چوتھا رسالہ انگریزوں کی نظر بندی میں ہمراہ آیا ہے-

میں نے پوچھا انگریزوں کی فوج کہاں ہے ؟

سوار :- علی پور

میں :- علی پور سے تم کیونکر چلے آئے ؟

جواب :- ہم نگاہ بچا کر چلے آئے اور اپنے بھائی بند فوجیوں کو اطلاع دینے آئے ہیں کہ وقت دھاوے کے ہم تم میں آملیں گے ایسا نہ ہو کہ تم ہم کو آتے ہوئے دیکھ کر گوروں کے شبہ میں گراب مار کر اڑا دو- ذرا اس بات کا خیال رکھنا پھر سواروں نے مجھ سے پوچھا کہ فوج کے افسر کس طرف ہیں ؟ میں نے بتایا کہ تم چھتے میں سے نکل کر بائیں ہاتھ کی جانب ترپولیہ سے اور نہر سے ادھر سیدھے چلے جاؤ- اخیر کو قلعہ کا دروازہ آئے گا اور پرانا پل جمنا کا اس کے اوپر سے گزر کر سلیم گڑھ کا دروازہ آئے گا اس دروازہ کے اندر چلے جانا وہ سب افسر تم کو موجود پائیں گے غرضکہ وہ تو ادھر کو گئے اور میں اپنے گھر کو روانہ ہوا- تھوڑی دیر نہ گزری تھی بسر شام کے چھ بجے تھے کہ تیاری کا بگل ہوا اور فوج کی کمر بندی ہو گئی اور میگزین سے بڑی بڑی چھتس پنی منڈیاں کھینچ کر دس دس بارہ بارہ جوڑی بیل لگا کر لے چلے اور میگزین کی کراچیاں جداگانہ- میں سب کو ایک دوست کے کوٹھے پر بیٹھا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا- چاندنی رات تھی کوئی پانچ گھڑی رات گئے یہ سب فوج باہر ہو گئی- بڑی توپیں تو انہوں نے پہاڑی پر چڑھا کر مورچے باندھ لئے - آٹھ دس توپیں وہاں چھوڑیں اور کوئی دو ہزار کی جمعیت تو وہاں اس مورچے پر رہی باقی کل علی پور پہنچ گئی اور بیک سے ذرا آگے بڑھ کر انہوں نے مورچہ بندی کر دی- ایسا سنا گیا ہے کہ درمیان ہر دو لشکر ایک میل یا زائد کا فاصلہ ہو گا- بہر حال رات تو انہیں مورچہ بندیوں میں گذری- پوربیوں نے بڑی توپیں اپنے بائیں بازو پر رکھی تھیں وہ تین توپیں تھی، اور باقی گھوڑ چڑھی توپیں قلب لشکر میں تھیں، کہ چار گھڑی رات باقی رہے توپ

چلنی شروع ہو گئی - سننے میں آیا ہے کہ ان کی بڑی توپوں نے بڑا کام دیا اور افواج انگریزی کا بہت نقصان ہوا - اب نماز کے وقت سے پہلے سوبجروں کے رسالوں نے ان بڑی توپوں پر دھاوا مارا، اور ان کے پاس نیلی جھنڈیاں اور نیلی وردیاں تھیں ان کو یہ دھوکا ہوا کہ شاید یہ وہی چوتھار سالہ ہے جس کے لئے ہم سے آکر شام کو کہہ گئے تھے کہ وقت جنگ میں ہم تم میں آکر شامل ہو جائینگے - انہوں نے ان پر فیر نہیں کی اور وہاں الحرب خدعۃ کا مقابلہ تھا - یہ دھوکا کھا گئے اور وہ جب قریب معلوم ہو گیا کہ یہ سوبجروں کے سوار ہیں تو انہوں نے تین توپوں میں گراب ڈالا اور وہ قریب آگئے تھے - جب فیر کئے اس وقت راوی کا بیان ہے کہ سوار اور گھوڑوں کا یہ حال ہوا کہ جس طرح نداف روئی دھنتا ہے اور روئی کے ریشے اڑ اڑ کر زمین پر گرتے ہیں سوار اور گھوڑے اڑاڑ کر گرے، اور گوروں نے جھرمٹ کھایا - مگر واہ ری جرأت وہمت اس بہادر افسر کمانیر فوج کی کہ اس نے اس وقت اس زور سے بولی بولی کہ تمام صحرا گونج اٹھا اور نعشوں پر سے گھوڑے کودا کر توپوں پر جاپڑے اور باہم جنگ مغلوبہ بلم اور سنگین کی ہونے لگی - غرض یہ کہ کالوں سے توپیں چھین لیں، اور وہی توپیں بھر کر جماعت باغیہ پر فیر کرنے شروع کئے پیدلوں کی جو پلٹنیں طرفین کی تھیں، ان میں مقابلہ ہو گیا اور دونوں طرف سے باڑیں چلنے لگیں، اس وقت باڑوں کی مار سے کان پڑی آواز نہ آتی تھی - برابر جھراتا جاری تھا -

زسم ستوراں دراں پہن دشت زمیں شش شدو آسماں گشت ہشت

دود باروو اور گرد سواران سے آسمان و زمین تیرہ و تار ہو رہا تھا - اس وقت یہ نہ معلوم ہوا کہ اس معرکہ رستخیز محاربہ قیامت انگیز میں کس قدر ادھر سے مرے اور کس قدر ادھر سے ضائع ہوئے - غرضکہ کتنی دیر تک یہ ہنگامہ جدال و قتال گرم رہا - کیونکہ بندوقوں کے باڑوں کی صدا متصل دو گھنٹے کے قریب تک آتی رہی اور بعد اس کے مختلف فٹ فیر کے طور پر آوازیں آنے لگیں آٹھ بجے کا عمل ہو گیا تھا - میں قلعہ اپنی نوکری پر جاتا تھا جب جوہری بازار کے پھاٹک سے سڑک پر آیا ہوں تو میں نے دیکھا کہ زخمی بکثرت شہر میں آرہے ہیں - ایک ایک زخمی کے ہمراہ تین تین چار چار پوربیے لپٹے ہوئے اور اسے لئے چلے آتے ہیں - سڑک پر خون گرتا چلا جاتا ہے - تمام سڑک گلرنگ ہو رہی ہے اور خون کی افشاں ہوتی چلی آتی ہے جیسے ہولی میں زمین پر رنگ گرتا ہے دو سوار میری برابر سے نکلے - میں نے دیکھا

کہ ان کے سینوں پر گولیاں لگی ہوئی ہیں اور چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے اور پشت پر بھمبانے کھلے ہوئے تھے اور کلیجے اور پھیپھڑے کے ٹکڑے اور خون کے لتھے پر چے پڑے تھے دائیں ہاتھوں میں ان کے طپنچے اور بائیں ہاتھوں میں گھوڑوں کی باگیں تھیں اور کسی طرح کا کرب اور بد حواسی ان کے بشرے سے ظاہر نہیں تھی۔ اچھی خاصی طرح ان کے ہوش و حواس قائم تھے اور آپس میں باتیں کرتے چلے آتے تھے مجھے آج تک اس امر کا تعجب ہے کہ اتنی دیر تک وہ زندہ اور سلامت کیونکر رہے اور پانچ کوس تک زندہ کیونکر چلے آئے۔ ان کے عقب میں تین سوار اور آئے کہ ان کے ہاتھوں میں نیلی جھنڈیاں تھیں اور گھوڑے بھی ان کے تیار تھے۔ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس یہ جھنڈیاں کہاں سے آئیں انہوں نے بیان کیا کہ سواروں کی جھنڈیاں ہیں اور یہ گھوڑے بھی انہیں کے ہیں۔ چنانچہ صداقت ان کی یہ دی کہ ان کے گھوڑوں کے سموں پر انگریزی نمبر پڑے ہوئے ہیں چنانچہ میں نے جھک کر بچشم خود دیکھے نمبر موجود تھے اور بیان ان کا یہ تھا کہ جو سوار سرکار انگریزی مارے گئے ہیں ان کے یہ گھوڑے ہیں اور ہمارے لشکر کی فتح ہو گئی۔ مگر در اصل وہ جھوٹے تھے مقدمہ برعکس تھا آگے اس کا حال بیان ہو گا۔ اس کے بعد ایک سوار گھوڑے کو بگٹٹ دوڑائے چلا آتا تھا اور گھوڑے کی پیشانی پر گراب کے کاری زخم تھے اور خون اس میں سے اس طرح گرتا ہوا آتا تھا جیسے کہ لوٹے کی ٹونٹی سے پانی گرتا ہے اور اس کا تمام ماتھا اور تھوتھنی وغیرہ خون میں سرخ تھی۔ اس کے پیچھے ایک زخمی کو دیکھا کہ اس کا ہاتھ کہنی پر سے اڑ گیا تھا اور کٹے ہوئے بازو سے خون گرتا چلا آتا تھا اور اپنے پاؤں سے چلا آتا تھا اور دو ایک پوربیئے اس سے کہتے ہوئے آتے تھے کہ ہمیں ہم تم کو ہاتھوں پر اٹھا کر ڈیرے پہنچادیں تو وہ کہتا تھا کہ نہیں میرے پاس نہ آؤ غرضکہ اسی طرح مجھے قلعہ پہنچنے تک صدا زخمی سوار پیدل ملے جب میں پہنچا تو حکیم احسن اللہ خاں اور محبوب علی خاں، خواجہ سرا اور چند آدمی ملازمین شاہی بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑائی کا ذکر ہو رہا تھا مگر مفصل کیفیت کسی کو معلوم نہ تھی کہ نتیجہ کیا بر آمد ہوا۔ اسی اثناء میں گیارہ بج گئے اور محبوب علی خان اور احسن اللہ خاں کھانا کھانے کے واسطے اپنی نشست گاہوں میں اٹھ کر گئے۔ میں بھی کھانا کھانے کے واسطے گھر کو روانہ ہوا جب میں نقار خانہ کے دروازے پر پہنچا تو دیکھتا کیا ہوں کہ چند پوربیئے ایک شخص کو پکڑے ہوئے لئے آتے ہیں اور ایک افسر توپ خانہ باغیہ میری برابر برابر دیوان عام میں سے چلا آتا تھا جب یہ دونوں عین دروازہ میں باہم دوچار

ہوئے، پوربیوں نے اس افسر سے کہا کہ یہ قیدی انگریزی چوتھے رسالہ کا سوار ہے۔دھاوے
کے وقت ہمارے سواروں میں گھر گیا تھا۔ ہم اسے پکڑ لائے ہیں اس افسر نے محض گرفتار
شدہ سے کچھ پوچھا نہ گچھا اس کی کمر میں ولایتی اصفہانی تلوار تھی کھینچ کر اس پر پے در پے وار
کرنے شروع کئے چونکہ وہ میرے برابر ہی میں تھا میں گھبرا کر سپاہیوں کے بیٹھنے کا جو چبوترہ تھا
اس پر چڑھ گیا اس افسر نے تین وار تلوار کے اس کے منہ پر کئے مگر خدا جانے کیا بات ہوئی
کہ اس مقتول جسم پر خط تک نہ آیا ایک پوربیا بولا کہ اسے بھگاؤ۔ غرضکہ اسے چھوڑ دیا اور وہ
چھوٹ کر دلی دروازہ کی ترپولی کی طرف کو فرار ہوا۔ عقب سے ایک پوربئے نے اس کے گولی
ماری وہ اوندھے منہ زمین پر گرا۔ میں وہاں سے روانہ ہو کر قلعہ کے دروازہ سے نکل کر اردو
بازار ہوتا ہوا خونی دروازہ کے برابر سے کوتوالی کے آگے سے ہوتا ہوا اشرف بیگ کے کمرے
کے نیچے پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دو سو اڑھائی سو کے قریب سوار بحال خراب چہروں پر
گرد پڑی ہوئی وردیاں سب گرد میں اٹی ہوئیں گھوڑے پسینے میں نہائے ہوئے ان پر مٹی جمی
ہوئی درختوں کے سایہ میں نہر کے پڑے لگے کھڑے ہوئے ہیں۔ جیسے فوج ہزیمت خوردہ
کا حال ہوتا ہے وہ حال ان کا ہے اور ان کے آگے وہی کلانچاں رسالدار تیسرے رسالہ کا کہ
جس سے میری روز اول ان اسیروں کی رہائی کے بارہ میں گفتگو ہوئی تھی کھڑا ہے چونکہ مجھ
سے اس کی پیشتر شناسائی ہو چکی تھی بعد صاحب سلامت کے میں نے لڑائی کا حال دریافت کیا
اس نے ابتدا سے انتہا تک سب کیفیت بیان کی اور کہا کہ ہم کو کل کے روز دو سوار چوتھے
رسالہ کے آکر دھوکہ دے کر گئے ہم دھوکے میں رہے اور گوروں نے آکر ہماری توپوں پر
قبضہ کر لیا۔ بعد پلٹنیں دونوں طرف کی لڑتی رہیں اور ڈیڑھ گھنٹہ بندوق توپ کی لڑائی رہی اور
ہماری فوج پسپا ہونے لگی۔ ہماری فوج پچھلے قدموں پسپا ہوتی جاتی تھی اور بندوقیں چلاتی آتی
تھی اور ہم گھوڑ چڑھے توپوں کے گولے مارے جاتے تھے اور پیچھے ہٹتے آتے تھے کہ اسی اثنا
میں لکھنؤ والا رسالہ تازہ دم ہماری مدد کو پہنچا اور کہا تم بیچ میں سے میدان چھوڑ دو۔ ہمیں ان
پر دھاوا کرنے دو۔ جو سوار تم کو دباتے آتے ہیں ہم نے میدان دے دیا اور وہ رسالہ گھوڑے اٹھا
کر سولجروں کے رسالوں پر جا گرا اور باہم دست بدست کی لڑائی ہونے لگی۔ جانبین سے طپنچہ
چل رہا تھا ایک نے ایک کے سینہ پر طپنچہ رکھ دیا۔ ایک نے ایک کے منہ پر رکھ دیا۔ برابر فیر
ہوتے تھے غرض کہ ایک گھڑی بھر کامل یہ جنگ مغلوبہ رہی بعد کچھ سوار زخمی ہوئے کچھ

مارے گئے تھوڑے سے سوار بچ کر آئے ہیں اور گھوڑ چڑی کے توپخانہ نے یہ کام دیا کہ پیچھے
ہٹ کر مخلدار غاں کے برابر جو ترپولیہ ہے اس میں توپیں لگادیں اور پلٹنیں دوباغیہ میں چھپ
کر کھڑی ہورہیں اور ترپولیہ کے تینوں دروں کے اندر توپیں لگی ہوئی تھیں اور دونوں طرف
سے باغیوں نے رستہ روک رکھا ہے اب فوج انگریزی آئے تو کدھر سے آئے آخر انگریزی
توپخانے نے آکر مقابلہ کیا اور باہم نشانہ اندازی ہونے لگی-انجام ایک گولہ سرکار انگریزی کی
طرف سے ایسا آیا کہ توپ کے منہ پر لگا اور توپ کے اوپر کالب ٹوٹ گیا اور توپ بیکار ہو گئی
اس توپ کو شہر کو روانہ کیا دوسری توپ کے پہیہ پر گولہ پڑا اور وہ پہیہ بھی بیکار ہو گیا اور اس پر
دوسرا پہیہ چڑھا کر شہر کو روانہ کر دی گئی تیسری توپ کے منہ میں جاکر گولہ پھنس گیا تینوں
توپیں بیکار ہو کر شہر کو روانہ ہو گئیں-اب جب توپ بند ہو گئی تو فوج انگریزی نے تعاقب کیا
اور گولہ اندازان اور سواران محافظ توپ خانہ پیچھے ہٹ آئے اور فوج انگریزی اس امر سے بے
خبر کہ پلٹنیں گھات میں چھپی ہوئی کھڑی تھیں بے خوف و خطر دو رویہ سلسلے میں بندھی
ہوئی چلی آئیں جب باغیوں نے دیکھا فوج انگریزی داخل سڑک دوباغیہ ہو گئی اور بیچ میں آگئی
یکبارگی باغات کی دیوار کے پیچھے سے کھڑے ہو کر دونوں طرف سے باڑیں جھونک دیں-
اس وقت فوج کا یہ حال ہوا جیسے کبوتروں میں چھرہ مار دیا-بہت آدمی ضائع ہوئے اور باغیوں
کا تعاقب چھوڑ کر الٹے چھاؤنی کہنہ کی طرف روانہ ہو گئے-اور فوج باغی یہ سمجھ کر کہ جان بچی
لاکھوں پائے شہر میں داخل ہوئی اور شہر میں گھس کر دروازے بند کر لئے اور اسی اثنا میں پہاڑی
کے مورچوں والی فوج نے جو دیکھا کہ فوج شہر میں داخل ہو گئی-وہ بھی پہاڑی پر ڈنڈا ڈیرا
چھوڑ کر شہر میں آگئی توپیں بھی چھوڑ دی گئیں اور تمونیاں وغیرہ جو ڈیرہ خیمہ پہاڑی پر تھا
سب کا سب معہ میگزین وہیں رہ گیا جب فوج انگریزی چھاؤنی میں داخل ہوئی اور اس نے
دیکھا کہ پہاڑی خالی پڑی ہے ایک چڑیا تک نہیں-انہوں نے بنے بنائے مورچوں پر قبضہ جمالیا
اور ڈیرے خیموں وغیر کو آگ لگادی اور توپوں کا رخ دلی کی جانب پھیر دیا مورچوں کا استحکام
کر دیا-ادھر پوربیوں نے شہر میں داخل ہو کر بڑی بڑی توپیں میگزین سے کھینچ کر شہر کے
برجوں پر چڑھا دیں-

باغی قلعہ بند ہو گئے:-اب میدان واری کی لڑائی تو جاتی رہی مورچہ بندی اور
قلعہ بندی کی لڑائی رہ گئی-دن رات گولہ چلنے لگا ادھر پہاڑی پر فریز صاحب کی کوٹھی سے لگا

کرباوڑے تک انگریزی فوج کے مورچے لگے ہوئے تھے۔ادھر کشمیری دروازہ کے برج سے لے کر کابلی دروازہ کے سیاہ برج اور لاہوری دروازہ کے برج سے فراخشانہ کی کھڑکی کے برج تک توپیں چڑھیں ہوئی تھیں اور باہم شبانہ روز گولہ باری ہوتی تھی اور شیل اور بم کے گولے شہر پر برستے تھے بم کا گولہ خدا پناہ میں رکھے۔۔جس وقت پھٹتا تھا اور صدہا ٹکڑے اس کے اڑ جاتے تھے اگر سات درجہ کے مکان پر پڑا تو تہ کو اتر گیا اور سب کا ستیاناس کر دیا۔اگر زمین پر پڑا تو دس گز زمین پیوست ہو کر پھوٹا اور تمام مکان کو اڑا دیا۔غرضکہ ایک قہر خدا تھا۔دس دس گولہ برابر کاغذ کے پرچوں کی طرح شب کو اڑاتے چلے آتے تھے اور برابر پھٹتے چلے جاتے تھے۔ ادھر صبح ہوئی اور بگل بجنے شروع ہوئے اور فوج باغیہ کمر بندی کر کے لاہوری دروازہ کے باہر جا موجود ہوئی اور باہم گولی چلنے لگی شام تک میدان داری رہی پھر اپنے اپنے ڈیروں پر آموجود ہوئے اب ہر چہار طرف سے فوج باغیہ کی آمد شروع ہو گئی اور کمپو آنے لگے۔پہلے نصیر آباد کا کمپو آیا پھر نیمچ کی فوج آئی اور مرار کا کمپو آیا۔اب ایک سدھاری سنگھ کا کمپو تھا اور ایک جرنیل غوث محمد خاں ٹنڈے کا کمپو تھا جس کے ہاتھ دونوں لڑائی میں گولے سے اڑ گئے تھے اور بہت سی رجمنٹیں اور توپ خانہ آکر جمع ہو گئے اور ان کی ہمراہی میں اطراف و جوانب کے لوگوں کے غول چھاؤنیوں کے نام سے اور جم غفیر دلی میں جمع ہو گئے اور نصیر آباد والی فوج نے آتے ہی سب پر طعن کیا کہ آج تک تم سے ایک پہاڑی فتح نہ ہوئی کل ہم لڑنے جائیں گے تم سب دیکھنا کہ ہم کیا کام کرتے ہیں تم سب ادھر لڑتے رہو اور ہم انگریزی لشکر کی پشت پر جا کر دھاوا مارتے ہیں۔

تیسری لڑائی :۔ صبح آٹھ بجے نصیر آباد کی فوج دلی میں سے تیار ہوئی اور بہت سا میگزین ہمراہ لیا توپ خانہ سمیت تیلی واڑے کی راہ سے دھیرج کی پہاڑی طے کر کے نہر کے پل سے اس طرف ہو کر مغلپورہ کے باغات کا چکر کاٹتی ہوئی چھاؤنی کے راستہ پر سد راہ ہو گئی اور بارہ بجے دن کے انگریزی فوج سے اس کا مقابلہ شروع ہوا اور باہمد گر گولہ باری ہونے لگی۔ اور توپ کی آواز آنے لگی۔اسی روز یہ کیفیت تھی کہ توپ کی صدا اس طرح آرہی تھی کہ جس طرح اچھے دو پھیکنت پھری گتکے لے کر کھڑے ہوتے ہیں اور باہم چوٹوں کی صدا برابر نکلتی ہے اس طرح توپ کی صدا متصل آرہی تھی اور کبھی ان کے ہمراہ بندوقوں کی باڑ کی آواز آجاتی تھی عجب مزے کی جنگ تھی کہ نہ دیکھی نہ سنی اور فی الحقیقت دونوں لشکر ایک ہی سرکار کے

تھے آخروہ بھی تو تعلیم یافتہ افسران سرکار انگریزی کے تھے استاد شاگرد کی لڑائی تھی مگر فرق اتنا تھاکہ سرکار کا ستارہ اقبال غالب تھااور ان کاسبب محسن کشی مغلوب اگروہی فوج باغیہ کسی غنیم کے مقابل ہوتی تو دھوئیں اڑادیتی - وردغ برگردن راوی کہنے والوں کا بیان تو یہ تھا کہ لشکر سرکاری ڈیرہ خیمہ لے کر علی پور جااترا تھااور بہیر روانہ ہو چکی تھی اب جھوٹ سچ کا علم خدا کو ہے سنی سنائی بات ہے کوئی دیکھنے تھوڑی ہی گیا تھا - قصہ مختصر یہ ہنگامہ جدال و قتال دوپہر سے ۹ بجے رات تک قائم رہااور باہم جنگ کی آواز آتی رہی - پھروہ صدا آنی موقوف ہو گئی دوسرے روز بارہ بجے ان کے وہ فوج واپس آئی ہے تو اس کا بیان یہ تھا جو اوپر تحریر ہو چکا دوبارہ اعادہ اس کا فضول ہے - مگر ہم کیا کریں ہمارے پاس میگزین ختم ہو چکا تھا اگر ہم کو میگزین مل جاتا تو ہم تمام رات لڑتے جاتے اور سرکاری لشکر کے پاؤں اکھڑ چکے تھے ہم نے سوار بھیج کر میگزین طلب کیا تھااور سوار اپنے ہمراہ لے کر چلے تھے کہ دروازہ والوں نے میگزین روک لیااور کہا کہ اس وقت رات ہے مبادا انگریزی فوج راستہ میں سے تاخت کر کے چھین لے جائے رات بھر ہم سے ہوشیاری کی انگریزی فوج نے ہم پر تین بار حملہ کیا ہم نے مہتاب کا جھالادے دے کر ان کو ٹالا دیا تین کارتوس ہمارے پاس گراب کے باقی رہ گئے تھے -

جرنیل بخت خاں کی آمد :- اس معرکہ آرائی کے بعد بخت خاں جرنیل چودہ ہزار کا کمپو اور چند توپ خانے اور دو تین رجمنٹیں سواروں کی اور کئی لاکھ روپیہ خزانہ بریلی سے لے کر دہلی میں وارد ہوااور دوسرا جرنیل مراد کا کمپو لے کر آپہنچا ان کے پانچ سو ولایتی سرحدی نیلے کپڑے والے دہلی میں آگھسے اور مدرویہ لوگ سرغنہ بن کر دو دو سو چار چار سو کی جمعیت لے کر شہر میں داخل ہو گئے - کیفیت یہ تھی کہ جس وقت باغیہ دھاوا پر جاتی تھی یہ سب بدمعاش ان کے ہمراہ ہوتے تھے اور جو زخمی یا مقتول ہوتا تھا اس کا سامان روپیہ اشرفی ہتھیار گھوڑا وغیرہ یہ منگوا لیتے تھے مگر شہر کی خلقت میں سے کوئی مسلمان یا ہندو از اعلیٰ تا اولیٰ کبھی ہمراہ افواج باغیہ دھاوے پر نہیں گیا سوائے ان اجلاف بدمعاشوں کے جو روز اول پوربیوں کو ہمراہ لے کر شہر کو لٹواتے پھرتے تھے اور بنک گھر کا روپیہ خزانہ بخشی خانہ کا جنھوں نے لوٹا تھااور گھوڑے مول لے کر سواروں میں نوکر ہو گئے تھے بیشتر ان میں کاغذی محلہ اور کشمیری دروازہ کے اطراف و جوانب کے کنجڑے ، قصائی ، کاغذی چوڑ ہے چمار ، بانڈی باز ، پہلوان

مشل گامی بد معاش وغیرہ تھے کوئی شریف نہ تھا بلکہ شرفاء وغیرہ نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا تھا خود اپنی مصیبتوں میں گرفتار تھے- بادشاہی ملازموں کا یہ حال تھا کہ جب سے یہ بد معاش شہر میں داخل ہوئے تھے بے چارے روٹیوں کو محتاج تھے- تنخواہیں بند تھیں- تنخواہ کہاں سے ملتی خود بادشاہ کی تنخواہ بند ہو گئی تھی- لاکھ روپیہ ممینہ بادشاہ کے یہاں انگریزی خزانہ سے آتا تھا- جب انگریزی نہ رہی اور خزانہ بھی لٹ گیا تو بادشاہ کو تنخواہ کون دیتا اور بادشاہ کے پاس کیا دھرا تھا کہ وہ نوکروں کو تنخواہ دیتے- غرضکہ ایک مصیبت ایک تباہی اور بربادی تھی جن لوگوں کے گھر میں کچھ اثاث البیت تھا وہ بیچ بیچ کر گزارہ کرتے تھے اور چار چار روپیہ کے سپاہی فاقے مرتے تھے اس کے علاوہ وہ لوگ کچھ اپنی حرفت و دستکاری وغیرہ کر لیتے تھے- کارخانہ بھی بند تھے کوئی ذریعہ قوت بسری کا نہ رہا تھا- بادشاہ غریب کا یہ حال تھا کہ حیران پریشان محل میں رہتے تھے- باہر برآمد ہونا چھوڑ دیا تھا ہر وقت مغموم متالم آبدیدہ رہتے تھے گاہ گاہ وقت شب تخلیہ میں تسبیح خانہ میں گھڑی دو گھڑی آبیٹھا کرتے تھے اور ان نمک حراموں کو برا بھلا کہتے تھے- ہم لوگوں کے واسطے حکم تھا کہ باری باری سے شب کے وقت ڈیوڑھی پر حاضر رہا کرو-

بادشاہ کے تاثرات :- ایک رات میں ڈیوڑھی پر موجود تھا پچھلا پہرہ تھا کہ باریدار نے محل میں سے آواز دی- ہشیار ہو جاؤ ہم لوگ جلدی سے پگڑیاں سر پر رکھ کر کمریں باندھ کر تیار ہو گئے- اس وقت ہم چار پانچ آدمی حاضر تھے- میرزا قیصر شاہزادہ، حمید خاں جمعدار خاص برادران میر فتح علی جمعدار کہاران حسین بخش عرض بیگی کہ بادشاہ برآمد ہوئے- ہم سب آداب بجالائے- بادشاہ تسبیح خانے کے آگے مرمر کے تختہ پر مسند تکیہ پر ہو بیٹھے- ایک ستون سے حمید خاں لگ کر کھڑا ہو گیا اور ایک ستون سے میر فتح علی تخت کے دائیں جانب مرزا قیصر میں ان کے برابر میں ہوں اور میری برابر حسین بخش عرض بیگی حضور نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو آج کل جو سامان ہو رہا ہے اس کا انجام کیا ہونا ہے- حمید خاں جمعدار نے ہاتھ باندھ کر عرض کی حضور ڈیڑھ سو برس کے بعد حضور کا اقبال یاور ہوا ہے- گئی ہوئی سلطنت پھر واپس آئی ہے- بادشاہ سلامت نے ارشاد فرمایا تم لوگ نہیں جانتے ہو جو کچھ میں جانتا ہوں مجھ سے سن لو میرے بگڑنے کا کوئی سامان نہ تھا یعنی بنائے فساد مال و دولت خزانہ ملک و سلطنت وغیرہ ہوا کرتے ہیں- میرے پاس ان میں سے ایک موجود نہ

تھی میں تو پہلے ہی فقیر ہوا بیٹھا تھا مجھ کو کسی سے خصومت کیا تھی یعنی فقیر سے کسی کو کیا رشک و حسد اور طمع ہو گی۔ بیت

کس نیاید بخانہ درویش　　　که خراج زمین و باغ بدہ

میں تو اک گوشہ ایزدی میں فقیر کا تکیہ بنائے ہوئے چار صورتوں کو ہمراہ لئے ہوئے بیٹھا روٹی کھاتا تھا۔ میرے بگڑنے کا کوئی سامان نہ تھا اب جو منجانب اللہ غیب سے میرٹھ میں آگ لگی اور دلی میں آکر بھڑکی۔ فتنہ برپا ہوا ہے تو معلوم ہوا فلک غدار اور زمانہ ناہنجار کو میرے گھر کی تباہی منظور ہے۔ آج تک سلاطین چغتائی کا نام چلا آتا تھا اور اب آئندہ کو نام و نشان یک قلم معدوم و نابود ہو جائے گا۔ یہ نمک حرام جو اپنے آقاؤں سے منحرف ہو کر یہاں آکر پناہ پذیر ہوئے ہیں۔ کوئی دن میں ہوا ہوئے جاتے ہیں جب یہ اپنے خاوندوں کے نہ ہوئے تو میرا ساتھ کیا دیں گے۔ یہ بد معاش میرا گھر بگاڑنے آئے تھے بگاڑ چلے۔ ان کے جانے کے بعد انگریز لوگ میرا اور میری اولاد کا سر کاٹ کر قلعہ کے کنگرے پر چڑھا دیں گے۔ اور تم لوگوں میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑیں گے اور اگر کوئی باقی رہ جائے گا تو آج کا قول میرا یاد رکھو کہ تم روٹی کا ٹکڑا منہ میں لو گے اور وہ منہ میں سے اڑ کر دور جا پڑے گا اور روسائے ہند کو لوگ ایسا سمجھیں گے جیسے گاؤں کا ادنی آدمی ہوتا ہے۔ یہ سخنان درد انگیز فرما کر پھر محل میں داخل ہو گئے اس کے پانچ چار روز کے بعد ایک روز کا ذکر ہے کہ آٹھ بجے دن کے محل میں سے بر آمد ہوئے ہوادار پر سوار ہو کر سلیم گڑھ تک گئے اور واپس آتے تھے اثناء راہ میں جب ولی عہد بہادر مرحوم کے باغیچہ کے برابر آئے تو میں ہوادار کا پایہ پکڑے ہمراہ تھا مجھے ارشاد ہوا کہ میں نے سنا ہے کہ آغا بیگم بہت گھبراتی ہیں اور ان کو بہت کرب و اضطراب و قلق ہے اور بہت گریہ زاری کرتی ہیں تو ان کے پاس جا اور جو ہدایت کی جائے وہ کلمات حرف بحرف ان کے گوش گزار کر اور تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو نے چار برس کی عمر سے محل میں پرورش پائی ہے تجھ سے کچھ پردہ نہیں۔ تو پردہ کے برابر جا کر سب عرض کر لیجو۔ میں نے دست بستہ عرض کی تو ارشاد ہوا کہ تو کہنا حضور فرماتے ہیں کہ جس قدر مصائب اور رنج و آلام اور تکالیف ہیں یہ خاصان خدا کے واسطے ہوتی آئی ہیں۔ خصوصاً انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ ہمیشہ مصائب میں گرفتار رہے ہیں مگر ان مصائب کا خاتمہ جناب سرور کائنات کی ذات بابرکات اور ان کی آل الامجاد پر ہو گیا۔ ان کے مصائب پر خیال کرو کہ کیسی کیسی مصیبتیں

اٹھانے پر صابر و شاکر رہے رسول زادیوں سے زیادہ تمہاری عزت و حرمت نہیں تم ان کے مصائب یاد کر کے اپنے دل کو تسکین دو اور جو جو مصائب تکالیف وغیرہ گزریں اس میں صابر و شاکر رہو میں نے جب یہ کلمات اس بادشاہ کی زبانی سنے تو مجھے بے اختیار رقت طاری ہوئی اور سواری محل میں پہنچا کر میں نواب آغا بیگم صاحبہ صاحبزادی حضور کے در دولت پر گیا۔ خواجہ سرا کی معرفت عرض کرائی کہ خانہ زاد حسب الارشاد فیض بنیاد حضور پر نور حاضر ہوا ہے اور کچھ حضور سے ارشاد ہوا ہے وہ گذارش کیا چاہتا ہے۔ شہزادی صاحبہ معظمہ نے محل میں پردہ کرا کے اندر بلوایا اور پردہ کے اندر سے فرمایا کہ حلفیہ بیان کرو کیا ارشاد ہوا ہے۔ میں نے آداب بجالا کر جو کچھ ارشاد ہوا تھا حرف بحرف بیان کیا۔ شہزادی صاحبہ نے بعد استماع فرمایا کہ میری جانب سے تو جا کر آداب تسلیمات عرض کرنا کہ آج تک تو مجھے قلق واضطراب اور فکر آبروریزی اور خیال تباہی اور بربادی تھا مگر اب دل کو تشفی ہو گئی انشاء اللہ حضور کی ہدایت سے سر مو تجاوز نہ ہوگا۔ میں نے واپس آ کر خواجہ سرا کی معرفت سب کیفیت گزارش کر بھیجی۔ اسی روز کا ذکر ہے کہ جس وقت سواری واپس آئی تھی جب سواری دیوان عام کے صحن میں محبوب علی خاں کے کمرے کے نیچے پہنچی تھی تو حکیم احسن اللہ خاں بھی ہوادار کے برابر چلے آئے تھے۔ پانچ چار پوربیئے آئے اور حکیم احسن اللہ خاں سے انہوں نے کچھ کہا خدا جانے انہوں نے کہا جواب دیا کہ ان میں سے ایک نے بندوق کا پایہ چڑھا کر چاہا کہ بندوق جھونک دے ایک خاص بردار شاہی نے ہاتھ کی تھپکی دے کر بندوق کی نال اوپر کو کر دی اور بادشاہ نے ہوادار پر سے ہاتھ بڑھا کر حکیم جی کا سر پکڑ کے ہوادار آگے کر لیا اور ان نمک حراموں کو برا بھلا کہنا شروع کیا اس وقت دیوان عام میں سے کل افسر پوربیوں کے دوڑ آئے اور ہاتھ جوڑنے لگے، معذرت کرنے لگے۔ قصہ رفت و گذشت ہوا۔ اس طرح ہم لوگوں سے اور ان بے تمیزوں سے روز تکرار رہتی تھی۔ ایک دن کا اور ذکر ہے کہ صبح کا وقت تھا کہ دن کے سات بجے ہیں۔ بادشاہ برآمد ہوئے اور دیوان خاص کے بیچ کے در میں کرسی بچھوا کر بیٹھے ہیں۔ کچھ تھوڑے سے آدمی اس وقت موجود ہیں کرسی کے پیچھے دو خواص کھڑے ہوئے مور چھل جھل رہے ہیں۔ میرے بہنوئی آغا سلطان کرسی کے قریب کھڑے ہیں ان کے برابر میں ہوں اور کوئی پانچ چار آدمی ہیں۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک پوربیا فربہ اندام پستہ قد ادھیڑ پچاس پچپن برس کی عمر منہ پر ڈاڑھی گاڑھے کا کرتہ دھوتی بندھی ہوئی سر پر ایک

انگوچھا لپٹا ہوا چندھیا کھلی جال کرچ افسروں کی اس کے گلے میں پڑی ہوئی عقب حمام کے
چبوترہ کی طرف سے دربار میں آیا اور بادشاہ کو سلام کر کے پاس چلا آیا- میرے بہنوئی نے روکا
بھی کہ ہیں ہیں کہاں چلے آتے ہو مگر وہ کب سنتا تھا پاس آکر بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا- سنو
بڈھو ہم نے تمہیں باسا کیا- یہ بات سن کر مجھے تاب نہ رہی اور مارے غصہ کانپنے لگا اور ایک
ہاتھ زور سے اس کے سینہ پر رکھ کر دھکا دیا اور کہا کہ او بے ادب بے تمیز بادشاہوں کے دربار
میں اس طرح گستاخی کرتے ہیں وہ اس دھکا دینے سے دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا اور گرتے
گرتے سنبھلا اور اس نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا- میں نے بھی تلوار کھینچ لی جس وقت اس
نے قبضہ پر ہاتھ ڈالا ہے تو میری برابر ایک سید کا لڑکا نجف گڑھ کا رہنے والا میری ہی ہم عمر
ہو گا وہ انگریزی رسالہ میں کوئی عہدہ دار تھا- میری برابر سے بڑھ کر اس نے اس کا گلا اس زور
سے دبوچا کہ قریب تھا اس کی آنکھیں نکل پڑیں- ادھر لوگوں نے مجھے روک لیا میری تلوار
آدھی کھینچنی پائی تھی کہ لوگوں نے ہاتھ پکڑ لیا- "ہیں ہیں، جانے دو" - بادشاہ نے اشارہ کیا
پیچھے کرسی کے آجا- لوگوں نے اسے دھکے دے کر دیوان خاص کے باہر کر دیا اور بادشاہ نے
خفا ہو کر مغلظات گالیاں دینی شروع کیں اور حکم دیا کہ محل کی سواریاں کراؤ اور خواجہ صاحب
کو چلے چلو- قلعہ کو چھوڑ دو اور خود سوار ہو کر جالی کے دروازہ تک پہنچ گئے تھے کہ اتنے میں
سب افسر جمع ہو کر دوڑ آئے اور بادشاہ کی سواری روک لی- منت سماجت کی اور اسے لا کر پاؤں
میں ڈالا ہر چند بادشاہ نے چاہا کہ قلعہ سے چلے جائیں مگر وہ کب جانے دیتے تھے روک لیا ہوا
دار لوٹا کر تسبیح خانے کو لے گئے مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ بدبخت جرنیل بخت خاں یہی ہے پیچھے
حال کھلا کہ وہ بریلی والا جرنیل ہی تھا ظاہراً تو اس کا لباس گھس کھدوں کا سا تھا- میں تو سمجھا تھا
جیسے اور پوربیئے سپاہی ہیں یہ بھی کوئی سپاہی ہو گا- قصہ مختصر جب سے وہ فوج لے کر شہر میں
وارد ہوا تھا روز کی لڑائی بند ہو گئی تھی جیسے فوج پہلے صبح ہوتے ہی میدان داری کو تیار ہو کر
لڑنے کو چلی جاتی تھی وہ موقوف ہو گئی تھی- اس نے آکر یہ بات ترک کرا دی تھی اس نے
کوئی اور تدبیر سوچی تھی غرضکہ بیس روز تک لڑائی بند رہی مگر شہر پر گولہ باری بدستور تھی
شبانہ روز گولہ برستا تھا اس موقعہ پر ایک اور بات بیان کرنی ضروری ہے اور وہ جو پانچ سو ولایتی
تھے وہ سب سے زیادہ جلد باز تھے اور وہ زیادہ فوج کو ورغلاتے تھے اور ترغیب دلا کر جنگ میں
لے جایا کرتے تھے اور آگے فوج کے آپ ہوتے تھے اور ایسے موقع پر لے جا کر کھڑا کر دیتے

تھے جہاں گراب اور باڑھ کی زد ہوتی ہے اور آپ الگ ہو جاتے تھے ایسے ہی ایک بوڑھیا عورت تھی کہ وہ سر کو منڈاسا باندھ کر اور کمر کو دوپٹہ کس کر سب سے آگے ہو جاتی تھی اور لوگوں کو ترغیب دلاتی تھی چلو بیٹا جہاد پر چلو نہ معلوم وہ کٹنی کون تھی روز بازار میں کھڑے ہو کر لوگوں کو لگا کر لے جاتی تھی اور آپ سب سے آگے ہوتی تھی اور پھر وہ بچ کر زندہ سلامت آجاتی تھی اور صدہا آدمیوں کا خون کراتی تھی پھر جب شہر میں فوج داخل ہوئی ہے تو اس کا پتہ نہ پایا۔

چوتھی لڑائی :- غرضکہ بخت خان کے آنے کے بعد بیس روز لڑائی بند رہی اور تمام فوج نے اس کو ملامت کرنی شروع کردی تھی کہ تو نے جنگ کو التوا میں ڈال دیا اس کا کیا باعث ہے۔ پھر جب جرنیلوں نے مل کر یہ صلاح ٹھیرائی کہ پہاڑی کے عقب چل کر انگریزی فوج کا محاصرہ کرلو اور ان کی رسد بند کردو چنانچہ اس امر پر سب راضی ہوگئے اور ایک دن بخت خان اپنے کمپو کو لے کر روانہ ہوا اور شہر سے چار پانچ کوس کے فاصلہ پر جاکر نہر کے پل کے اس جانب ڈیرہ ڈال دیا دوسرے روز سدھاری سنگھ اور غوث محمد خان اپنے کمپو کو لے کر روانہ ہوئے۔ جب بخت خان کے کمپو میں پہنچے تو اسے بہت برا بھلا کہا کہ تو نہر کے اس پار کیوں ٹھیر گیا اس پار چل کر ڈیرہ لگانا تھا۔ اگر انگریز لوگ نہر کا پل اڑادیں گے تو ہماری آمد و شد بند ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے کمپو نہر کے پل کی اس جانب لے جاکر ڈیرہ ڈالا ہنوز خیمہ قائم نہ ہوا تھا کہ قدرت خدا سے مینہ برسنا شروع ہو گیا اور کس شدت سے پانی برسا کہ العظمتہ للہ تمام جنگل میں پانی پانی ہو گیا اور ایک خرابی اور ہوئی کہ جس موقعہ پر سدھاری سنگھ کے کمپو کا ڈیرا تھا وہاں نشیب تھا اور جھیل تھی۔ نجف گڑھ کی جھیل مشہور ہے۔ جہانی ندی کا پانی سب اس میں آتا ہے اب یہ کیفیت ہوئی کہ توپیں بھی پانی میں غرق اور آدمیوں کے بھی کمر کمر پانی چڑھ گیا اور میگزین کی پیٹیاں سب دلدل میں پھنس گئیں ادھر انگریزی فوج نے آگے گولے اور گراب کا مینہ برسانا شروع کر دیا اور پیپا بارود کا نہر میں بہا کر نہر کا پل اڑا دیا جس سے راستہ بند ہو گیا ادھر سے بخت خان کی فوج نے انگریزی فوج پر گولہ باری شروع کردی دونوں طرف کی گولہ باری سدھاری سنگھ اور غوث محمد خان کے کمپوں پر ہونے لگی اب جائیں تو کہاں جائیں۔ بیچ میں نہر حائل ہے جو بھاگ کر آیا نہر میں گیا۔ غرضیکہ ڈیرہ خیمہ میگزین توپیں وغیرہ سب کی سب وہیں رہیں اور ہزارہا جانیں تلف ہوئیں تھوڑی سی فوج بچ بچا کر صبح کو دلی میں پہنچی اور باقی سب تباہ اور ہلاک ہو کر وہیں غارت ہو گئی دوسرے

روز بخت خان بھی اپنے میو کو واپس لے کر شہر میں داخل ہو گیا۔

باغیوں کا بارود خانہ اڑ گیا:۔مقام نجف گڑھ کی لڑائی کے بعد پوربیوں کی ہمت شکست ہونی شروع ہو گئی اور وہ جوش و خروش کم ہو گیا اسی اثنا میں ایک ستم اور ہوا کہ چوڑیوالوں کے محلہ میں ثمرو کی بیگم کی حویلی میں میگزین تھا اور وہاں بارود تیار ہوا کرتی تھی اور سات سو من بارود روز بنتی تھی اور خرچ میں آجاتی تھی ایک دن تیسرے پہر کا وقت ہے دن کے تین بجے ہوں گے کہ یکا یک ایک دھماکے کی آواز کان میں آئی مگر دھماکا ایسا ہوا جیسے سو توپ کی برابر اس کی صدا تھی میں اپنے مکان کے دو منزلہ پر چڑھا اور چہار طرف نگاہ کی تو اپنے مکان کی جنوب کی جانب دیکھتا کیا ہوں کہ ایک عجیب گرد و غبار اور دھوئیں کا آسمان سے باتیں کر رہا ہے معلوم ہوا کہ میگزین اڑ گیا میں نے آدمی کو بھیجا کہ جا کر خبر لاؤ کیا واردات گزری۔آدمی نے تھوڑی دیر میں آکر خبر دی کہ میگزین میں سات سو آدمی کام کرتے تھے سب کے سب اڑ گئے لاشوں کا ڈھیر پڑا ہے مکان میں آگ لگ رہی ہے اور کثیر ہجوم خلق اللہ کا ہے ایک حشر برپا ہو رہا ہے ہزاروں آدمی واویلا مچا رہے ہیں جن کے عزیز و اقربا بارود خانہ میں کام کرتے تھے۔یہ معرکہ دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ میرے پاس عزیز الدین خان احسن اللہ خان کے بھانجے گھبرائے ہوئے منتشر الحواس دوڑے ہوئے آئے اور ان کے ہمراہ ان کی گھر کی سواریاں تھیں۔خیر سواریاں تو گھر میں اتروائیں اور ان سے تفتیش حال کی کہ خیر باشد معاملہ کیا ہے انہوں نے بیان کیا کہ ادھر تو میگزین اڑا ادھر پوربیے حکیم جی کے گھر پر چڑھ گئے کہ حکیم جی انگریزوں سے سازش رکھتے ہیں انہوں نے میگزین اڑوا دیا ہے اور جا کر سب اثاث البیت لوٹ لیا حکیم جی گھر پر نہ تھے۔حضور میں تھے ورنہ وہ ضرور جان سے مارے جاتے یہ عورتیں غریب اپنی جان بچانے کو مکان کے عقب میں ایک ہمسائے کے گھر میں کود گئیں تھیں میں وہاں سے سوار کرا کے لایا ہوں۔

شب خون:۔اس واقعہ کو تھوڑے ہی دن نہ گزرے تھے کہ ایک دن یہ معاملہ پیش آیا کہ کشمیری دروازہ کے باہر نصف میل کے فاصلہ پر ایک زرد کوٹھی پہاڑی کے متصل تھی وہاں پوربیوں نے ایک مورچہ قائم کر رکھا تھا اور وہاں بڑی بڑی توپیں لگا رکھی تھیں۔ان توپوں سے انگریزی فوج کو بہت نقصان پہنچتا تھا اس مورچے کی حفاظت کے واسطے ہر وقت دو پلٹنیں اور گولہ انداز وغیرہ موجود رہا کرتے تھے اور دو دو پہر کی نوکری رہا کرتی تھی ایک دن

حسب اتفاق دن کے بارہ بجے سے نصیر آباد والی فوج نے شہر والی فوج سے کہا کہ بھائیو ذرا ہشیار رہنا رات کا سماں ہے ایسا نہ ہو کہ غنیم اگر چھاپہ مار جائے اور تم غافل ہو جاؤ۔ ان بد بختوں نے جواب دیا بھئی تم سپاہی ہو ہم سپاہی نہیں۔ غرض یہ تو وہاں سے رخصت ہوئے اور انہوں نے مورچہ سنبھال لیا اب ان کی کیفیت سنئے کہ انہوں نے نخشی خانہ اور بنک گھر کو لوٹا تھا ان کے پاس اشرفیوں کے ڈھیر تھے وہ دن بھر بھنگیں پیتے تھی اور قلاقند پیڑے لڈو اڑاتے تھے وہ جو وہاں پہنچے اول اول تو ہوشیار رہے جب پھر رات آئی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تو وہ پہلے ہی سبزی کے گھوڑوں پر سوار تھے، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ان پر اور تازیانہ ہو گئے اور طرہ طراروں کے سرور موجیں دکھانے لگے بادپایان فلک سیر پر سوار ہو کر وادی عدم کو تیار ہو گئے اور ہندوقوں کے کوت لگا کر دھوتیاں کھا کر بستر مرگ پر دراز ہو گئے۔ دوھا

بھنگ ایسی پیجئے جیسے کنج پورہ کی کینچ گھر کے جانیں مر گئے اور آپ نشہ کے بیچ

اب یہ تو خواب خرگوش میں پڑے ہوئے خراٹے لے رہے ہیں اور ادھر مخبر نے جا کر انگریزی فوج کے جرنیل کو خبر دی کہ اس وقت باغی لوگ سب بے خبر پڑے سوتے ہیں۔ مورچا سونا پڑا ہے یہ وقت شبخون مارنے کا ہے۔ وہاں سے افسران فوج دو پلٹنیں دو گورکھوں کی اور ایک پلٹن مجوی اور ایک پلٹن گورہ لے کر ننگے پاؤں پہاڑی پر سے اترے اور آہستہ آہستہ دبے پاؤں آ کر پہلے تو بندوقیں اٹھالیں پھر توپوں پر قبضہ کر کے ان خفتہ بختوں کو بیدار کیا اور کہنا شروع کیا کہ اٹھو بھائی دیندار و گورے لوگ آگئے ایک جو آنکھیں ملتا ہوا اٹھا۔ گورکھے نے کھکری مار کر سر اڑا دیا اب کھکری اور تلوار چلنی شروع ہوئی۔ ایک غل با ہو کا بلند تھا۔ جتنے مارے گئے مارے گئے۔ باقی بد حواس بھاگ کر شہر کی جانب روانہ ہوئے۔ ادھر کی کیفیت تھی کہ وہ جو نصیر آباد کی پلٹنیں پہرہ بدلوا کر ان اجل رسیدگان سے آئی تھیں بنظر احتیاط وہ شہر میں داخل ہوئی تھیں کہ شب کو دروازہ شہر کھلوانا مناسب نہیں۔ وہ کشمیری دروازے کے باہر متصل کی پٹری پر سب لیٹے ہوئے کمریں سیدھے کرتے تھے اور یہ بھاگے ناٹے ان کے پاس پہنچے انہوں نے ان کو لعنت وملامت کے بعد کہا کہ تم ہمارے پیچھے آجاؤ اور بندوقیں بھر کر خاموش لیٹ گئے اسی اثنا میں انگریزی فوج ان کا پیچھا دبائے ہوئے پہنچی کہ ان کے ساتھ ہی دروازہ کی راہ سے شہر میں داخل ہو جانا چاہئے یہ بے خبر سنگینیں باندھے چلے آتے تھے۔ جب یہ بندوق کی زد پر آپہنچے تو یک بارگی انہوں نے باڑھ ماردی اور کشمیری دروازہ

کے گولہ اندازوں نے جو یہ دیکھا کہ شہر کی ڈنڈی کے نیچے ہی لڑائی ہو رہی تھی- انہوں نے اوپر سے گراب مارا- ادھر ادھر سیاہ برج والوں نے توپیں بھر کر اندھا دھند گراب برسانے شروع کر دیئے- اس وقت یہ نوبت ہو گئی کہ خدا دے اور بندہ لے- تعاقب کنند گان کو جان بچانی مشکل ہو گئی- وہ ہی مثل ہو گئی اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے- لاش پر لاش پڑ گئی کشتوں کے پشتے لگ گئے- بھاگے الٹے پاؤں اور جا کر مورچہ پر دم لیا اور اسی زرد کوٹھی کے مورچے کی توپیں دروازہ شہر کی جانب پھر کر اندھا دھند انہوں نے فیر کرنے شروع کر دیئے رات بھر ہنگامہ بگیر و بکش گرم رہا- دونوں طرف سے توپ بندوق چلتی رہی مگر وہ مورچہ کالوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور گورے اس پر قابض ہو گئے اور باہر سے امداد پہنچ گئی آمنے سامنے کی لڑائی ہو گئی اور اس جنگ میں ایک فتنہ اور بپا ہو گیا کہ افواج انگریزی کا ایک افسر کلاں مارا گیا اور اس کی لاش وقت شب بیچ میں دونوں مورچوں کے پڑی رہ گئی- صبح کو اس لاش کے اٹھانے کی دونوں طرف سے کدوکاوش ہو رہی ہے اور باہم بندوق اور توپ خوب زور شور سے چل رہی ہے اور ادھر پوربیوں کو یہ طمع دامنگیر ہے کہ اس کے ہتھیار اور جال کرچ عمدہ اور نایاب ہیں کسی طرح یہ ہاتھ لگیں وہ لاش عین کشمیری دروازہ کے کھوکن کے سامنے ہی تھوڑے سے فاصلہ پر پڑی تھی- اس لاش پر ڈیڑھ دن تک لڑائی رہی کیونکہ وہ دونوں جانب کے گراب کی زد پر تھی- شبانہ روز برابر بندوق چلتی رہی- ہزاروں آدمیوں کا طرفین سے کشت و خون ہو گیا آخر وقت شب ایک پوربئے نے کیا حکمت کی کہ زمین میں لوٹتا لوٹتا اس کے پاس پہنچ گیا اور اس کے پاؤں میں اپنی پگڑی کا سر لا باندھ دیا اور اسی طرح لوٹتا ہوا واپس چلا آیا اور وہاں سے اس لاش کو آہستہ آہستہ کھینچ لیا- طپنچہ کی جوڑی- جال کرچ اور جو کچھ سامان وغیرہ تھا وہ سب اتار لیا اور لاش کو اسی طرح چھوڑ دیا- صبح جب اس طرف والوں نے لاش کو نہ دیکھا تو لڑائی موقوف ہوئی وہ پوربیا اس لاش کے ہتھیار لے کر قلعہ میں آیا اور ہتھیار سب کو دکھائے اور خانساماں کے مکان میں وہ لے کر آیا- احسن اللہ خان کو دکھائے کہ ان ہتھیاروں کی بابت دو دن لڑائی رہی میں نے بھی بچشم خود دیکھے تھے طپنچہ کی جوڑی تو خیر اچھی تھی مگر کرچ لاجواب تھی- اس کے قبضہ پر سنہری ملمع تھا اور تلوار کا پھل سیہ تاب دیا ہوا تھا اس کی رنگت بالکل طاؤس کی گردن کی سی تھی اور سنہری حرفوں سے کچھ لکھا ہوا تھا اور سنہری کام تھا-

سیاہ برج کا نیا مورچہ: اس لڑائی کے بعد فوج انگریزی نے یہ کام کیا کہ جو مورچہ

ان سے چھینا تھا اس کو خوب مستحکم کیا اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا اور رفتہ رفتہ شہر کی جانب مورچہ بڑھانا شروع کیا ہر روز دروازہ کے باہر جو چند قدم پر سڑک تھی وہ کابلی دروازہ سے موڑ کھا کر کشمیری دروازہ کو جاتی تھی اس سڑک سے پرے چند قدم پر ایک نشیب تھا اور نالہ تھا۔ وہاں لکڑی والے کی ٹال تھی۔ وہیں بلیاں اور چھتوں وغیرہ کی کڑیوں کا انبار پڑا رہتا تھا اور وہ بدر رو دروازے کے سیاہ برج کے مقابل میں تھی اور وہ جائے شاید برج سے دو تین قدم کے فاصلہ پر ہوگی ایک شب انگریزی فوج نے یہ کام کیا کہ اس ٹال میں آگ لگا دی اور لکڑیوں کو سلگا دیا اور اس کا دھواں اٹھنا شروع ہوا اور اس دھوئیں کی اوٹ میں مورچہ باندھنے شروع کئے۔ سیاہ برج والے حیران تھے کہ یہ دھواں اٹھا ہے اور کچھ حال نہ معلوم ہوا وہ جائے عین سیاہ برج کے نیچے گراب کی زد پر تھی۔ یہ مورچہ کیونکر باندھنے دیتے غرضکہ جب مورچہ تیار ہو گیا تو چالیس توپیں قلعہ شکن اس میں لا کر لگا دیں اور ایک بارگی ان چالیس توپ کا ایک فیر سیاہ برج پر کیا اور ان توپوں کی برابر سیاہ برج پر باڑھ جھاڑنی شروع کر دی اس وقت سیاہ برج والوں کی آنکھیں کھلیں۔ اب کیا ہو سکتا تھا ہر چند ہاتھ پاؤں مارے گراب برسائے کیا ہوتا ہے ادھر سے برابر توپ کی باڑ پڑ رہی تھی اب یہ کیفیت ہو گئی کہ جو سیاہ برج کی زدوں کی جھکیاں اور پشتے روک لئے تھے جس کی پناہ میں کھڑے ہو کر توپ لگاتے تھے وہ گرنے شروع ہو گئے اور توپوں پر گولہ پڑنے لگا اور سیاہ برج پر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا انجام یہ ہوا کہ اس کا عملہ سب کھائی میں گر گیا۔ آٹھ دن تک یہ گولہ باری شبانہ روز جاری رہی۔ آخر آٹھویں روز جب سپاہ انگریزی نے دیکھ لیا کہ سیاہ برج خالی پڑا ہے اور کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے اور سیاہ برج شکستہ پر سے اچھی طرح آدمی چڑھ سکتے ہیں تو چار گھڑی رات پچھلے سے تمام فوج انگریزی پہاڑی سے اتر کر میر حسن کے کھنڈرات میں آ گئی اور کابلی دروازہ کے اس جانب لا کر توپخانے لگا دیئے۔ اس طرف سے بھی تمام فوج باغیہ کل سوار پیدل توپ خانے لے کر مقابل ہوئی۔ یہ لاہوری دروازہ سے لگا کر کابلی دروازہ کی نہر تک تمام تیلی واڑہ کے میدان میں پھیلی ہوئی تر من تھی اور انگریزی فوج کے اور اس کے درمیان میں فقط ایک نہر حائل تھی اور برابر دونوں طرف سے بندوق کی باڑھ جھڑ رہی تھی اور پہاڑی کے مورچوں کی توپیں اور دستی توپ خانے داغ رہے تھے علی ہذا القیاس پریبوں کی طرف سے لاہوری دروازہ کے برج کی توپیں گھوڑ چڑھی اور بیل باٹری توپ خانے سب چل رہے تھے۔ گلہ گراب اور باڑوں کا دونوں

طرف سے مینہ برس رہا تھا اس دن شہر کی زمین اور مکانات اور سب دیوار در لرز رہے تھے بندوقوں کی باڑیں متصل جاری تھیں لڑائی کیا قیامت کے آثار نمودار تھے اور مصداق اذا زلزلت الارض زلزالھا کا آشکار تھا خدا جانے طرفین سے تین سو توپ چل رہی تھی یا چار سو توپ کی باڑھ جھڑ رہی تھی - اس کا علم خدا کو ہے - غرضکہ یہ کیفیت صبح کے پانچ بجے سے شروع ہوئی تھی اور دس بجے تک یہ قیامت برپا رہی - آٹھ بجے دن کے میں پانچ چھ آدمی لے کر قلعہ کو جانے لگا تو دیکھا کہ کوچہ بندی کے پھاٹک سب بند ہیں - دروازوں کو قفل لگے ہوئے ہیں مگر کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں میں چھوٹے دریبے کے پھاٹک سے باہر نکل کر چلنے لگا تو دیکھا دو چار آدمی ادھر سے واپس آتے ہیں ان میں ایک بادشاہی دربان بھی ہے اس نے مجھ سے پوچھا کہاں جاتے ہو - میں نے کہا قلعہ کو - اس نے مجھے منع کیا کہ نہ جاؤ قلعہ کا دروازہ بند ہے میں واپس آیا ہوں - اس وقت بازار کی سب دکانیں بند تھیں اور ایک دو آدمی چلتے پھرتے تھے میرے جی میں آئی کہ تم تو چل کر دیکھو کیا معاملہ ہے جب قریب دروازہ پہنچا دیکھا دروازہ بند ہے اور قفل لگا ہوا ہے اور دروازہ کے سامنے ایک توپ لگی ہوئی ہے کچھ آدمی دروازہ کے پیچھے کھڑے ہوئے ہیں اور دروازہ کے اوپر ایک حوالدار کھڑا ہوا لڑائی کا حال بیان کر رہا ہے اور لوگ سن رہے ہیں - اسی اثناء میں ایک رجمنٹ سواروں کی قلعہ کی جانب سے آئی اور انہوں نے دروازے والوں سے کہا کہ تم دروازہ کھول دو - ہم باہر جائیں - دروازہ والوں نے دروازہ نہ کھولا اور حوالدار نے ادھر سے بیان کیا کہ تم لوگ کشمیری دروازہ کو جاؤ - ادھر کی طرف غلبہ بہت ہے اور ایلو وہ تمہارے ہاں کے سواروں نے دھاوا کر دیا مٹھائی کے پل پر سے اس جانب چلے جا رہے ہیں اور انگریزی سپاہ کشمیری دروازہ کی طرف دوڑی جا رہی تھی تو ان سواروں نے لاہوری دروازہ کی ڈنڈی کے پیچھے پیچھے جو راستہ کابلی دروازہ کو جاتا تھا ادھر کو گھوڑے دوڑا دیئے میں نے اپنے گھر کا رخ کیا جب میں بھوانی شنکر کے چھتے کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ پوربئے بے تحاشا بھوانی شنکر کے چھتے میں سے بھاگے چلے آتے ہیں اس وقت بہت سے آدمی بازار میں تھے - انہوں نے ان کو روکا کہ ہیں تم ہم کو لڑوا کر کہاں جاتے ہو تو انہوں نے بندوقیں اور توش دان پھینک کر جواب دیا کہ بھین ہمو تو لڑ چکے اب تم ہی لڑو اور بندوقیں چھوڑ کر بھاگ گئے جب یہ حال لوگوں نے دیکھا تو سب اپنے اپنے گھر کو روانہ ہوئے میں قدم اٹھا کر بلی ماروں کے پھاٹک پر پہنچا تو دروازہ بند پایا -- دوڑ کر چھوٹے دریبے کے پھاٹک

تک پہنچا- بارے وہ دروازہ بند تھا اور کھڑکی کھلی ہوئی تھی- اس وقت ایک تماشا اور نظر آیا-
جب میں کھڑکی کے پاس پہنچا ہوں تو سامنے کو توالی کے آگے سے ایک بندوقوں کی باڑھ مجھ پر
پڑی اور گولیاں آکر سڑک کی نالیوں کے پتھروں پر چٹخیں جس طرح زمین پر اولے گرتے ہیں
میں نے سامنے دیکھا تو انگریزی فوج کا ایک بزن کو توالی کے آگے موجود کھڑا تھا- میرے
ہمراہیوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ میرے گولی لگی ہے میں نے کہا کہ آؤ چلے آؤ- گھر
چل کر دیکھیں گے اور جلدی سے کھڑکی میں داخل ہو کر اس شخص کو کھینچ کر کھڑکی کے اندر
لے لیا- سب ہمراہی جب اندر آگئے تو کھڑکی بند کر دی اور قدم اٹھا کر گھر کا راستہ لیا اور بھاگ
کر گھر پر پہنچا- وہاں جا کر اس سے دریافت کیا کہ تیرے گولی کہاں لگی ہے- اس نے جواب دیا
کہ شکم میں اور اپنی کمر کھولی تو کھٹ سے گولی تخت پر گری اس کو اٹھا کر دیکھا تو لبی اور پیچھے سے
خالی چھالیا کی ڈلی کی صورت کی تھی- اس شخص کے گلے میں ایک چار انگل لمبا چوڑا چمڑا تھا
چمڑے کو جلایا نیچے کا موم جامہ پھونکا اور تعویذ کے کاغذ پر جا کر رک گئی- اس کے پیٹ پر
بالشت بھر چوڑا چکلا گول سرخ نشان پڑ گیا تھا اب میں اپنے دیوان خانہ کے اندر اس فکر میں
مشوش بیٹھا ہوں کہ تو نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ انگریزوں کی فوج شہر میں داخل ہو گئی اور
پور یے شہر میں سے بھاگ گئے اب سپاہ انگریزی گھروں میں آکر قتل و قمع کرے گی- قضا
آپہنچی دیکھئے کیا ہوتا ہے مگر میں نے ابھی گھر میں اپنی والدہ سے یہ خبر بیان نہیں کی کہ گھر
والے مضطرب ہوں گے- بیٹھا ہو اللہ اللہ کر رہا ہوں- ایک ڈیڑھ گھڑی کا عرصہ گزرا ہے
کہ یکایک توپ کی صدا میرے کان میں آئی اور اتنی قریب معلوم ہوئی گویا اس محلہ میں چل
رہی ہے- تھوڑی دیر کے بعد ایک اور آواز آئی- جب تو مجھے حیرت ہوئی کہ محلے میں توپ
کہاں سے آگئی پھر میں دو تین آدمیوں کو ہمراہ لے کر گھر سے باہر نکلا محلے میں جو شاہراہ تھی
وہاں پہنچا تو دیکھا کہ آدمیوں کی آمد و رفت برابر ہے آنے جانے والوں سے پوچھا کہ بھئی کیا
ہوا- انگریزی فوج کہاں گئی انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے ان کو مار کر بھگا دیا اور شہر میں بلوہ
ہو گیا پھر میں وہاں سے پادڑی کے بازار میں جا پہنچا تو دیکھا واقعی ہزاروں آدمی- لاٹھی پونگا
تلوار- گنڈاسا وغیرہ لئے ہوئے شہر میں پھرتے ہیں- غرضکہ جامع مسجد کے نیچے ہو کر
گلیوں کے بازار میں پہنچا- تو وہاں عجیب تماشا نظر آیا- لاشوں کا ایک ایسا انبار تھا جیسے لکڑیوں کی
ٹال لگی ہوتی ہے اور یہ وہ موقع ہے جہاں ایک بار مجھے ایک مست درویش مجذوب نے نشان

دہی کی تھی کہ اس جگہ کشت و خون ہوگا اور چار مہینے پہلے زمانہ غدر سے ان بزرگوار نے یہ پیشن گوئی کی تھی۔ اب سنیے میں وہاں سے آگے بڑھا تو چند قدم پر اور لاشیں پڑی ہوئی نظر آئیں۔ بازار کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ ماجرا کیونکر ہوا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ ایک بزن انگریزی فوج کا مسجد کی سیڑھیوں تک آپہنچا تھا اور کچھ لوگ فوج کے رعایا کے گھروں میں گھس کر لوٹ مار کرنے لگے ادھر فوجیوں نے یہ چاہا کہ جامع مسجد میں داخل ہو جائیں مسجد میں جو مسلمان مسافر جمع تھے انہوں نے دیکھا کہ اب یہ خدا کے گھر میں آکر کشت و خون کریں گے۔ آؤ بہتر تو یہ ہے کہ مسجد سے نیچے اتر کران سے سمجھ لیں یہ کہ کروہ مسجد کے دروازہ سے باہر نکل کر سیڑھیوں پر سے اترنے لگے۔ فوج والوں نے ان پر بندوقیں سر کیں۔ مگر جو زندہ رہے وہ سامنے چلے اور باہم جنگ مغلوبہ دست بدست ہونے لگی۔ ایک غل شور برپا اور بلوہ ہو گیا۔ لوگ گھروں میں سے لکڑیاں پلنگ کی پٹیاں تلواریں لے لے کر دوڑ پڑے اس بزن میں سے کچھ مارے گئے جن کی لاشیں موجود ہیں اور باقی بھاگ کر اپنے لشکر کو چلے گئے میں یہ تماشا دیکھتا ہوا بڑے دریبے میں ہو کر خونی دروازہ سے نکل کر کوتوالی کے آگے پہنچا میں نے جامع مسجد سے اگا کر کوتوالی تک لاشیں برابر پڑی دیکھیں اور جس جائے سے کہ پہلے مجھ پر بندوقوں کی باڑ پڑی تھی کئی لاشیں وہاں بھی نظر آئیں اور ایک مین کی تھیلی گراب کی کوتوالی کے حوض کے آگے پڑی دیکھی وہاں سے آگے بڑھ کر جب میں چھوٹے دریبے کے پھاٹک پر پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا کہ پیپل کے پیڑ کے نیچے ایک توپ کھڑی ہوئی ہے اور کوئی گولہ انداز وغیرہ وہاں نہیں اس وقت مجھ کو یقین ہوا کہ یہ توپ وہی ہے جس کی صدا تیرے کان میں پہنچی تھی حسب تحقیق واضح ہوا کہ کچھ آدمی اس توپ کو لاہوری دروازہ سے کھینچ کر لائے اور یہاں قائم کر کے انہوں نے انگریزی فوج پر گراب مارا اور اس سے افواج انگریزی کو جو کوتوالی کے آگے کھڑی تھی نقصان پہنچا۔ کچھ آدمی زخمی ہوئے اور کچھ ہلاک جب دوبارہ گراب مارا ہے اور اس سے زیادہ نفوس تلف ہونے لگے تو ان لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے ادھر والے کشمیری دروازہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں نے جب یہ کیفیت ملاحظہ کر لی تو چھوٹے دریبے میں ہو کر اپنے مکان کو چلا آیا۔ سنا جاتا ہے کہ پل والے لوگوں نے کشمیری دروازہ اور کچھری میں جاکر پناہ لی۔ شام تک مردمان بلوائی تمام شہر میں بلسمہ حامد علی خاں کی کوٹھی تک پہنچ گئے تھے۔ آگے افواج انگریزی نے توپیں لگا رکھی تھیں۔ یہ جن کے پاس توپ کیا بندوق

تک نہیں آگے کیونکر جا سکتے تھے- غرض شہر میں شام تک یہ آتش فتنہ وفساد مشتعل رہی- شام بھگی بھگائی خلقت اپنے اپنے گھروں میں آکر پڑ رہی- آدھی رات کے وقت سپاہ انگریزی نے یکایک کشت وخون کرنا شروع کیا اور سوتے آدمیوں کو گھروں میں گھس کر اور سیڑھیوں کے ذریعہ کوٹھوں پر چڑھ کر ہلاک کرنے لگے صبح کے وقت کشمیری دروازہ کے قرب وجوار اور بدرد دروازہ اور کابلی دروازہ وغیرہ کی خلقت اور سبحان کے پھاٹک کے لوگ بھاگ کر شہر کے اس جانب چلے آئے-

بادشاہ ہمایوں کے مقبرے میں :- اور مفصل کیفیت داخلہ سپاہ انگریزی کی اس طور پر ہے کہ جس وقت اس حوالدار نے جو لاہوری دروازہ پر کھڑا ہوا بتا رہا تھا کہ انگریزی فوج کشمیری دروازہ کی طرف بڑھی ہے تو دراصل اس وقت فوج نے یورش کی تھی اور سیاہ برج کو خالی پاکر کہ وہاں کوئی آدمی نہ تھا کہ اس یورش کو روکتا یہ کھائی میں سے اتر کر سیاہ برج پر سیڑھی لگا کر چڑھ گئے- جب سیاہ برج پر چڑھ گئے ہیں تو جانبین کی ڈنڈی پر جو پوربیوں کی فوج کھڑی تھی وہ وہاں سے کود کود کر بھاگ نکلی اور کابلی دروازہ سے لگا کے کشمیری دروازہ اور نگم بودھ گھاٹ تک سب میدان اور شہر پناہ کا ڈنڈا خالی ہو گیا- حتی کہ لاہوری دروازہ تک کے ڈنڈے والے اور برج کے گولہ انداز ڈنڈی پر سے اتر کر فرار ہو گئے اور باہر شہر کے جس قدر کالوں کی فوج تھی سب باہر کی باہر رہ گئی اور باقی شہر کے ڈنڈے والے بھی بھاگ کر شہر کے باہر کی فوج میں جا ملے اور انگریزی فوج شہر میں داخل ہو گئی- باہر والے باہر رہ گئے اب شہر میں سوائے رعیت کے پوربیا نام کو نہ رہا- سب فوجی اجمیری دروازہ شہر سے لگا کر دلی دروازہ کے باہر تک جا پڑے اور تمام میدان پہاڑ گنج سے لے کر جیل خانے والے دروازہ تک جا کر گھیر لیا اب شہر میں دن کو تو شہر کے آدمی پھرتے چلتے ہیں اور مارنے مرنے پر آمادہ ہیں اور شب کو سپاہ انگریزی نکل کر گھروں میں قتل کر جاتی ہے- اب شہر کی یہ کیفیت ہے کہ دوکانیں سب بند اور رسد آنی بند- دانہ پانی خلقت پر حرام لگے بھوکے پیاسے مرنے تین روز تک یہی کیفیت رہی- آخر تیسرے روز شام کے وقت بادشاہ قلعہ سے نکل کر ہمایوں کے مقبرہ پر پہنچے اور رعیت بھی سراسیمہ حیران و پریشان ہو کر شب کے وقت سب گھر بار اثاث البیت جوں کا توں گھروں میں چھوڑ کر اپنے بال بچوں عورت وغیرہ کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر شہر سے نکلنی شروع ہو گئی- غرضکہ اس وقت وہ قیامت عظیم برپا ہوئی کہ بیان نہیں ہو سکتی-

نکلنا شہر سے خلقت کا بے سرو ساماں		وہ جانا پردہ نشینوں کا باسر عریاں
وہ چاک چاک گریباں لگا کے تا داماں		وہ دار و گیر سپاہ شریر و بے ایماں
دراز دست تطاول ستم شعاروں کا!
فلک کو یاس سے تکنا جفا کے ماروں کا

نکلتے شہر سے ہیں پر نکل نہیں سکتے		ہزار چال سے چلتے ہیں چل نہیں سکتے
کروڑ شکل کو بدلیں بدل نہیں سکتے		قدم قدم پہ ہے لغزش سنبھل نہیں سکتے
کمند موت نے کیا بند بند جکڑے ہیں
زمین شہر نے اک اک کے پاؤں پکڑے ہیں

غرض کہ اس وقت خلقت کا اضطراب اور خرابی پریشانی اور بے سرو سامانی اور مستورات پردہ نشین جنھوں نے عمر بھر کبھی ایک قدم باہر نہیں رکھا تھا ان کا گھبراہٹ میں سروپا برہنہ نکلنا اور بچوں کی واویلا کا شور اور گھبراہٹ کا حال دیکھنے سے کلیجے کے ٹکڑے ہوئے جاتے تھے۔ جس شخص کی نظر سے وہ معرکہ گزرا ہے پچھ وہی خوب جانتا ہے۔

یہ وہ الم ہے کہ اس غم سے سب ہلاک ہوئے		لگا کے چرخ سے پیکین تا سماک ہوئے
ہلاک گور میں آسودگان خاک ہوئے		کفن بھی ساتھ گریباں کے چاک ہوئے
نہ روز حشر سے کم تھی عذاب کی صورت
خدا دکھائے نہ اس انقلاب کی صورت

شہر خالی ہونے کا - غرضکہ جس شام کو بادشاہ قلعہ سے نکل کر ہمایوں کے مقبرہ پہنچے ہیں چار گھڑی رات گئے نواب حامد علی خاں صاحب کا آدمی میرے والد کے پاس آیا اور اس نے آکر کہا کہ آپ گھر میں کیا بے فکر بیٹھے ہیں بادشاہ تو قلعہ سے سوار ہو گئے اور رعیت سب نکل رہی ہے۔ خدا کے لئے چھوڑو گھر بار کو اور بال بچوں کو لے کر شہر سے نکلو۔ دیکھتے نہیں کہ شہر قتل ہو رہا ہے اور میں تو اب اہل و عیال کو ہمراہ لے کر شہر سے نکلتا ہوں میرے گھر کی سواریوں کے ہمراہ مستورات کو سوار کر دو۔ نواب حامد علی خاں صاحب کا مکان کشمیری دروازہ کے متصل تھا۔ مگر وہ ایک مہینہ پیشتر ہمارے محلہ میں ایک مکان کرایہ پر لے کر رہے تھے۔ غرضکہ اس گھبراہٹ اور اضطراب میں جو لباس کہ جس شخص کے بدن پر تھا اسی طرح پہنے ہوئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ میری والدہ نے تو اس سراسیمگی میں

گھر میں سے ایک چھلہ تک نہ لیا۔ اِلّا میری اہل خانہ نے یہ کام کر رکھا تھا کہ اپنے جہیز کے جوڑے جو قریب ڈیڑھ ہزار کی مالیت کے ہوں گے اور زیور کی چھوٹی سی پٹاری علاوہ اس کے سوار ہوتے وقت اپنے پاس رکھ لی۔ اس کی صورت یہ کی تھی کہ ایک توشک سی کر اس میں بھر دئے اور ایک گاؤ تکیہ سی لیا تھا اس میں وہ لباس تھا وہ رتھ میں توشک بچھا دی اور تکیہ رکھ دیا۔ غرضکہ میں اور میرے والد اور میری والدہ اور میرے سب چھوٹے بہن بھائی اور نواب حامد علی خاں کی سب زنانی سواریاں سوار ہو کر ٹمیا محل میرے سسرال میں پہنچے اور وہاں جا کر میری دو یا خوشدامن یعنی بڑی بیگم صاحبہ جاگیر دار مواضعات صدر پور رئیس پور سے جا کر نواب حامد علی خاں صاحب کی بیوی اور میری والدہ نے کہا بیگم صاحبہ بیٹھی کیا ہو جلدی سوار ہو اور اپنے بال بچوں کو لے کر نکلو۔ یہ وقت گھر میں بیٹھنے کا نہیں ہے۔ ہم تم کو سوار کرانے کو آئے ہیں۔ غرضکہ وہ بھی راضی ہو گئیں اور باہر میں نے خسر نواب امیر مرزا خاں صاحب کی منتیں کی کہ خدا کے واسطے آپ ہمارے ساتھ نکل چلئے بہر حال اسی وقت سواریوں کا بندوبست کر کے قریب ایک بجے رات کے میری خوشدامن اور سب بال بچے سوار ہو کر ٹمیا محل کے پھاٹک پر پہنچے میرے خسر کی گود میں میرا چھوٹا سالا کاظم مرزا تھا میں اور وہ ہاتھ میں ہاتھ دئے ہوئے باتیں کرتے ٹمیا محل کے دروازہ میں پہنچے کہ ایک بلائے ناگہانی کا سامنا ہوا۔ ٹمیا محل کے عین دروازہ کے پہلو کی چوکی پر کلو نامی ایک دیوانی مجذوبہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس بدبخت نے جو میرے خسر کی شکل دیکھی تو یکایک گھبرا کر بہ آواز بلند پکار اٹھی کہ ہیں میاں امیر مرزا تم کہاں جاتے ہو۔ تمہارے واسطے تو خدا کا حکم نہیں ہے تم کیا بھول گئے۔ وہاں اس کے منہ سے تو یہ بات نکلی تھی اور یہاں امیر میرزا صاحب کے قدم زمین نے پکڑ لئے اور کلو سے کہا کہ بلاشک مجھ سے سہو ہوا۔ اسی وقت گاڑی بان کو حکم ہوا کہ سواریاں گھر کو واپس لے چل۔ ہر چند میں نے قدموں پر سر رکھا اور سب ہمراہیوں نے منتیں کیں مگر ایک کی نہ سنی سب نے سمجھایا کہ خدا کے لئے اس پچاس آدمی کے کنبے پر رحم کرو اور ساتھ چلے چلو وہ یہی فرمانے لگے کہ حکم خدا نہیں ہے۔ اس وقت اور ایک غضب یہ ہوا کہ میاں ناصر الدین صاحب ان کے چھوٹے خالہ زاد بھائی پہنچے انہوں نے جا کر کہا کہ بھائی صاحب اٹھئے چلئے۔ چلو میرے گھر میں جو تین یورپین عورتیں چھپی ہوئی ہیں وہ کہتی ہیں کہ وہ کیوں جاتے ہیں۔ ان کو کیا خوف و خطر ہے۔ ہم انگریزوں سے کہہ سنکر تمہارے گھر کو بچا لیں گے۔ یہ اور ان کو تقویت ہو گئی اور

مجھ سے کہا کہ بیٹا تم جاؤ میرا قدم آگے نہیں اٹھتا- غرضکہ مجبور میں تو اپنے یہاں کی سواریوں کو لے کر روانہ ہوا اور وہ معہ اہل و عیال گھر کو واپس چلے گئے میں نے اپنی ماں بہنوں اور نواب حامد علی خان صاحب کے قبائل کو دہلی دروازہ اپنی حقیقی نانی کے مکان پر پہنچایا اس وقت رات کے دو بج چکے تھے وہاں اور کنبہ والے بھی جمع تھے- حکیم مومن علی خاں صاحب کی حویلی میں دو سو زن و مرد فراہم تھے-

غرضکہ صبح ہوئی اور شہر سے نکلنے کی تیاری ہوئی تو میری بی بی میرے ہمراہ نہ آئی تھی- وہ اپنے ماں باپ کے ہمراہ واپس چلی گئی تھیں- میں نے اپنے چھوٹے بھائی امراؤ مرزا کو بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ کو میرے ساتھ کرنا ہے تو میرے ساتھ کر دیجئے جو میرا حال ہو وہ میری بیوی کا حال اور اگر اپنے ہمراہ رکھنا ہے تو فی امان اللہ مجھ سے اب عمر بھر کی مفارقت سمجھئے- یہ بات میرے بھائی نے جا کر میرے خسر سے بیان کی انہوں نے سنتے ہی گھر میں حکم دیا کہ یہ اب اس کی ناموس ہے اسے اختیار ہے جہاں چاہے لے جائے- ہمارا کچھ واسطہ نہیں- ہر چند مستورات منع کرتی رہیں- مگر میرا بھائی میری بیوی کو ڈولی میں سوار کرا کر لے آیا اور اب وہاں سے سب کے سب سوار اور پیدل مستورات اور بچے نکل کر دلی دروازہ کے باہر ہوئے تو اس وقت دلی دروازہ کا میدان صحرائے قیامت نظر آتا تھا- ہزارہا پردہ نشین عورتیں اور ننھے ننھے بچے اور بوڑھے اور جوان مرد ہوش و حواس باختہ شہر سے نکلے چلے آتے تھے- کسی کو ہوش پردے کا نہ تھا- بہت سی نیک بختیں مقنع و چادر جو کپڑا سر پر تھا وہ اوڑھے ہوئے برہنہ پا چلی جاتی تھیں-

گلوں سے جسموں پہ اک مردنی سی چھائی تھی   وہ مہ سے چہروں پہ گویا چھٹی ہوائی تھی
غضب وہ پردہ نشینوں کی بے ردائی تھی   غرضکہ آنے سے پہلے قیامت آئی تھی

بیان کیجئے نصیبوں کی کیا برائی کا
وہ دشت اور وہ پھرنا برہنہ پائی کا

غرضکہ بہزار مصیبت و مشقت افتاں و خیزاں ہمارا دو سو تین سو آدمیوں کا قافلہ برف خانے میں پہنچا- نواب حامد علی خاں صاحب نے تمام برف خانہ کو مالکان مکان سے کرایہ پر لے رکھا تھا- شب کو بے آب و دانہ سب نے بسر کی- صبح کو فکر ہوا کہ آب و دانہ کی فکر کیجئے- میں نے اپنی بی بی سے پوچھا کہ کچھ زیور وغیرہ تم اپنے ساتھ لے کر نکلی ہو- انہوں نے

جواب دیا کہ سوائے خدا کے نام کے کچھ پاس نہیں جو کچھ پارچے وزیور گھر سے ہمراہ لے کر اپنی دادی کے گھر میں لے کر آئی تھی اسے دیکھ کر میری دادی صاحبہ نے فرمایا تماری احمق بیوقوف لڑکی یہ کیا غضب کرتی ہے یہ مال اسباب جان کا دشمن ہے۔ شہر کے باہر نکلی اور لٹیرے لوٹ لیں گے۔ تیرا خاوند مارا جائے گا۔ پھینک اس کو۔" جان کا صدقہ مال"۔ یہ کہہ کر انہوں نے میرے سامان کو لے کر ایک مکان محفوظ میں جہاں پانچ چار لاکھ روپیہ اور سامان وزیور وغیرہ اپنے گھر کا اور کئی امیروں کا رکھا ہوا تھا رکھوا دیا۔ اور فی الحقیقت وہ جائے ایسی تھی جہاں بغیر رازدار کے کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا۔

جب یہ بات میں نے سنی تو مجھے نہایت یاس اور رفکر ہوا اب کیا کیجئے۔ سوچتے سوچتے ایک بات خیال میں آئی اور میں نے گھر والوں سے کہا کہ تم جلدی کرو میں بندوبست کر کے لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں برف خانہ سے نکل کر روانہ ہوا اور جھپٹا ہوا اجمیری دروازہ سے شہر میں داخل ہو کر اپنے مکان پر پہنچا اور چھپر کھٹ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اسکے پتر نوچنے شروع کیے۔ پائے اس کے بہت چوڑے تھے اس کے کھپر اوتارے اوپر پایوں کے سرلوح سے اور نیچے سے پایوں کے دامن نوچ لیے۔ مگر بیچ کے لٹو باقی رہ گئے۔ وہ گھبراہٹ میں اکھڑ نہ سکے۔ علی ہذا القیاس اس کی چاروں چوبیں جن کی چاندی میں لاکھ پیوستہ تھی نہ اکھڑ سکیں۔ من کل الوجوہ ڈیڑھ پونے دو سیر چاندی کے قریب نوچ کر چادرے میں باندھی پھر کوٹھڑی میں داخل ہوا تو ایک گٹھڑی جس میں پانچ چار دوشالے اور دوشالی رومال اور دوانگرکھے بانات کے کنارہ دار تھے مجھے نظر پڑی وہ گٹھڑی بغل میں ماری اور وہ چاندی کمر سے باندھ کر گھر سے نکلا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ میرے ایک عزیز نابینا اور ان کی زوجہ اور ایک عورت ڈیوڑھی میں کھڑی تھیں۔ میں نے کہا آپ کہاں؟ بولے میں تو تمہاری پناہ لینے آیا ہوں تم کہاں چلے۔ میں نے حال بیان کیا اور کہا کہ آپ بھی چلئے۔ انہوں نے عذر کیا کہ میں نابینا ہوں کہاں جاؤں گا۔ مجھے تو یہیں رہنے دو۔ غرضکہ میں نے ان کو سب سامان کھانے پینے کا بتا دیا کہ آپ کو دو تین ماہ کے لئے کافی ہے۔ اور وہ گٹھڑی لے کر گھر سے نکلا۔ جب محلہ کے تراہے پر پہنچا تو اس وقت ایک تو گٹھری کا بوجھ معلوم ہوا۔ دوسرے خیال آیا یہ گٹھری تجھ کو برف خانے تک لے کر کون پہنچنے دے گا۔ راستہ میں یہ بھی لٹ جائے گی اور اس کے ساتھ چاندی بھی۔ کیونکہ ان دونوں گوجر لٹیروں اور گنوار میواتیوں کا یہ زور شور تھا کہ شہر کے باہر قدم رکھا اور لٹیروں نے مار ٹھ

اور گنڈاسوں کے گرادیا اور جو کچھ پاس ہوا وہ چھین لیتے کہ بدن کے کپڑے تک وہ مادر بخطانہ چھوڑتے تھے۔ جی میں آئی کہ اسے واپس گھر میں پھینکتا چل کہ سامنے سے ایک دوست جوہری کلومل کہ اسی جا کہ باشندے تھے دکھائی دیے میں نے ان سے کہا کہ بھائی یہ تم اپنے گھر لے جاؤ۔ اگر لوٹ مار سے بچ جائیں گے تو میں لے لوں گا ورنہ جوتی کے صدقے سے۔ انہوں نے بہت عذر کیا کہ میں نہیں لیتا مگر میں ان کے ساتھ قدم بڑھائے ہوئے اجمیری دروازہ پر پہنچا۔ اس وقت تک خلقت شہر کی نکل رہی تھی اور تمام پہاڑ گنج اور جے سنگھ پورہ وغیرہ میں دلی دروازہ تک جنگل آدمیوں سے پٹا پڑا ہوا تھا۔ غرضکہ میں بخوبی تمام برف خانہ میں پہنچا اور وہ چاندی اپنے مکان میں لے جا کر دی اور تین تولہ چاندی لے کر پہاڑ گنج کے ایک بنیے کی دوکان پر پہنچا اور اس سے کہا اس کا مجھے سامان تول دے اس نے کہا بارہ آنے دوں گا۔ غرضکہ بارہ آنے کو دے کر چار آنے کے پیسے نقد لایا اور باقی کھچڑی لا کر پکنے کو دی اور مٹی کے برتن لایا اور پانی میرا بھائی کنوئیں پر سے بھر لایا کہ وہ کھچڑی پکی اور سب نے کھائی۔ اس روز تک دروازے شہر کے کھلے تھے۔ اسکے دوسرے روز شہر کے سب دروازے بند ہو گئے۔ جو لوگ شہر سے نکلے تھے وہ باہر رہ گئے اور اندر والے اندر۔ اور اکا دکا بندوق کی آواز آنے لگی۔ اب مجھ کو فکر دامنگیر ہوا کہ میرے خسر اور ان کے تمام بال بچے اور میری بہن اور بہنوئی اور عزیز و اقارب سب شہر کے اندر رہ گئے ہیں نہیں معلوم ان پر کیا مصیبت گزری ہو گی۔ خیر وہ دن رات تو گزری۔

باغی فوج بھی چلی گئی:۔ اب دوسرے روز کی حقیقت سنئے کہ وہ جو فوج باغیہ بیرون شہر افتادہ تھی انہوں نے نو بجے دن کے پہلے تو اپنا میگزین اڑایا اور عین سورج گہن میں اپنا ڈنڈا ڈیرا اٹھا کر وہاں سے کوچ کیا اور اثناء راہ میں افسران فوج مل کر بادشاہ کے پاس گئے کہ حضور ہمارے ساتھ تشریف لے چلئے۔ یہاں لڑائی بگڑ گئی ہے۔ دوسری جائے چل کر قبضہ کر کے لڑیں گے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں چلتا۔ تم کو میرا گھر برباد کرنا تھا اور میری رعیت کو تباہ کرنا تھا کر چلے۔ جو کچھ میری تقدیر میں لکھا تھا وہ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے اور ہو گا جاؤ جہاں تمہارا سینگ سمائے۔ ہر چند انہوں نے کہا مگر بادشاہ نے ان کا ساتھ نہ دیا اور وہ کوچ کر گئے۔

☆

بادشاہ کو حراست میں لے لیا گیا:-

ایک دن بعد دلی دروازہ کھلا اور سانڈرس صاحب نے بیان کیا کہ حضور کے اقبال سے افواج باغیہ نمک حرام کو شہر میں سے خارج کر دیا گیا اور وہ نمک حرام اپنی سزائے اعمال کو پہنچے اب شہر خالی پڑا ہے- حضور تشریف لے چلیں کہ رعیت آباد ہو- بادشاہ نے فرمایا کہ میں اب شہر میں چل کر کیا کروں گا- شہر سے مجھے کیا مطلب- اپنے دادا کے مزار پر آپڑا ہوں- یہیں بیٹھا رہنے دو- جو سلوک تم کو میرے ساتھ کرنا ہے وہ یہیں پورا کر دو- وہاں لے جا کر کیوں میری مٹی ذلیل کرتے ہو- میں تمہارے ارادہ سے آگاہ ہوں-[1] مولوی رجب علی خاں بولے آپ ایسا ہرگز خیال نہ فرماویں تشریف لے چلیں اور بیگم صاحبہ نواب زینت محل بھی تشریف لے چلیں- غرض اس وقت انکار پیش کیا جا سکتا تھا- ناچار تن بتقدیر بادشاہ نے

---

[1] ارسطو جاہ حکیم مولوی سید رجب علی خاں بہادر جگراؤں (ضلع لودھیانہ) کے سادات سے تھے- گورنر جنرل کے میر منشی تھے- پنشن پا کر جگراؤں میں خانہ نشین ہو گئے وہاں ان کی جائداد تھی اور ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں بہت سی قلمی کتابیں تھیں خود بھی کئی کتابوں کے مصنف تھے- فن طبابت میں بہت مہارت رکھتے تھے- ان کے بیٹے حکیم مولوی سید مقرب علی بھی بہت بڑے طبیب تھے- لودھیانہ میں ان کی ایک بیٹی تھی جس کے شوہر سید سجاد حسین کچہری میں ملازم تھے اور ہمارے ہی محلے میں رہتے تھے- سید مقرب علی ان کے یہاں اکثر آیا کرتے تھے- میرے نانا مرحوم نے مولوی سید رجب علی سے عربی پڑھی تھی- غدر کے اکثر اوقات ان کی زبانی روایت کیا کرتے تھے- ان واقعات کی جو میرے نانا مرحوم مولوی سید رجب علی کی زبانی روایت کرتے تھے زیر نظر کتاب سے تصدیق ہوتی ہے- مقبرہ ہمایوں کے واقعہ کے بعد مسلمانوں کو مولوی رجب علی اور ان کے خاندان سے عقیدت کم ہو گئی تھی- تاہم مولوی رجب علی نے تلافی مافات کے طور پر دہلی کے ستم رسیدہ لوگوں کی حتی الامکان امداد کی جیسا کہ اسی کتاب سے ثابت ہے کہ وہ مصنف کتاب کے بھائی امراؤ مرزا انور کو جگراؤں لے گئے اور ان سے اپنے کتب خانے میں کتابت کرانے لگے- مولوی محمد حسین آزاد مرحوم نے بھی پہلے پہل جگراؤں میں انہیں کے یہاں پناہ لی تھی- مولوی رجب علی کے خاندان میں علمی و ادبی ذوق ہمیشہ رہا- مجھے بھی ان کے خاندان کے اکثر افراد سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے- (نظیر)

فرمایا بسم اللہ اور ہوادار میں سوار ہو کر ہمراہ ہوئے زینت محل بھی پالکی میں سوار ہو گئیں۔ شاید چھوٹے صاحبزادے جواں بخت اور شاہ بھی ہمراہ تھے۔اس کی تحقیق نہیں ہوئی۔ غرض کہ جب دلی دروازہ کے باہر پہنچے ہیں تو سانڈس صاحب نے ہوادار کو ٹھہرایا اور وہ جو اجتماع ساتھ تھا ان کو روکا اور کہا بابا لوگ ابھی تم لوگوں کا شہر میں داخل ہونا مناسب نہیں فوج سرکاری تمام شہر میں پھیلی ہوئی ہے۔ مبادا دنگہ فساد ہو ابھی تم لوگ یہیں قیام کرو۔ ہم شہر کا انتظام کرلیں گے پھر بلوالیا جائے گا۔ اور چوراسی آدمی ضعیف العمر چھانٹ کر بادشاہ کی خدمت کے لئے مقرر کیے۔ اندر شہر میں لے جاکر لال کنوئیں پر زینت محل والے مکان میں رکھا۔ باقی جو اور آدمی تھے ان سے کہا کہ ہتھیار ڈال دو، ورنہ باغی تصور کیے جاؤ گے۔ اس پر سب نے ہتھیار ڈال دیے۔ پھر منادی پھیر دی گئی کہ جس کے پاس ہتھیار ہوگا سرکار کا مجرم اور باغی سمجھا جائے گا۔ تمام رعیت نے ہتھیار ڈال دیے اور دراصل رعایائے دہلی کو بمقابل حکام انگریزی ہتھیار اٹھانے سے فائدہ ہی کیا تھا اور جرات کس کو تھی۔ رعیت تو خدا سے دعائیں مانگتی تھی کہ یہ ظالم نمک حرام کہیں جلدی سے غارت ہوں کہ ہم لوگ ان ظالموں کے پنجہ سے نجات پائیں۔ اگر افواج سرکار انگریزی جب سے شہر میں چھپ چھپائے داخل ہوئے تھے یہ دست درازی اور قتل و غارت پر کمر نہ باندھتے اور حکام شہر میں داخل ہو کر رعیت کی اشک شوئی کرتے اور سب کو تسکین اور دلاسا دیتے تو بلوہ ہی کیوں ہوتا۔ رعیت تو اپنے گھروں میں دروازے بند کیے ہوئے کان دبائے بیٹھی تھی۔ بازار میں چڑیا تک نہ تھا۔ مگر جب افواج سرکاری خانم کے بازار اور گلیوں اور پائے والوں میں پہنچی ہے جو سامنے آیا مارنا شروع کیا ہے اور دو چار رعیت کے گھروں میں درانہ داخل ہوئے تو رعیت نے بخیال ننگ و ناموس کہ عزت کا صدقہ جان سمجھ کر بلوہ کیا ورنہ ہرگز بلوہ نہ ہوتا۔ مردمان رعایا خواہ افواج سرکاری کے ہمراہ ہو کر فرقہ باغیہ کے دفعیہ میں کوشش کرتے۔

تیموری شاہزادوں کا قتل:۔ المختصر جب بادشاہ کو شہر میں لے گئے ہیں اور رعیت سے ہتھیار طلب کر لئے ہیں اس کے دوسرے روز سانڈرس صاحب جمعیت سواران ہمراہ لے کر نظام الدین میں پہنچے اور میرزا الٰہی بخش شاہزادے کی نشان دہی سے تمیں شاہزادگان دہلی کو کہ ان میں بادشاہ کے بیٹے۔ پوتے۔ نواسے اور داماد تھے گرفتار کر کے لائے اور بیرون دروازہ دہلی ان کو قتل کرا کے ان کے سر کٹوا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیے۔۔۱ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہال گلشن اقبال پائمال ہوئے گل ریاض خلافت لہو میں لال ہوئے
یہ کیا کمال ہوئے اور کیا زوال ہوئے کمال کو بھی نہ پہنچے تھے جو زوال ہوئے
جو عطر گل کو نہ ملتے ملے وہ مٹی میں!
جو فرش گل پہ نہ چلتے ملے وہ مٹی میں

ے انومبر ۱۸۵۷ء میں بادشاہ پر مقدمہ چلانے کی تیاری شروع ہوئی۔ میجر ہیریٹ نے الزامات کی فہرست تیار کی اور سر جان لارنس لفٹننٹ گورنر پنجاب نے دہلی ۱۹۱۱ء تک صوبہ پنجاب میں شامل تھی) بادشاہ کا مقدمہ کمیشن کے روبرو پیش کرنے کے احکام صادر کئے۔ جن کی تصدیق حکومت ہند نے بھی کر دی۔ کمیشن کے چار ارکان تھے۔ میجر پامر۔ میجر ریمنڈ۔ میجر سایرز اور کیپٹن راتھنی۔ مقدمہ کے تفصیلی حالات بیان کرنے کے لئے تو علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ یہاں صرف اس قدر بیان کرتا ہوں کہ بادشاہ پر چار الزام لگائے گئے تھے۔ جو یہ ہیں:۔

(۱) ہندستان میں انگریزی حکومت کا پنشن خوار ہونے کے باوجود اس نے ۱۰ مئی اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان مختلف اوقات میں محمد بخت خاں صوبیدار توپ خانہ زیر نظر کتاب میں اسے جرنیل بخت خاں لکھا ہے) اور دوسرے افسروں اور سپاہیوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں غدر مچانے پر اکسایا اور حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے لئے ان کی امداد اور حوصلہ افزائی کی۔

(۲) اپنے بیٹے مرزا مغل اور دہلی و سرحد کے باشندوں کو بھی بغاوت پر آمادہ کیا۔

(۳) حکومت انگلشیہ کی رعایا ہونے کے باوجود اعلان کیا کہ میں ہندوستان کا بادشاہ ہوں اور دہلی شہر پر ناجائز طور پر قبضہ کر لیا اور اپنے بیٹے مرزا مغل بیگ اور صوبیدار توپ خانے سے انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کی۔

(۴) قلعہ دہلی کی حدود میں ۴۹ یورپی عورتوں اور بچوں کو قتل کرایا۔ مقامی راجاؤں اور مہاراجوں کو بھی ہدایات بھیجیں کہ یورپی اور مسیحی لوگوں کو قتل کیا جائے۔ یہ کار خیر ہے۔

استغاثہ نے ان الزامات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے زبانی اور دستاویزی ثبوت پیش کئے جن کی تفصیل بخوف طوالت نظر انداز کرتا ہوں۔ بادشاہ نے اپنی صفائی میں چار گواہ غلام عباس حکیم احسن اللہ کیپٹن فوریسٹ نائب معتمد توپ خانہ اور کیپٹن ڈوگلس کے ایک اردلی مسمی مکھن کو پیش کرایا۔ ان چاروں اصحاب کی شہادتوں کے لب ولہجہ سے بخوبی ظاہر ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہاں وہ خسرو عالی نظر بہادر شاہ کہاں وہ سرور نیکو سیر بہادر شاہ

کہاں وہ بادشہ داوگر بہادر شاہ کہاں وہ داور والا گہر بہادر شاہ

کہاں سے باغی بیدین آگئے ہے ہے

کہ نام ان کا جہاں سے مٹا گئے ہے ہے

نہ دیندار تھا کوئی نہ دینداری تھی ستم پرستی و جور و جفا شعاری تھی

نہ پاسداری ملت نہ مستعاری تھی پر اس کے پیروں میں فکر حرامکاری تھی

غرضکہ دین کو سمجھے تھے وہ ستمگاری

نمک حرامی و محسن کشی تھی دینداری

برائے نام ستمگار دیندار بنے جو دیندار بنے تو ستم شعار بنے

ستم شعار بنے جب توذی وقار بنے جوذی وقار بنے تو حرام کار بنے

کیا وہ ظلم کہ سر پر جہاں اٹھا مارا

خدا پرست نہ تھا ایک بھی خدا مارا

(بقیہ حاشیہ) کہ ان پر خوف وہراس طاری تھا- انہوں نے جرح میں سے بہت سوالات کے جواب میں کہا کہ ہم نے ایسا سنا لیکن خود نہیں دیکھا- استغاثہ کی طرف سے جاٹ مل وقائع نگار لفٹننٹ گورنر بختاور سنگھ، کشن سنگھ، چونی لال، گلاب، حسن عسکری بادشاہ کا سابق معتمد مکند لال وغیرہ بطور گواہ پیش ہوئے جنہوں نے بادشاہ کی مخالفت اور استغاثہ کی تائید میں بیانات دیئے- مارچ ۱۸۵۸ء میں بادشاہ نے تحریری بیان دیا جس میں بادشاہ نے اپنی بے گناہی کا اظہار کرتے ہوئے کم و بیش وہی واقعات بیان کئے جو اس کتاب میں مصنف نے درج کئے ہیں لیکن عدالت نے بادشاہ کو مجرم قرار دیتے ہوئے سزائے موت کا مستحق ٹھہرایا- سر جان لارنس لفٹنٹ گورنر نے عدالت کے فیصلہ پر ایک طویل ریویو لکھ کر فیصلہ اس سفارش کے ساتھ حکومت ہند کو بھیجا کہ بادشاہ کو جلاوطن کر دیا جائے- اور ملکہ زینت محل اور محل اور مرزا جواں بخت کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ چاہیں تو باشاہ کے ساتھ چلے جائیں یا بنگال میں نظر بند رہیں- حکومت ہند نے یہ سفارش منظور کر لی اور بہادر شاہ ظفر کو کلکتہ بھیج دیا جہاں اسے بتایا گیا کہ اس کا آخری ٹھکانا رنگون ہے- اکتوبر ۱۸۵۸ء کو شاہ ظفر، ملکہ زینت محل اور مرزا جواں بخت دہلی سے روانہ ہوئے تھے- نومبر میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پر امن شہریوں کا قتل عام :- بیرون شہر کا تو یہ حال تھا اب اندرون شہر کی حقیقت سنیے کہ ان غریبوں پر کیا مصیبت گزری جو خیال سر پرستی سرکار انگریزی یہ سمجھتے تھے کہ ہم تو رعیت سرکار ہیں انہیں تو کسی کے نیک و بد سے کچھ کام نہ تھا اور شبانہ روز نمک حرام فوج کے نکلنے کی دعا مانگتے اور سرکار انگریزی کے دل سے ہوا خواہ تھے- ہم سے سرکار کیا مزاحمت کرے گی شہر میں بیٹھے رہو کوئی دو چار دن کا شور و شغب ہے بعد امن و امان ہو جائے گا- یہ خبر ہی نہ تھی کہ آتش غضب سلطانی التہاب میں ہے اور بحر مواج سطوت قہرمانی طلاطم خیز ایسی حالت میں رحم و ترحم کا کیا کام ہے اور جوش غضب میں عدل و انصاف اور خوف خدا بالائے طاق رکھتا ہے-

چو از قومے یکے بیدانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را
مے بینی کہ گادے اور علف زار بیا لا ید ہمہ گاوان دہ را

حالت غیظ و غضب میں گناہ گار و نا کردہ گناہ سب برابر ہوتے ہیں اس وقت کون پرسان حال ہوتا ہے کہ مجرم یا غیر مجرم آٹے کے ساتھ گھن بھی پس جایا کرتا ہے- چنانچہ جو لوگ شہر میں رہ گئے تھے ان پر وہی کیفیت گزری- کر گیا ڈاڑھی والا اور پکڑا گیا موچھوں والا -پاہ انگریزی مظفر و منصور جو لوگوں کے گھروں میں لوٹ کے واسطے داخل ہوئی جو گھر خالی پایا اسے دھڑی دھڑی لوٹنا شروع کیا- اور جہاں آدمی دیکھے بیغل و غش قتل کرنا شروع کیا-

مجھے اپنے عزیز و اقارب کا خیال تھا خصوصاً سسرال کا کہ ناگہاں صبح کے وقت دیکھتا کیا ہوں کہ میرے خسر کا خدمتگار گامی چلا آتا ہے- میں نے صورت دیکھتے ہی پوچھا گامی خیر ہے اس نے دبی زبان سے کہا جی ہاں خیریت ہے- میرا ماتھا ٹھنکا خدا خیر کرے میں نے پوچھا کہ کہاں ہیں ؟ کہا شاہ مردان میں نواب نجف خاں کے مقبرہ میں کل سے آئے ہوئے ہیں تم کو ڈھونڈھتا ہوا آیا ہوں آپ کو بلایا ہے- چلیئے میں نے گھر میں جا کر بی بی سے کہا کہ تمہارے گھر والے شاہ مردان میں آگئے ہیں مجھے بلایا ہے میں جا کر خبر لاتا ہوں- غرضکہ میں ہمراہ گامی کے روانہ ہوا- جب شاہ مردان میں پہنچا ہوں اور نجف خاں کے مقبرہ میں داخل ہوا ہوں اور مستورات نے مجھے دیکھا ہے تو ایک کہرام مچ گیا- دو سو عورتیں برابر سر پیٹ رہی ہیں اور

(بقیہ حاشیہ) رنگون پہنچ گئے- ظفر نے ۱۸۶۲ء میں ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی- (نظیر)

شور نالہ و فریاد آسمان تک جاتا ہے ہیں یہ کیا غضب ہے اب مردوں میں خیال کرتا ہوں تو اور سب لڑکے بالے ہیں مگر میاں امیر میرزا اور ناصر الدین نہیں۔ غرضکہ وہ غل و شور جب فرو ہوا تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بڑی بیگم صاحبہ نے بیان کیا کہ جس دن تم ہم سے جدا ہوئے اس کے ایک دن بعد سنا گیا کہ جرنیل صاحب کا ڈیرا جامع مسجد میں ہو گیا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد پانچ چار گورے گھر میں گھس آئے اور آکر کہا ہم کو روپے دو۔ عورتیں تو کوٹھریوں میں چھپ گئیں اور مردوں نے کچھ دے کر ٹال دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اور آئے ان کو بھی کچھ دیا غرضکہ اب تار بندھ گیا ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔ میاں ناصر الدین نے کہا کہ میں جاتا ہوں جرنیل صاحب کے پاس اور بندوبست کر آتا ہوں۔ وہ دو خدمت گار کو لے کر جامع مسجد میں پہنچے وہاں جانے کیا گفتگو ہوئی کہ ایک خدمتگار آیا اور ان عورت عیسائیہ کو جن کو انہوں نے ہنگام غدر اپنے گھر میں چھپا کر رکھا تھا لے گیا اور وہ عورات سے کہہ گئیں کہ ہم ابھی آتے ہیں۔ اور میاں ناصر الدین کو اپنے ساتھ لاتے ہیں اور سرٹیفکیٹ لاتے ہیں غرضکہ وہ عورتیں بھی جامع مسجد میں پہنچیں اور خدمتگار باہر مسجد کے دروازہ پر کھڑے رہے مگر پھر نہ وہ عورتیں اور نہ میاں ناصر الدین آئے۔ اپنے خدمتگاروں نے شام کو واپس آکر حال بیان کیا۔ رات بھر سب کو تشویش رہی اور اس اثناء میں تمام محلہ کی عورات مرد ہمارے مکان میں آکر جمع ہو گئے باہر باغ میں مرد اندر دونوں حویلیوں میں عورتیں۔ دو سو آدمی زن و مرد دیکھا تھے منشی آغا جان اور ان کی تین اور عورتیں سب بیبیں تھیں۔ صبح کے وقت منشی آغا جان اور ان کا بیٹا اور یہ سب باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور میاں امیر مرزا نماز پڑھ کے اپنے شغل اشغال میں حسب معمول مشغول تھے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ضربیں لگا رہے تھے کہ ناگہاں دو گورے باغ میں آئے اور سامنے سے کہا ہم کو روپیہ دو۔ میاں امیر میرزا نے کہا کہ ہمارے پاس روپے کہاں ہیں۔ کہ ان میں سے ایک نے بندوق ماری کہ منشی آغا جان کے بیٹے کے سینہ پر لگی کہ اس نے باپ کو پکارا۔ میاں امیر مرزا نے کہا بیٹا خدا کا نام لے اس وقت باپ کو یاد نہیں کرتے۔ انہوں نے لا الہ الا اللہ کہا تھا کہ دوسرے نے گولی ماری کہ وہ ان کے سینے پر لگی انہوں نے محمد رسول اللہ کہا اور چت لیٹ گئے اور تسبیح کا ہاتھ ان کے سینے پر رہا۔ اور ان جفاکاروں نے پھر بندوقیں بھریں اور دو خدمتگاروں کو مار کر اپنا رستہ لیا۔ مٹیا محل میں ایک قیامت برپا ہو گئی۔ اس غل شور کی آواز جامع مسجد میں پہنچی۔ وہاں سے دو انگریز واویلا سن کر

آئے پوچھنے لگے کہ یہ کیا غل شور ہے- عورتوں نے بیان کیا دیکھ لو تمہاری فوج نے یہ ظلم کر رکھا ہے- ہمارے وارثوں کو بے خطاو قصور مار ڈالا- دیکھو دیکھو یہ لاشیں پڑی ہوئی ہیں- بولے ہم کو روپے دو ہم تم کو شہر سے باہر کر دیں گے سب نے کہا بہت اچھا ہم دیں گے مگر اتنا صبر کرو ہم ان لاشوں کو زمین میں دفن کر دیں- چنانچہ جلدی جلدی سب نے مل کر گڑھے کھودے اور شہیدوں کو اسی پہنے ہوئے لباس میں سپرد خاک کیا- اور انگریزوں کے ساتھ ہوئے وہ ہم کو لئے ہوئے ترکمان دروازے آئے اور جس جس کے پاس جو تھا ان کے حوالہ کیا اور انہوں نے دروازہ کھلوا کر ہم کو باہر کر دیا- غرضکہ یہ حقیقت سن کر میں برف خانہ میں آیا مگر خاموش اب اگر ان کا ذکر کرتا ہوں تو یہاں کہرام مچتا ہے اب میرے گھر میں بضد ہیں کہ تم کہو سہی چپ چپ کیوں ہو- آخر میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے- میری بی بی سمجھ گئی کہ کچھ واردات ہوئی ہے مجھے قسم دلا کر پوچھا میں نے اتنا کہا کہ جس بات کا اندیشہ تھا آخر وہی ہوا- وہ سمجھ گئی کہ میرا باپ شہید ہوا- پھر تمام عورتوں میں رونا دھونا مچ گیا- تھوڑی دیر بعد میں نے تمام کیفیت بیان کر دی-

جہاں کی تشنہ خوں تیغ آبدار ہوئی   سنان نیزہ ہر اک سینہ سے دوچار ہوئی
رسن ہر ایک بشر کے گلے کا ہار ہوئی   ہر ایک سمت سے فریاد گیرو دار ہوئی

ہر ایک دشت قضا میں کشاں کشاں پہنچا
جہاں کی خاک تھی جس جس کی وہ وہاں پہنچا

ہر ایک شہر کا پیر اور جوان قتل ہوا   ہر ایک قبیلہ و ہر خاندان قتل ہوا
ہر ایک اہل زباں خوش بیان قتل ہوا   غرض خلاصہ یہ ہے ایک جہان قتل ہوا

گھروں سے کھینچ کے کشتوں پہ کشتے ڈالے ہیں
نہ گور ہے نہ کفن ہے نہ رونے والے ہیں

غرضکہ جو لوگ شہر میں رہ گئے تھے ان میں کئی اشخاص باکمال نام آور فرد روزگار مارے گئے ہیں جو دہلی کی ناک اور یگانہ آفاق تھے جن کی نظیر آج تک پیدا نہیں ہوا- اور نہ ہو گا میاں محمد امیر پنجہ کش خوشنویس جن کا ثانی روئے زمین پر نہیں- مولوی امام بخش صہبائی اور ان کے دو بیٹے اور میر نیاز علی واقعہ خواں اور چیلوں کے کوچے کے اور بہت سے شریف

خاندانی لوگ سنا گیا ہے کہ اس محلہ کے چودہ سو آدمی گرفتار کر کے راجگھاٹ کے دروازہ سے دریا پر لے جا کر بندوقوں کی باڑیں مار دی گئیں اور لاشیں دریا میں پھنکوا دی گئیں - عورات کا یہ حال ہوا کہ گھروں میں سے نکل نکل کر بچوں سمیت کنوؤں میں جا گریں - چیلوں کے کوچہ کے تمام کنویں لاشوں سے پٹ گئے تھے - آگے میرا قلم نہیں چل سکتا - نہ مجھے اس کی تحریر کی تاب ہے جو کچھ سنا گیا ہے - واللہ اعلم بالصواب دروغ بر گردن راوی باقی اور اضلاع شہر کا یہ حال ہوا کہ عورات اور مردوں کو شہر سے نکالا گیا تو اس طرح کہ مردوں کو تو کشمیری دروازہ سے باہر کیا اور عورات کو کابلی دروازہ کی راہ سے شہر بدر کیا کہ باہمی مفارقت ہو گئی - ایک ایک کو ڈھونڈتا پھرا - غرضکہ جب زن و مرد شہر سے باہر ہو گئے تو اب مخبری کا بازار گرم ہوا اور وہی بدمعاش جو نمک حراموں کے ہمراہ ہو کر انگریزوں کو بتاتے پھرتے تھے اور شہر کو لٹواتے تھے اب سرکاری مخبری اور شہر والوں کو پھانسیاں دلوانے لگے - دو روپیہ آدمی پیچھے مخبری کا صلہ ملتا تھا -

☆

پانچواں باب

ہجرت

چنانچہ چار پانچ روز ہم کو برف خانہ میں گزرے تھے کہ میر نواب کپتان بادشاہی کو پکڑوا کے پھانسی دلادی گئی باوجودیکہ وہ میر حیدر علی داروغہ فیل خانہ انگریزی کا داماد تھا اور تمام غدر میں ہمراہ صاحبان انگریز پہاڑی رہا کرتا تھا تمام کمسریٹ کا کام اس کے سپرد تھا اور سرکار کی بہت سی خیر خواہی کی تھی اور میر نواب کپتان اس کا داماد تھا۔ اس نے بہت کچھ منت و معذرت کی مگر کچھ نہ سنی گئی اور اس خیر خواہی پر کچھ نظر نہ ہوئی۔ جب یہ واقعہ نظر سے گزرا تو سب کو اپنی اپنی جانوں کا فکر ہوا۔ نواب حامد علی خاں صاحب نے میری والدہ سے کہا کہ میں ان لڑکوں کا یہاں رہنا مناسب نہیں جانتا ہوں۔ ان کو رخصت کیجئے جہاں ان کو اپنے بچاؤ کی صورت نظر آئے چلے جائیں اور اپنی جان بچائیں یہ لوگ کسی کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ ہمارا تمہارا کیا ہے، ہم تو بوڑھے ہیں۔ ہم تم اہل و عیال کو سنبھالیں گے اور یہ روانہ ہو جائیں۔ یہ امر مجھے پہلے ہی مرکوز خاطر تھا۔ میں نے والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کی کہ بلاشک نواب صاحب نے سچ فرمایا ہے، مصلحت وقت یہی ہے کہ اب ہماری مفارقت گوارا کیجئے اور ہم دونوں بھائیوں کو اور ہمارے بھوئی آغا سلطان کو اجازت دیجئے جدھر خدا لے جائے گا نکل جائیں گے۔ مجھے اپنی جان سے زیادہ آغا سلطان کا خیال ہے۔ یہ بخشی فوج شاہی ہے اسے کوئی نہیں چھوڑے گا۔ اگر خدا کو زندگی رکھنی منظور ہے تو پھر آکر قدمبوسی حاصل کریں گے۔ یہ کہہ کر میں نے یہ کام کیا کہ تھوڑی سی چاندی کے پترے کر جوتی کے تلے کے دونوں پرت جدا کر کے اس کے جوف میں بھری یعنی جوتی میں اوپر نری کا چمڑا ہوتا ہے اور نیچے ادھوڑی۔

ان دونوں کے بیچ میں چاندی کے پتر بھرے- میری بی بی نے اس وقت یہ کام کیا کہ ایک فرد سونے کی پہنچی کی میرے آگے رکھ دی- میں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آگئی ؟ انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت میں نے اپنا زیور اتار کر ڈبے میں رکھا تھا تو بے اوسانی میں یہ پہنچی میرے ہاتھ میں رہ گئی تھی- میں نے اس وقت اس کا ڈورا توڑ کر وہ دانے الگ کر کے کمر بند کے اندر بھرے اور دستار باندھی، کمر سے دوپٹا باندھا- ہاتھ میں لکڑی لی اور چلنے کو تیار ہوا- اور میرا بھائی امراؤ مرزا اور آغا سلطان بھی تیار ہو گئے اس وقت ہماری رخصت کا حال قیامت سے کم نہ تھا- میری بی بی ہر چند شرم کے مارے منہ سے کچھ نہ بولی اور نیچے آنکھیں کئے ہوئے رو رہی تھی- آخر جب اٹھنے لگا تو چپکے سے یہ لفظ کہا کہ باپ چچا تو مارے گئے فقط تمہارے دم کا سہارا تھا- مجھے کس پر چھوڑے جاتے ہو- میں نے جواب دیا کہ خدا کے حوالے کرتا ہوں- اگر زندہ رہا تو پھر آملوں گا- اگر میں مارا گیا تو تم سن لو تو مہر بخش دینا- یہ کہہ کر میں مکان سے باہر ہوا- اور بسم اللہ کہہ کر خواجہ صاحب کی طرف روانہ ہوا- کوئی نصف میل کے قریب راہ طے کی ہو گی کہ ادھر سے سوار آئے- آتے ہی انہوں نے گھیر لیا اور کہا تلاشی دو اور سب کے سب کا بدن ٹٹول لیا نہ میرے پاس کچھ پایا نہ میرے ہمراہیوں کے پاس کچھ دیکھا مگر ایک سوار نے میری پگڑی اتار لی اور اپنا رستہ لیا- میں نے دوپٹہ کمر سے کھول کر سر پر باندھ لیا- آگے بڑھا اور سوار ملے انہوں نے بھی یہی بات کی- جب تو میں نے کمر بند پائجامہ میں سے کھینچ کر ایک گیند بنالی- اور پائجامہ کے نیفے کو بطور بند گرہ لگادی اور وہ گیند اپنے ہاتھ میں رکھ لی- جب سواروں کو دور سے آتے دیکھتا تو اس گیند کو دور پھینک دیتا- وہ آکر تلاشی لے کر آگے بڑھ جاتے میں دل میں کہتا تھا کہ ابے تم تو ڈاکو ہو مگر میں بھی تمہارا استاد ہوں- بھلا تم مجھے کیا لوٹ سکتے ہو اور جب وہ دور چلے جاتے، پھر اپنی گیند اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لے لیتا- غرضکہ بہزار خرابی خواجہ صاحب میں پہنچا- وہاں میں نے دیکھا کہ ایک ہجوم کثیر مرد و زن کا فراہم ہے- شب کو میں نے کچھ چاندی ایک صراف کے ہاتھ بیچی اور کھانے کا بندوبست کر کے دیوان خاص میں ہم تینوں آدمی زمین میں پڑ رہے- صبح کو ایک پندرہ بیس ہزار آدمی کا قافلہ جس میں نواب امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں اور احمد قلی خاں بادشاہ کے خسر اور بہت سے بڑے آدمی شامل تھے، وہ گوجروں کو دو ہزار روپیہ دے کر اور انہیں ہمراہ لے کر خواجہ سے روانہ ہوئے- ہم بھی اسی قافلہ کے ہمراہ ہوئے- راستہ میں وہی سامان صحرائی

دکھائی دیئے جو اوّل لکھ چکا ہوں اب اعادہ اس کا فضول ہے- ہزارہا عورات پردہ نشین اور بچے ہمراہ تھے منزل دراز تھی اوپر کی دھوپ، نیچے پاؤں کے جلتی ہوئی ریت، جنگل ق و دق، سایہ کا نام نہیں، آب و دانہ کا کام نہیں، تلووں میں آبلے، زبانوں میں بے آئی سے کانٹے پڑے ہوئے روتے دھوتے چلے جاتے تھے-

وہ فوج ہر اک سو سے نرغہ اعدا　　وہ دھوپ اور وہ ریگِ طپاں وہ گرم ہوا

اور اس پہ ظلم گنواروں کا وہ کہ واویلا　　وہ کینہ ورزی غارتگران بے پرواہ

جو ہم سے سنتے ہیں وہ انقلاب کی باتیں

تو لوگ کہتے ہیں کرتے ہو خواب کی باتیں

وہ گورے گورے بدن خاک میں ملائے ہوئے　　وہ گل سے چہرے حرارت سے تمتمائے ہوئے

جفا کی تیغ کے سب زخم دل پہ کھائے ہوئے　　لبوں پہ آہ جگر میں الم سمائے ہوئے

وہ داغِ مرگِ عزیزاں وہ دشت پیمائی

وہ ریگ خارِ مغیلاں وہ آبلہ پائی

غرض خدا خدا کر کے وہ منزل قطع ہوئی اور قریب شام سول بسنت کی سرا میں پہنچے تھکے ہارے رستہ کے، پاؤں میں بڑے بڑے آبلے پڑے ہوئے، بُرا حال بری نوبت خیر بہر حال سوائے صبر و شکر کے کیا کیا جائے- شب کو کچھ بازار سے چنا چبینا لا کر کھالیا- پانی پی کر سرائے کی زمین پر پڑ رہے- اب آغاز اور انجام اس سفر کا کچھ معلوم نہیں کہ یہ راستہ کہاں کو جاتا ہے، کون کون سے شہر راستہ میں پڑیں گے، کس ریاست میں پہنچیں گے- پس ہمراہ قافلہ کے ہیں، جدھر قافلہ جاتا ہے اسی کو منزل مقصود سمجھا جاتا ہے- گھر سے کبھی نکلے نہیں، اس مصیبت کا سفر کیا نہیں، راستہ سے نابلد، منزلوں سے ناواقف، شہروں اور ریاستوں کا حال سوائے عملداری انگریزی کچھ نہیں جانتے- ایک دوبار پہلے سفر کا اتفاق ہوا ہے تو آگرہ میر ٹھ وغیرہ کی طرف ہوا ہے تو بکمال آسائش سواریوں پر آدمی، خدمت میں بڑی دل لگی کا سفر ہوا ہے، نہ اس مصیبت کا کہ زمین تک قدم دھرنے کی روادار نہیں- جہاں جھاڑ- کانٹا کانٹا دشمن جان ہے، گھر میں الور، جے پور، بیکانیر کا نام تو سنا ہے مگر کبھی اتفاقِ سفر ہوا نہیں- نہ یہ معلوم کہ کتنی دور ہیں- قصہ مختصر شب کو پڑے رہے- صبح ہوتے ہی پھر قافلہ کے ہمراہ ہوئے- دوپہر کو جا کر فرخ نگر میں داخل ہوئے- کچھ چاندی بیچ کر کھانے کی تجویز کی- اب جو

وہ راہ ہے وہاں سے سب طرف کو راستہ جاتا ہے -وہاں باہم کھچڑی پکنی شروع ہوئی اور صلاح و مشورے ہونے لگے - کسی نے کہا ہم اِدھر جائیں گے کسی نے کہا ہم اُدھر جائیں گے ہم حیران ہیں کہ یاالٰہی ہم کہاں جائیں - آخر ایک شخص کی زبانی معلوم ہوا کہ یہاں سے جھجر قریب ہے یہ نام سنتے ہی جان میں جان آگئی - آہا ہاں تو ہمارے ماموں حکیم مرزا قاسم علی خاں صاحب مختار ریاست ہیں ان کے پاس چلیئے اور ان کی صلاح کے کاربند رہیے جدھر وہ رہنمائی فرمائیں ادھر جانا چاہیئے -

جھجر میں ورود :- غرضکہ دوسرے روز جھجر کا راستہ پوچھ کر ادھر کو روانہ ہوئے اور اسی دن جھجر پہنچے اور مکان پوچھ کر ان کے ہاں پہنچے - ماموں صاحب نے جب شکل دیکھی تو چیخیں مار کر رونے لگے - ارے ہیں کس غضب میں گرفتار ہوگئے - غرضکہ گلے سے لگایا - پاس بٹھایا - تشفی دی - ہاتھ منہ دھلوایا - کھانا کھلوایا - دیوان خانہ میں کہا اب یہاں رہو - آغا سلطان سے وہ خوب واقف ہی تھے تیسرے پہر کے قریب آغا سلطان تو باہر ٹھہرے مجھے اور بھائی کو گھر میں لے گئے - ممانی سے کہا دیکھو تو بھانجوں کا کیا حال ہے - میری بہن بادشاہ بیگم نے انہیں کس مصیبت سے پرورش کیا تھا - آج یہ اس بلا میں مبتلا ہیں وہ بھی آبدیدہ ہوئیں - نہوں نے حال پوچھا سب حال بیان کیا - دوسرے روز ممانی صاحبہ نے کپڑا منگا کر جوڑے تیار کرائے اور کہا - اب یہاں سے کہیں نہ جاؤ میرے پاس رہو - ہم آٹھ روز آسائش سے وہاں رہے - یہ بھی فلک کو ناگوار ہوا اور ظالم جفاکار نے ایک اور ستم ڈھایا - آدھی رات کے وقت ان کو نواب صاحب نے بلوایا - وہ وہاں گئے - ایک گھنٹہ بعد واپس آئے اور آبدیدہ ہوئے - میں نے پھر پوچھا - ماموں! خیر ہے ؟ فرمایا - بھائی کیا پوچھتے ہو ، جس بلا میں تم مبتلا ہو کر یہاں آئے ہو ، وہ بلائے ناگہانی یہاں بھی نازل ہو گئی اور انگریزی فوج یہاں بھی آپہنچی - دیکھیئے کیا ہوتا ہے - اس وقت نواب صاحب نے مجھے اس واسطے بلایا تھا - اب تم ایک کام کرو - یہاں سے سیدھے پانی پت کو براہ سونی پت روانہ ہو جاؤ تمہارے والد اور خالائیں اور سارا کنبہ پانی پت پہنچ گیا - مجھے خبر آگئی - یہاں سے میری بہلی تم کو سونی پت پہنچادے گی - وہاں سے تم گاڑی کر کے چلے جانا ورنہ وہاں بھی تیری ننھیال ہے - تم کو آگے جانے بھی نہ دیں گے - غرضکہ اس وقت بہلی تیار ہوئی اور ہم سوار ہو کر پانی پت میں آئے - یہاں میرے نانا کے حقیقی بھائیوں کے مکان تھے انہوں نے مجھے روکا اور کہا - اب تم غدر تک یہاں رہو ، کہیں نہ جاؤ - جب امن

ہو جائے گا چلے جانا- میں نے کہا کہ میرے والد - والدہ - بھائی - بہن - بیوی سب برسط میں میری خالہ کے ہاں ہیں- غرضکہ میں روانہ ہو کر وقت شب برسط میں پہنچا اور ایسے وقت کہ رات کے گیارہ بج گئے تھے اور میرے والد گریہ وزاری کر کے صحن خانہ میں کھڑے ہوئے ہماری سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے- "خداوند تو جامع المتفرقین ہے، تو میرے بچوں کو مجھ سے زندہ و سلامت لا کر ملا دے- میں نے تیری حفظ و امان میں سونپا ہے"- اسی وقت میں دروازہ پر پہنچا اور میں نے آواز دی کہ دروازہ کھولو- میری بڑی خالہ میری آواز پہچان کر دوڑیں اور میرے والد کو یقین نہ آیا- جب میری خالہ نے قسم کھائی کہ میں نے ابھی نواب میرزا کی آواز سنی ہے وہ دروازہ پر پکار رہا ہے غرضکہ دروازہ کھلا اور میں نے جا کر والد کے قدم لئے انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا-

پانی پت پہنچے: وہاں سے پانچ چار روز کے بعد ہم سب پانی پت میں پہنچ گئے اور وہاں سکونت اختیار کی اور ایک چھوٹی سی تجارت کا ڈھنگ ڈال کر قوت بسری کی سبیل کی اور ایک دوکان کرایہ پر لی- ایک آدمی نوکر رکھا خرید و فروخت کے لئے اور حساب کتاب اپنے ہاتھ میں رکھا- دونوں وقت جا کر دوکان کا مال متاع سنبھال آتا تھا- خدا کی صفت رزاقی ہے- ان روزوں میں اس تجارت نے ایسی ترقی پائی اور ایسی برکت ہوئی کہ تمام گھر والے اس میں سے روٹی کھاتے تھے اور نوکر کی تنخواہ کرایہ دوکان ادا کر کے مال تجارت دن دوگنا اور رات چوگنا ہوتا جاتا تھا- تھوڑے عرصہ میں تین چار سو کا سامان دوکان میں فراہم ہو گیا تھا- اور دو روپیہ روز کا میرے گھر کا خرچ تھا- پانچ ماہ تک ذرا امن و آسائش کی صورت رہی مگر فلک کج رفتار اور زمانہ ناہنجار کب دیکھ سکتا تھا- پھر اس غریب آزار کو رشک و حسد پیدا ہوا اور نشتر جگر فلک میں نیش زن ہوا اور از سر نو ایذا رسانی پر مستعد ہوا-

زمانہ مرد مصاف ست و من ز سادہ دلی کنم جو شن تدبیر وہم دفع مضار
ز منجنیق فلک سنگ فتنہ می بارد من ابلہانہ گریزم در آبگینہ حصار

کہ یکا یک آسمان سے سنگِ حوادث برسنے لگے اور زمین نے فتنہ تازہ برانگیختہ کئے اور حشرات الارض کی طرح زمین سے ایک بچھو پیدا ہوا- یعنی دہلی سے وہی موذی اوباش مخبروں کا سرغنہ گامی بدمعاش بلائے ناگہانی کی طرح پانی پت میں نازل ہوا اور دار و گیر کا بازار گرم ہوا اور دلی والے گرفتار ہونے شروع ہو گئے- ادھر برسط میں نواب حامد علی خاں صاحب

اور ان کے سب کنبہ کو گرفتار کر لائے ادھر پانی پت میں قیامت برپا ہو گئی اور پانی پت کا محاصرہ ہو گیا- مگر آفرین مروماں پانی پت پر وہ مسافر نوازی فرمائی کہ باپ بیٹے کے ساتھ یہ سلوک نہ کرے گا- دلی والوں کے ساتھ جانیں لڑا دیں اور اپنے گھروں کے زنانوں میں چھپا چھپا کر رکھا اور جان سے، آبرو سے ساتھ دینے کو موجود تھے اور جس دن سے دلی کے لوگ پہنچے تھے اپنے گھروں میں بٹھا لیا تھا اور روپیہ سے، پیسے سے، روئی سے، کپڑے سے سب طرح سے سلوک ہوتے رہتے- ایسے احسان آج تک کسی شخص نے کسی کے ساتھ نہ کئے ہونگے جو سلوک کہ پانی پت والوں نے دلی والوں کے ساتھ کئے-

پانی پت کا محاصرہ: قصہ مختصر جب پانی پت کے گرد گھیرا پڑ گیا اور ناکہ بندی ہو گئی اور دلی والے گرفتار ہونے لگے- میں ایک دن دو گھڑی دن پچھلے سے اپنی پھوپھی کے مکان پر گیا- وہ مولوی ابراہیم حسین صاحب کے فروکش تھیں- وہاں اپنی بہن سے یہی گرفتاری کا ذکر کر رہا تھا کہ میری طبیعت گھبرائی اور میں چلنے لگا- میری بہن نے مجھے روکا بھی مگر میں اٹھ کر ڈیوڑھی کے باہر آیا- میں نے دیکھا کہ بہت سے آدمی اس گلی میں چلے آتے ہیں اور آگے تھانہ دار ہے- میں نے یہ سوچا اب جو تو الٹا پھر کر جاتا ہے تو یہ گھر میں جا کر گرفتار کر لیں گے- میں سیدھا یہ کہتا ہوا ان کے سامنے سے چلا گیا- بھئی ان دلی والوں کے سبب ہم لوگ بھی مصیبت میں آ گئے- ان آدمیوں کے برابر سے نکل گیا اور انہوں نے مجھے نہ پہچانا- وہ آدمی اسی مکان میں گھسے جس میں سے میں برآمد ہوا تھا- مگر آگے بڑی ڈیوڑھی تھی جس میں دونوں طرف راہیں تھیں- ایک مولوی ابراہیم صاحب کے مکان کو اور دوسری دیوان خانہ کو اس ڈیوڑھی میں پہنچ کر میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور مجھ سے بھاگا نہ گیا- کچھ اندھیرا ہو گیا تھا- پولیوں کا ڈھیر کونے میں لگا ہوا تھا- میں ان کے نیچے چھپ گیا اور اس تھانہ دار نے گھر میں داخل ہو کر میرے پھوپا اور بھائی اور میرے بہوئی کو گرفتار کیا اور میرے آگے سے گرفتار کر کے لے گیا- جب وہ چلا گیا تو میں وہاں سے نکل کر گریزاں ہوا تو ایسا بے اوسان تھا کہ راستہ میں کئی جگہ گرا- غرضیکہ افتاں و خیزاں میں اپنی خوشدامن کے مکان پر پہنچا اور یہ حقیقت بیان کی اور کہا کہ اب میرا یہاں سے نکل جانا صلاح ہے ورنہ گرفتار ہو جاؤں گا- چنانچہ انہوں نے ایک شخص بو علی نامی جو پانی پت کا باشندہ اور شاید میری خوشدامن کے بزرگوں میں سے کسی کا خالہ زاد تھا اسے بلوایا اور کہا بھائی تو مجھ پر ایک احسان کر کہ میرے دو

بچوں کو یہاں سے نکال کر بچااور کسی حفاظت کی جا پہنچادے-اس نے کہا اچھا بیگم صاحبہ میں پہنچاتا ہوں-

پانی پت سے رخصت: چھ گھڑی رات گئے وہ مجھے اور یوسف سلطان میرے بہوئی کے چھوٹے بھائی کو لے کر مکان سے چلا اور ایک جا سے شہر کا ڈنڈا ٹوٹا ہوا تھا وہاں سے کودا کر شہر سے باہر ہو گیا اور پھر جلدی جلدی قدم بڑھا کے ہم آٹھ کوس پر ایک گاؤں شیخ زادوں کا تھا-وہاں پہنچے اس گاؤں کا نام گڑہی تھا- پچھلے پہر ہم وہاں پہنچے اور گاؤں والوں کو اس نے جگا کر ساری حقیقت بیان کی-وہ لوگ نہایت مرد آدمی اور مسافر نواز تھے-انہوں نے میری بہت خاطر و مدارات کی اور تسکین و تشفی دی کہ اب اگر تمام عمر یہاں بیٹھے رہو تو ہم پتہ نہ لگنے دیں گے-کیا مقدور ہے کسی کا کہ تم کو گرفتار کر سکے-جب دن ہوا تو انہوں نے ہم سے کہا کہ اب ایک کام کرنا چاہئے کہ دریا کے کنارے پر کھادر ہے-وہاں ہم ایک جھونپڑی ڈال دیتے ہیں-دن کو تو تم دونوں آدمی وہاں رہا کرو اور رات کو گاؤں میں آجایا کرو اور ہماری طرح کا لباس پہن لو-ہم میں سے دو آدمی تمہارے پاس رہیں گے-ہمارے مویشی وہاں چرا کرتے ہیں-تم دیہاتیوں کے بھیس میں رہو-ہم نے منظور کیا اور ہم رہنے لگے-پھر میں نے بو علی سے کہا کہ بھائی تم اب میرے بھائی اور میرے والد کو جو پیر جی محمد حسین کے مکان کے مکان میں چھپے ہوئے ہیں نکال لاؤ تو بڑا کام کرو-اس نے کہا کہ بہت اچھا-غرضکہ اس دن روانہ ہوا اور تیسرے دن میرے بھائی اور آغا سلطان میرے بہنوئی کو لے کر میرے پاس پہنچ گیا-میں نے اسے کچھ روپے دے دیئے-ایک دن ہم سب وہاں رہے اور دوسرے روز ان گاؤں والوں کا بہت شکریہ ادا کیا اور وہاں سے جمنا پار اتر کر مصطفےٰ آباد سیدوں کی بستی میں پہنچے-مصطفےٰ آباد کی سادات نے ہماری بڑی خاطر مدارات کی اور نہایت درجہ مہمانداری کے علاوہ کہا کہ جب تک یہ ہنگامہ ہے آپ چین سے یہیں بیٹھے رہو-یہاں آپ کا بال بیکا نہ ہو گا-ہم نے کہا-یہ سب آپ کی عنایت ہے-اب اس کے عوض اور ہم پر عنایت فرمائیں-وہ یہ ہے کہ میراں پور جانسٹھ والوں کے ذریعہ سے ہمیں گنگا کے پار اتروادیں کہ وہاں عملداری انگریز کی نہیں ہے-انہوں نے کہا کہ یہ کتنی بڑی بات ہے-ہم آپ کو خط لکھے دیتے ہیں-آپ وہ خط لے کر میر طالب علی کے پاس چلے جایئے وہ آپ کو گنگا کے پار اتروادیں گے-چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہم وہ خط لے کر کرایہ کی مجھولی میں سنبل ہیڑہ پہنچے اور بیرون قصبہ

ٹھہر کر میر طالب علی نمبردار کے پاس وہ خط بھیجا مگر انہوں نے اس امر سے صاف انکار کیا لیکن ان کے بھتیجے میر عنایت حسین نے نہایت آدمیت کی اور وہ آکر ہم سے ملے۔ رات کو اپنے مکان میں لے جاکر پوشیدہ رکھا اور تین روز ہماری دعوت کی اور اپنے دیہات کے گوجروں کو بلوا کر ان سے کہا کہ ساٹھ آدمی ہمارے بھائی بند آگئے ہیں ان کو کسی طرح گنگا کے پار اتار دو۔ انہوں نے کہا دن کو تو ممکن نہیں مگر آئندہ شب کو ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ گنگا کے کنارے دونوں طرف گھاٹیوں پر فوجوں کے مورچے لگے ہوئے ہیں۔ اس پار انگریزی فوج کی چوکیاں ہیں۔ اس پار نجیب آباد والوں کے مورچے ہیں۔ قصہ کوتاہ ایک شب وہ تیس آدمی مسلح ہو کر بندوق تلوار برچھیاں لے کر آموجود ہوئے اور گھوڑیاں ہمراہ لائے تھے۔ کوئی پہر بھر رات گئے ہم سب کو گھوڑوں پر سوار کرا کے ہمراہ لے چلے۔ وہاں سے دریائے گنگا سات کوس تھا۔ راستہ میں انہیں کی برادری کے گاؤں ملتے گئے مگر وہ ان کو ہوشیار کرتے گئے کہ اگر تم کچھ شوروغل سنو تو فوراً ہماری مدد کو چلے آنا۔ میں نے راہ میں ایک گوجر سے کہا کہ تم میں باہم اتفاق ہے۔ اس نے کہا کہ اگر اس وقت ہماری ایک بندوق چل جائے تو تین لاکھ گوجر موجود ہو جائیں۔ سب گاؤں ہمارے ہیں۔ غرضکہ پچھلے پہر ہم گنگا کے کنارہ پر پہنچے اور گھوڑیاں وہیں چھوڑ دیں۔ ان بیچارے گوجروں نے ہمارے ہاتھ تھام لئے اور ہمارا سامان سروں پر رکھ لیا دریا میں سے ہمیں پار اتار دیا۔ اور فیروز آباد گاؤں سیدوں کا تھا۔ وہاں پہنچ کر نمبردار صاحب کو میر عنایت حسین کا رقعہ دیا اور ہماری رسید لکھوا کر واپس بھیجی۔ ہم رات کے ہارے تھکے سردی کھائے ہوئے تھے پرال گھاس پر پڑ کر اور وہی گھاس اوڑھ کر سو رہے۔ صبح کو دوپہر کے قریب بیدار ہوئے تو ان سید صاحب نے کھانا کھلوایا اور حقیقت دریافت کی ہم نے سب حال بیان کیا کہ اس میں نجیب آباد والے نواب کا آدمی آیا کہ رات کون آدمی گنگا اتر کر تمہارے ہاں آئے ہیں۔ کوئی انگریزی مخبر تو نہیں ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہم آئے ہیں۔ اس نے کہا کہ اچھا تم میں سے ایک آدمی ہمارے ساتھ چلو غرضکہ میں ہی اس کے ہمراہ ہو لیا۔ تھوڑی دور پر فوج پڑی ہوئی تھی ڈیرے خیمے لگے ہوئے تھے وہ آدمی مجھے ایک ڈیرے پر لے گیا۔ وہاں چند لوگ عزت دار کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے لے جاکر کھڑا کر دیا۔ انہوں نے مجھ سے حال پوچھا۔ میں نے مختصر بیان کیا کہ تباہی زدہ دلی کا رہنے والا ہوں۔ انگریزوں کے خوف سے ہم لوگ جان بچائے پھرتے ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی

بولا کہ تم لوگ نوکری کرلو- یہاں ٹھہر جاؤ- میں نے جواب دیا کہ ہم نوکری کے لائق نہیں- ہم لوگ لکھنؤ کو جائیں گے- غرضکہ وہاں سے آکر اس شب وہاں رہے- صبح کو کوچ کیا منزل بمنزل طے کر کے مراد آباد ہوتے ہوئے بریلی پہنچے- وہاں ایک دوست آغا ذہین صاحب مرثیہ گو کے مکان پر قیام کیا- اس مہمان نواز نے وہ خاطر مدارات کی کہ بیان سے باہر ہے- وہاں سے بڑھنے کا ارادہ تھا کہ معلوم ہوا لکھنؤ کی بھی وہی کیفیت ہوئی جو دلی کی ہوئی تھی- اب حیران پریشان ہوئے کہ یارب اب کدھر جائیں کیا کریں- پندرہ روز بریلی میں آغا ذہین کے مکان پر رہے-

ایک اور آفت : ایک دن کا اتفاق ہے کہ میں اور ایک شخص دلی کا باشندہ جنگ باز خاں نامی بادشاہی سواروں میں ملازم وہ میرے ہمراہ بریلی کے بازار میں ایک مسلمان جوتے والے کی دوکان پر جوتا پہننے کو گئے- میں نے جوتا اٹھا کر اس کی قیمت پوچھی- اس نے بیان کیا سوا روپیہ- میں نے وہ جوتا رکھ دیا- اس نے پھر مجھ سے کہا- رکھ کیوں دیا تم بھی تو کچھ قیمت کہو- میں نے کہا کہ بھائی مجھ میں اس قیمت کا مقدور نہیں- میں سستی قیمت کا جوتا چاہتا ہوں- میں غریب تباہی زدہ ہوں- پھر اس نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو- میں نے کہا کہ دلی کے- وہ بولا کہ تم لوگ بڑے نامرد ہو کہ تم نے دلی توڑوا دی اور اب گھر بار لٹوا کر بھیک مانگتے پھرتے ہو- یہ بات سن کر میں تو خاموش رہا- مگر جنگ باز خاں سپاہی آدمی قوم کا مغل بچہ اور لال کنوئیں کا رہنے والا جہاں کے لئے بڑے بڑے مشہور ہیں- بھلا آغا صاحب کو کہاں تاب کہ ایسے سخت کلمے کی برداشت کریں- جواب دیا "بیٹا گھبراؤ نہیں چچا کے بیٹے آئے جاتے ہیں- جورو کے پائجامے میں چھپتے پھروگے-" یہ کہنا تھا کہ اس جفت فروش نے کھڑے ہو کر ایک ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑ دوسرے ہاتھ سے جنگ باز خاں کا اور بہ آواز بلند پکار کر کہا کہ یارو دوڑو یہ دونوں انگریزی مخبر ہیں- یہ کلمہ ہمارے حق میں غضب ہو گیا- چہار طرف سے پوربئے دوڑ پڑے- اس وقت بازار میں سوار پیادوں کی یہ کثرت تھی کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا- بازار میں راستہ نہ ملتا تھا آتے ہی پوچھا نہ گچھا ہم دونوں کی مشکیں کس لیں اور کہا کہ جرنیل صاحب کے پاس لے چلو- اور ہم دونوں کو باندھ کر لے چلے- ایک انبوہ خلائق ہمراہ ہوتا جاتا ہے جیسے کسی کو گردن مارنے کے لئے لے جاتے ہیں- وہاں سے نصف میل پر قلعہ تھا- قلعہ کے سامنے ڈیرے کھڑے تھے- وہاں ایک ڈیرے کے آگے ایک پوربیا پچاس

پچپن برس کی عمر کا گلے میں موٹے سونے کے دانوں کا کنٹھا پہنے ہوئے بیٹھا تھا اس کے سامنے لے جاکر کھڑا کر دیا اور بیان کیا کہ یہ دونوں انگریزی مخبر ہیں۔ ہم ان کو گرفتار کر کے لائے ہیں۔ جرنیل صاحب کا عدم وانصاف ملاحظہ ہو، کہ بغیر تفتیش حال حکم دے دیا کہ توپ سے باندھ کر اڑادو۔ اسی وقت وہ جو دو توپیں ڈیرے کے آگے لگی ہوئی تھیں۔ ان میں تھیلیاں بارود کی ڈال کر ہم دونوں کو توپوں کے منہ سے باندھ دیا اور نواب خان بہادر خاں والی بریلی سے کہلا بھیجا کہ دو مخبر انگریزی گرفتار ہوئے ہیں ان کو اڑانے کا حکم ہو جائے۔ تھوڑی دیر میں وہاں سے بھی سوار نے آکر حکم پہنچایا کہ اڑادو۔ یہ باتیں ہم سن رہے تھے اور آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے کہ یاالٰہی کس بلائے ناگہانی میں گرفتار ہو گئے۔ گھر سے تو اسی مصیبت سے جان بچا کر آئے تھے اور یہاں آکر پناہ پذیر ہوئے تھے۔ یہ نہ معلوم تھا کہ ہماری قضا یہاں لکھی تھی۔ معلوم ہوا کہ ہماری موت ہم کو کھینچ کر لائی تھی۔ اب تیرے سوا ہمارا فریادرس کون ہے۔ جنگ باز خاں میرے منہ کو تکتا ہے۔ اور میں جنگ باز خاں کو دیکھ رہا ہوں۔ اسی اثنا میں دوسرا سوار خان بہادر خاں کے پاس بھیجا گیا اور وہ بھی یہی حکم لایا۔ ہم کو اپنی زندگی سے بالکل یاس ہو گئی اور بندھے ہوئے کلمہ پڑھ رہے ہیں اور تیسرا حکم آنے کی دیر ہے وہ حکم آئے تو توپ کو بتی دکھائی جائے۔ اس وقت اس کی شان رحیمی کو دیکھنا چاہئے کہ پردۂ غیب سے کیا نمودار ہوتا ہے اور ہم کو پنجۂ اجل سے کس طرح نجات دیتا ہے۔ وہی مثل ہے کہ مارنے والے سے بچانے والا زیادہ قوی ہے۔

چو عاجز رہانندہ دانم ترا دریں عاجزی چوں نخوانم ترا

ناگہاں دیکھتے کیا ہیں قلعہ کے دروازہ میں سے کچھ سپاہی دوڑے ہوئے چلے آتے ہیں اور پیچھے ان کے ایک شخص سنہرے گھوڑے پر سوار سفید پوش سفید مندیل باندھے ہوئے ہماری طرف چلا آتا ہے اور اس کے جلو کے سپاہیوں نے آتے ہی کہا کہ ہٹ جاؤ اور سب بھیڑ کو ہٹادیا۔ نووارد سوار نے پیشتر جاکر جنگ باز کو دیکھا اور دیکھتے ہی جنگ باز سے کہا۔ ارے جنگ باز تو کہاں؟

جنگ باز: مجھے کیا دیکھتے ہو۔ دوسرے کو دیکھو کون ہے۔ جب مجھے دیکھا تو فی الفور گھوڑے سے کود کر جلدی تلوار سے وہ رسی کاٹ دی جس سے مجھے جکڑ رکھا تھا۔ اور جنگ باز کی بھی رسی کاٹ کر ہم دونوں کو چھڑا لیا اور ہمارا ہاتھ پکڑ کے اس جرنیل کے سامنے لے گیا

اور ہزاروں گالیاں مغلظات اس نامعقول کو سنائیں اور کہا نمک حرامو! تم نے ہمارے بادشاہ کا گھر تباہ کرایا، دلی کا ستیاناس کر دیا۔ رعیت کو خاک میں ملا کر گھر سے بے گھر کر دیا اور اب بھی اپنی شرارت سے باز نہیں آتے۔ ارے۔ یہ بادشاہی ملازم ہیں۔ بیچارے غریب انگریزوں کے خوف سے اپنی جان بچائے پھرتے ہیں۔ یہ کیا مخبر ہیں۔ تو نے حال تو پوچھا ہوتا یا پہلے بغیر پوچھے گچھے گردن مارنے کا حکم دے دیا۔ اگر اس وقت میں نہ آتا تو ان دونوں بے گناہوں کو جان سے مار چکا ہوتا۔ ان کی زندگی تھی کہ میں آ گیا۔ یہ کہہ کر وہ مجھ سے حال پوچھنے لگا۔ جنگ باز نے ساری حقیقت بیان کر دی۔ پھر اس نے کہا کہ تم میرے مکان پر آنا اور ہم سے کہا کہ تم اپنے مکان کو جاؤ۔ اب یہ بات معلوم کرنی چاہئے کہ وہ ہمارا محسن کون تھا جس نے اس بے کسی کے وقت میں جان بچائی وہ ہمارا خواجہ تاش بادشاہی ملازم کہاروں کا داروغہ میر فتح علی تھا۔ خیر جب ہم نے اس بلا سے نجات پائی اپنے مکان پر پہنچے تو میرے والد اور سب ہمراہی فکر مند تھے کہ خدا جانے دونوں کہاں چلے گئے، کس بلا میں مبتلا ہو گئے۔ سب پوچھنے لگے کہاں چلے گئے تھے جو اتنی دیر لگی۔ جنگ باز نے سب حال بیان کیا کہ ہم تو موت کے شکنجے سے نکل کر آئے ہیں۔ سب سن کر حیران و پریشان ہو گئے۔ مگر خدا کا شکر ادا کیا کہ زندہ سلامت آ گئے۔ اس واقعہ کے بعد یہ خیال ہوا کہ یہ جائے معرض خطر ہے یہاں سے نکلنا چاہئے مبادا یہاں لشکر انگریزی آن پہنچے اور ہم گھر جائیں۔ دلی سے تو بھاگ کر یہاں آئے اب یہاں سے نکل کر کہاں جائیں گے۔ ہم خیال دوڑا رہے ہیں کہ کوئی جائے مقر نظر نہیں آتی۔ اب مسبب الاسباب کی قدرت کو دیکھا چاہئے کہ اس حالت یاس و درماندگی و سراسیمگی میں کس طرح اس پر آشوب حالت سے نکال کر ساحل عافیت کر پہنچاتا ہے کہ ایک روز بازار میں ایک شخص ہم وطن کو دیکھا کہ مسافروں کی طرح کمر بندھی ہوئی ہاتھ میں لکڑی منہ پر غبار پڑا ہوا اور ایک عورت اسکے عقب میں چادر سے منہ چھپائے ایک چھوٹی پوٹلی بغل میں مارے چلی آتی ہیں۔ جب پاس آئے تو انہوں نے مجھے اور میں نے ان کو پہچانا صاحب سلامت ہوئی۔ آہا میر غلام عباس تم کہاں؟ وہ بولے۔ میں لکھنو سے چلا آتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہاں ٹھیرو گے۔ کہا خدا جہاں ٹھہرائے۔ میں نے کہا جہاں ہم ہیں وہاں تم بھی چلو۔ اور وہاں سے ہم تم شامل ہو کر خدا جہاں لے جائے، وہاں چلے چلیں گے وہ میرے ساتھ ہو لئے اور مکان فرودگاہ پر پہنچے۔ سب سے ملے۔ انہوں نے اپنی تمام حقیقت بیان کی۔ خیر اس دن تو

وہیں مقیم رہے۔ دوسرے روز صلاح و مشورے سفر کے ہوئے انہوں نے صلاح دی کہ رام پور سے بہتر کوئی جا مفر کی نظر نہیں آتی۔ میری شامت اعمال مجھے لکھنو کھینچ کر لے گئی تھی۔ وہاں بھی وہی صورت پیش آئی جو دلی میں ہوئی تھی غرضیکہ سب کی رائے اس پر قرار پائی کہ رام پور چلو۔ مگر چلیں کیونکر راستہ مسدود ہے رام پور اور بریلی کی سرحد پر مورچے بندھے ہوئے ہیں۔ فوجیں پڑی ہوئی ہیں۔

اور وہ وقت وہ ہے کہ بریلی میں سب طرف کے مفرورین کا اجماع ہے اور سب سردار مثل نانا راؤ اور فیروز شاہ وغیرہ اور دلی لکھنو کے آدمی جمع ہیں۔ رام پور کے تیس ہزار آدمی بریلی میں ملازم ہیں اور مردمان رام پور کا یہ حال ہے کہ ایک ایک تھان کا دوپٹہ سر سے بندھا ہوا ہے اور اس پر گوٹا لگا ہوا ہے۔ آدھا دوپٹہ سر سے بندھا اور آدھا گھوڑے کی رکاب سے نیچے لٹکتا ہوا ہے اور چار چار طپنچے کمر میں لگے ہوئے دوہری تلواریں ڈاب میں لٹکتی ہوئی ہیں۔ گھوڑوں پر سوار ہیں اور شہر میں گھوڑے کوداتے پھرتے ہیں۔ پچاس ہزار سوار کا اجماع بریلی میں موجود ہے اور سپاہ انگریزی کی آمد کی خبر چار طرف سے گرم ہے۔ قصہ مختصر اس کے دوسرے روز ہم سات آدمی بریلی سے نکل کر رستہ کو چھوڑ کر جنوب کی جانب روانہ ہوئے اور یہ ارادہ کیا کہ غیر راہ سے رامپور داخل ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہم بریلی سے روانہ ہو کر قصبہ آنولہ میں پہنچے اور وہاں ایک مسجد کہنہ میں جا کر مقیم ہوئے۔ آنولہ کے ایک مرد آدمی حسن آکر ہم سے ملے اور تفتیش حال کرنے لگے۔ بروقت دریافت حال وہی کلمات انہوں نے بیان کئے جو جفت فروش نے کئے تھے۔ جنگ باز پھر کہنا چاہتا تھا کہ میں نے اس کے منہ پر ہاتھ دھر دیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ دیکھتے کیا ہیں جنگل کی طرف سے دو سوار سراسیمہ گھوڑے دوڑائے ہوئے چلے آتے ہیں اور اسی مسجد کی سیڑھیوں پر آکر گھوڑوں پر سے اترے اور گھوڑوں کو درخت سے باندھا۔ وہ مسجد میں داخل ہوئے۔ جب پاس آئے تو میں نے ان کو پہچانا کہ احمد خاں جرنیل جھجر کے ہیں۔ آہا جرنیل صاحب آپ کہاں۔ انہوں نے بیان کیا کہ کچھ کے گھاٹ پر میری مورچہ بندی تھی اور بیس ہزار فوج سوار و پیادہ معہ توپخانہ جات وغیرہ میرے زیر حکم تھے۔ جب انگریزی فوج دریائے گنگا سے اس طرف عبور کرنے لگی تو میری فوج بغیر لڑے بھڑے بھاگنی شروع ہو گئی۔ ہر چند روکا کیا مگر کون سنتا تھا اور سب ہم کو تنہا چھوڑ کر مفرور ہو گئے۔ فقط ہم دو باپ بیٹے رہ گئے تھے۔ لاچار ہم بھی اپنی جان بچا کر بھاگ

کھڑے ہوئے- جب یہ تقریر احمد خاں کی ختم ہوئی تو جنگ باز خاں نے ان پیر مرد کو سلام کیا جو ہم کو بوداور نامرد بتارہے تھے- وہ حضرت اسی وقت اٹھ کر منتشر الحواس اپنے مکان کو روانہ ہوئے- ہم لوگوں نے اس روز آنولہ میں قیام کیا- دوسرے روز صبح کو وہاں سے روانہ ہو کر مقام شاہ آباد عملداری رام پور کا ارادہ کیا وہ مقام آنولہ سے اٹھارہ کوس تھا- غرضکہ بارہ کوس راہ دن میں طے کی اور پھر تھک کر چور ہو گئے- چلنے کی طاقت نہ ہوئی- پاؤں سوج گئے- تلووں میں آبلے پڑ گئے- جاٹوں کا ایک گاؤں تھا اس گاؤں کے باہر تالاب کے کنارے پر ایک درخت کے نیچے ہم نے مقام کیا- اسی اثنا میں ایک مسلمان نجار گاؤں میں سے پانی بھر نے آیا- ہم کو دیکھ کر اس نے کہا کہ تم لوگ یہاں کیوں پڑے ہو- جاؤ اپنا رستہ لو- گاؤں والے تم کو دیکھیں گے تو مار ڈالیں گے- یہ لوگ مسلمان پٹھانوں کی جان کے دشمن ہیں- کیونکہ خان بہادر خاں کی عملداری میں جو لوگ ان پر حاکم رہے ہیں انہوں نے ان پر بڑے ظلم و ستم کئے ہیں اب یہ لوگ اپنا بدلہ لے رہے ہیں- ہم نے کہا کہ ہم بھی مرنے کو پھرتے ہیں مگر ہم ایسے سخت جان ہیں کہ ہمیں کسی طرح موت نہیں آتی- ہم خدا سے چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی جان سے مار ڈالے کہ اس روز روز کی مصیبت سے نجات حاصل ہو- وہ نجار پانی کا گھڑا سر پر رکھ کر گاؤں کو روانہ ہو گیا- تھوڑی دیر کے بعد پھر واپس آیا اور آکر کہا کہ تم کو مقدم جی بلاتے ہیں- ہم نے جواب دیا ہم فقیر ہیں ہمارا گاؤں میں کیا کام ہے- ہمیں یہیں پڑا رہنے دے- رات کو بسیرا لے کر صبح کو چلے جائیں گے- اس شخص نے نہ مانا- اور ہم کو اپنے ہمراہ چوپال میں لے گیا وہاں جاکر ہم نے دیکھا کہ ایک شخص بڑا قوی ہیکل جوان داڑھی چڑھائے ہوئے ایک بہت بڑے ماچے پر لیٹا ہے اور آگے اس کے ایک بہت بھاری لٹھ دھرا ہے- اس جوانمرد نے ہم کو دیکھ کر کہا او میاں جی بیٹھ جاؤ- برابر اس کی دوسرا ماچا اونچے پایوں کا بچھا ہوا تھا- اس پر ہم کو بیٹھنے کی اجازت دی- ہم بیٹھ گئے اور وہ عورت جو ہمارے ہمراہ تھی الگ ایک گوشہ میں جا بیٹھی اس نے (مرد مالک نے) ہم سے استفسار حال کیا ہم نے بیان کیا کہ ہم پردیسی ہیں- دلی کے رہنے والے ہیں- تباہ و برباد ہو کر گھر سے نکلے ہیں- انگریزوں کے خوف سے جان چھپائے پھرتے ہیں- رام پور جانے کا ارادہ ہے- اس مرد رحم دل نے ہمارے حال زار پر بہت تاسف کیا اور ہمارے منہ ہاتھ دھلوائے- تھوڑی دیر بعد مکئی کی روٹیاں گھی سے چپڑی ہوئی اور دال اور ایک برنجی کاسے میں دودھ اور شکر منگوا کر ہمارے آگے رکھے اور ہم سے کہا کہ اچھی

طرح خوب سیر ہو کر کھالو- اس نیک بخت عورت کیلئے علیحدہ روٹی منگوا دی- بعد تناول طعام کے ہم اسی چوپال میں جاکر سو رہے- صبح کو جب ہم نے چلنے کا ارادہ کیا تو اس مرد بامروت نے ہم سے کہا کہ تمہارے پاؤں تو سوجے ہوئے ہیں- راستہ کیونکر طے ہوگا- اور اپنے گاڑی بان کو بلا کر کہا کہ ان کو گاڑی میں سوار کر کے شاہ آباد پہنچاؤ- علاوہ بریں پانچ روپیہ اور اپنے پاس سے زادراہ ہمارے حوالہ کیے- ہم نے ہر چند لینے سے انکار کیا مگر اس عالی ہمت نے ہرگز نہ مانا اور ہم کو سوار کرا کر شاہ آباد پہنچادیا- ہم نے خدا کی رزق رسانی کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کیا-

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

ریاست رامپور میں ورود: اب ہم شاہ آباد میں پہنچے- وہاں رام پور کی عملداری تھی اور رام پور وہاں سے بارہ کوس تھا- باہم یہ مشورہ قرار پایا کہ آج تو یہیں قیام کرنا چاہئے- صبح کو یہاں سے رام پور روانہ ہو نگے- غرضکہ اس دن اور اس شب کو ہم وہیں مقیم رہے علی الصباح قبل از نماز میں لوٹا لے کر رفع حاجت کے واسطے سرا کے باہر گیا- ہنوز فارغ نہیں ہوا تھا کہ میں نے دیکھا مغرب کی جانب سے فوج کثیر چلی آتی ہے- میں دم بخود ہو رہا- اور اس فوج نے آبادی کے باہر اپنا قیام کیا اور دو توپیں سلامی کی سر کیں- میں فارغ ہو کر سرائے میں آیا اور یہ ماجرا اپنے ہمراہیوں سے بیان کیا- اسی اثنا میں فوج کے چند آدمی سرا میں داخل ہوئے اور گاؤں والوں پر تشدد کرنے لگے اور اکثر آدمی سرا میں بھی آکر فروکش ہوئے- ہم ایک جانب کو ایک حجرے میں ٹھہرے ہوئے تھے وہ لوگ اور حجروں میں آکر مقیم ہوئے- ہم نے باہم صلاح کی کہ آج کوچ کرنا مناسب نہیں کیونکہ انگریزی فوج کی آمدورفت ہے مبادا ہم کو باغی تصور کر کے جان سے مار ڈالیں- ہم توکل بخدا کر کے وہیں ٹھہر گئے کہ صبح کو یہاں سے کوچ کریں گے- غرضکہ اس روز اور اس شب وہ فوج بھی وہیں رہی اور ہم بھی وہیں رہے- ہم سے کسی نے کچھ مزاحمت نہ کی صبح کو فوج تو آنولہ کی جانب روانہ ہو گئی اور ہم رامپور کو چل نکلے- اثنا راہ میں جو سواران مفرور بریلی کے اس فوج کو ملے سب تہ تیغ بیدریغ ہوئے، مگر ہم تو خدا کی عنایت سے صحیح و سالم قریب شام رام پور پہنچے- دروازہ شہر میں سے شہر کے اندر داخل ہونا چاہا مگر دروازہ پر بندوبست تھا- دربانوں نے ہم کر مسافر سمجھ کر شہر میں نہ آنے دیا- مجبور ہو کر دوسرے دروازہ شہر پر گئے وہاں بھی یہی کیفیت دیکھی- حیران ہوئے کہ یاالٰہی اب کیا کیجیے- میر غلام عباس شہر کے حال سے خوب واقف تھے- وہ وہاں رہ کر لکھنؤ گئے تھے

انہوں نے کہا کہ اور راہ سے تمہیں شہر میں لے چلوں - غرضکہ ایک جا سے بانسوں کی چار دیواری شہر کی ٹوٹی ہوئی تھی- اس طرف سے شہر میں داخل ہوئے-اب یہ فکر ہوا کہ شہر میں تو آگئے-اب کہاں قیام کریں میر غلام عباس نے کہا کہ ایک شخص میر ابراہیم علی نامی دلی کے رہنے والے یہاں رہتے ہیں ان کے مکان پر چلو پانچ چھ گھڑی رات گئے ان کے مکان پر پہنچے اور ان کو بلایا- وہ باہر آئے انہوں نے سب کو شناخت کیا- مجھ سے ان سے کچھ قرابت بھی تھی وہ گلے سے ملے اور ان کی ڈیوڑھی میں ہم سب بیٹھے -باہم حال پرسی ہوئی- ہنوز یہ کیفیت بیان ہو رہی تھی کہ ایک فتنہ دیگر برخاست ہوا-ایک عورت ہمسایہ دکان میں یہ حال سن رہی تھی کہ اک بارگی اس نے غل مچایا کہ محلہ والو دوڑو اس سید کے گھر میں باغی لوگ آکر چھپے ہیں- ہر چند میر ابراہیم علی نے ہاتھ جوڑے، منتیں کیں، قسمیں کھائیں کہ یہ باغی نہیں ہیں، میرے بھائی بند ہیں، دلی سے آئے ہیں -وہ بدبخت کب سنتی تھی- آخر انہوں نے اس سے کہا کہ اچھا میں ان کو اور جگہ پہنچا دیتا ہوں- تو خاموش ہو جا-وہ ہم کو ہمراہ لے کر ایک ایرانی کے مکاں پر پہنچے اور ان سے جا کر بیان کیا کہ یہ لوگ میرے عزیز قریب ہیں- آپ اتنی عنایت کریں کہ آج کی رات ان کو اپنے مکان پر مہمان رکھیں- صبح کو میں اپنے ہمراہ لے جاؤں گا-وہ اس بات پر راضی ہو گئے اور ہم شب کو وہیں رہے- صبح کو اٹھ کر ہم مکان سے باہر ہوئے- میر غلام عباس سے کہا اب کیا تدبیر ہے-انہوں نے کہا کہ آؤ-سب چل کر اجیت پور کی سرا میں بیرون شہر قیام کریں- میں تم کو ایک امیر حاتم ہمت کے مکان پر لیے چلتا ہوں اگر اس نے حامی بھر لی اور تم کو اپنے مکان پر ٹھیرا لیا تو پھر نواب صاحب بھی نہیں نکال سکتے- غرضکہ اور سب کو تو سرائے اجیت پور کو روانہ کیا اور میں اور غلام عباس ان امیر صاحب کے مکان پر پہنچے -وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ بڑا دروازہ ہے اور اس میں ایک بڑا دیوان خانہ ہے- اور ایک چوکی تخت بچھا ہوا ہے اس پر جانماز بچھی ہوئی ہے اور ایک مرد پیر نورانی شکل بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے ہیں- میر غلام عباس کو دیکھتے ہی بیتاب ہو کر دوڑے- ارے میاں غلام عباس تم کہاں چلے گئے تھے- تمہارے دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں- غرضکہ باہم مصافحہ کر کے ہم تینوں شخص تخت پر بیٹھے- میر غلام عباس سے ان حضرت نے حال دریافت کیا-انہوں نے از ابتدا تا انتہا اپنے لکھنو جانے اور واپس آنے کی کیفیت بیان کی پھر میری جانب مخاطب ہو کر ان بزرگوار نے فرمایا- ان کی تعریف بیان کیجئے- میر غلام عباس

نے کہاان کا حال نہ دریافت کیجئے - آپ کو سننے کی تاب نہ ہو گی - خلاصہ یہ ہے کہ دلی کے
ہنے والے ہیں اور عمائد شہر سے ہیں مگر اب تو مصیبت زدہ مظلوم سید ہیں - جب سید کا لفظ
ن کی زبان سے نکلا تو وہ بزرگوار کریم الصفات اٹھ کر مجھ سے بغلگیر ہوئے اور میر غلام
عباس سے کہا کہ واسطے خدا کے تم مفصل حال بیان کرو - ان کی کیفیت سن کر میرے دل پر
ہایت صدمہ ہوا - میر غلام عباس نے بیان کیا کہ فلاں فلاں شخص ہیں - اس مناصب کے
ُگ ہیں - گھر بار لٹ گیا، خانہ ویران ہو کر اپنی جان بچائے پھرتے ہیں - زمین بھی اپنے اوپر
ؤں رکھنے نہیں دیتی - اگر آپ سادات نوازی فرما کے اپنے مکان پر ان کو تھوڑی سی جادیں
ر کوئی دن ٹھہرائیں یہ آپ کے احسان مند ہونگے - یہ سنکر وہ فرشتہ سیرت بولے میرے
ماں نصیب کہ پانچ یا چار بنی فاطمہ میرے فقیر خانہ پر مہمان ہوں - میری عین سعادت اور
ُش نصیبی ہے کہ یہ میرے مکان پر تشریف رکھیں اور اس کے ساتھ یہ امر بھی آپ یاد
کھئے - جب تک فصیح اللہ خاں کا جسم سلامت ہے کسی کا مقدور نہیں کہ انکی جانب آنکھ اٹھا کر
یکھ لے - اسی وقت حکم دیا کہ میری منجھولی لے جاؤ اور باقی صاحبوں کو سوار کر کے لے آو - غر
ضکہ دیوان خانہ میں فرش کرادیا - خدمتگاروں سے کہہ دیا خدمت میں حاضر رہو اور گھر میں
کھانا تیار کرانے کا حکم بھجوادیا - تھوڑی دیر میں میرے والد اور بھائی اور بہنوئی بھی آگئے - نواب
صاحب سب سے ملے اور بہت خوش ہوئے اور کھانے کے واسطے گھر میں کہہ دیا کہ دونوں
وقت تیار کر کے بھجوادیا کرو - غرضکہ اب فضل الٰہی شامل ہوا اور اس دشت گردی صحرانوردی
سے نجات پاکر ایک امن کے گنبد میں ہم ہو بیٹھے - دو تین روز کے بعد اس رئیس مسافر نواز نے
یہ اور احسان کیا کہ نواب یوسف علی خاں صاحب بہادر مرحوم کے پاس گئے - نواب صاحب
نے پوچھا دادا صاحب آج آپ کس طرح تشریف لائے - کہا کہ میں تمغہ بے بہا آپ کے
واسطے لایا ہوں - نواب صاحب بہادر نے پوچھا کیا تمغہ ہے - فصیح اللہ خان صاحب نے کہا کہ
زاد عقبےٰ - نواب صاحب نے دریافت کیا کہ زاد عقبی کونسا ہے - کہا کہ پانچ شخص بنی فاطمہ کو
میں نے اپنے مکان پر پناہ دی ہے - تم سے اس بارہ میں امداد کا خواستگار ہوں تاکہ تم اس کار خیر
میں شریک ہو - وہ یہ ہے کہ یا تو تم صاف مجھ سے کہہ دو کہ تم ان کو اپنے مکان پر نہ رکھو تو میں
ان کو رخصت کر دوں یا حمایت کرو تو پوری کرو - بعد چار دن کے اگر تم ان کو گرفتار کر کے
انگریزوں کے سپرد کر دو تو یہ مجھ سے گوارا نہ ہو سکے گا - جب میرا سر کٹ جائیگا جب کوئی ان

کو ہاتھ لگائے گا- نواب صاحب بہادر نے فرمایا کہ بھلا دادا صاحب میں ایسا شخص ہوں کہ سادات میرے گھر پر آکر پناہ پذیر ہوں اور میں ان کو آگے دے کر قتل کرادوں- ہر گز مجھ سے نہ ہو گا- بشر طیکہ بریلی میں نوکری نہ کی ہو- فصیح اللہ نے قسم کھائی کہ نہیں حضرت انہیں نوکری سے کیا تعلق وہ تو دلی کے آدمی ہیں- بادشاہی ملازم وہ بریلی میں کیا نوکری کریں گے- شاید تم ان لوگوں کے نام و نشان سے واقف ہو کیونکہ دلی میں بہت دنوں تک رہے ہو- جب فصیح اللہ خاں صاحب نے نام بتائے، عہدے بتائے، نواب صاحب نے فرمایا- میں سب سے واقف ہوں- کوئی بغاوت پیشہ نہیں ہے- شوق سے اپنے گھر میں رکھو اور ان کا اطمینان کردو کہ اب کسی طرح کا تم کو جان کا اندیشہ نہیں- میں سمجھ لوں گا- بریلی کا فیصلہ ہونے کے بعد میں خود تمہاری صفائی انگریزوں سے کرادوں گا اور معافی نامہ دلادوں گا- چین سے یہاں بیٹھے رہو- یہ باتیں کر کے فصیح اللہ خاں صاحب وہاں سے خوشی خوشی مکان پر آئے اور ہم سب سے کہا کہ لو مبارک ہو- میں نواب صاحب بہادر سے تمہاری صفائی کر آیا- نواب صاحب بہادر نے وعدہ فرمایا ہے کہ میں انگریزوں سے معافی نامہ دلادوں گا- جہاں جی چاہے رہو- کوئی مزاحم نہ ہوگا- غرضکہ اس امر کے بعد ہم کو اطمینان کلی حاصل ہو گیا- اور بے خوف و خطر رہنے سہنے لگے داغ صاحب کو خبر ہوئی- وہ اسی روز آکر ملے انہوں نے یہ حسن سلوک کیا کہ مجھے اور میرے چھوٹے بھائی امراؤ مرزا انور کو صاحبزادہ محمد رضا خاں صاحب داماد نواب یوسف علی خاں صاحب مرحوم کی سرکار میں نوکر رکھوادیا- صاحبزادہ موصوف کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا اور منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم آکر نواب کی غزل اور اپنی غزل پڑھا کرتے تھے- صاحبزادے محمد رضا خاں صاحب نے فرمایا کہ تم بھی غزلیں لکھو- ہم نے ہر چند انکار کیا کہ ہنوز ہمارے اوسان درست نہیں ہیں- مصیبت زدہ ہیں کیا غزل لکھیں گے- مگر صاحبزادے صاحب موصوف نے زیادہ تر اصرار کیا- ناچار ہم نے غزلیں لکھ کر مشاعرہ میں پڑھیں- بس اسی روز سے تمام رام پور میں ہمارے کلام کی شہرت ہو گئی- خلقت نے ہماری گرویدگی اختیار کی- نواب صاحب بہادر نے حسب وعدہ بریلی میں جا کر صاحبان انگریز سے صفائی کا سارٹیفکیٹ حاصل کر کے ہمارے پاس بھجوادیا- عرصہ چار سال کے قریب ہم رام پور میں رہے انہیں ایام میں ہمارے گھر کے آدمی بھی پانی پت سے رام پور پہنچ گئے-

☆

چھٹاباب

وطن کو مراجعت

نواب فصیح اللہ خاں صاحب جن کے اوصاف حمیدہ اوپر بیان ہو چکے ہیں یہ نواب فیض اللہ خاں بہادر مرحوم کی اولاد میں سے تھے اور نواب یوسف علی خاں بہادر نواب رام پور کے رشتہ کے دادا ہوتے تھے۔ زمانہ قیام رامپور میں جب میرے گھر کے آدمی میرے پاس پہنچے ہیں تو ایک سال بعد میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ ور ان کا نام سجاد مرزا رکھا گیا۔ وہ چھ سات مہینے کا تھا جب اشتہار واگزاشت جائداد دہلی کا میرے پاس پہنچا اور مضمون اشتہار یہ تھا کہ سرکار نے کل رعایا کا قصور معاف فرمایا۔ جس جس کی جائداد دہلی میں ہو وہ آکر سرکار میں عرضی گزرانے بعد تحقیقات اس کو سارٹیفکیٹ وراثت کا دیا جائے گا۔ چنانچہ اسی خوشی میں میں رام پور سے دلی کو آیا تو اس زمانہ میں ہملٹن صاحب کمشنر تھے اور کوپر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر دہلی تھے مگر یہ دونوں حاکم ایسے رحم دل، منصف وعادل رعایا پرور وداد گستر تھے کہ ان کی تعریف میری زبان سے ادا نہیں ہو سکتی۔ ان دونوں بہادروں نے دلی کو آکر آباد کیا اور خلقت کو شہر میں بسایا اور وہ رعیت نوازی فرمائی کہ رعیت کے دل سے سب رنج و غم زمانہ غدر کا بھلا دیا۔ میں نے شہر آشوب میں کوپر صاحب بہادر کی تعریف میں ایک بند لکھا ہے فی الحقیقت وہ بیان واقعی ہے اس میں کچھ مبالغہ نہیں ہے یا تو وہ زمانہ تھا سرکار کا نائرہ قہر و غضب التہاب پر تھا اور صدہا مخبر چھوٹے ہوئے تھے۔ اور جابجا سے دلی کے آدمی گرفتار ہو کر دلی میں چلے آتے تھے اور دلی میں تین پھانسیاں گڑھی ہوئی تھیں۔ ہر روز سینکڑوں پھانسی پر کھینچے جاتے تھے اور مٹکاف صاحب شکار کھیلتے پھرتے تھے جس کو جوان دیکھتے تھے طپنچہ سے شکار کرتے اور پوچھ پرسش قصور بے قصور کی نہ تھی۔ چنانچہ بہت سے آدمی بے قصور دلی کے شرفا کہ جن میں اکثر امیر زادے اور نام آور اشخاص تھے مثل نواب محمد حسین خاں اور نواب مظفر الدولہ اور

میر محمد حسین وغیرہ سکنائے محلہ بلی ماراں الور سے گرفتار ہو کر دلی کو آتے تھے - جب مقام گڑگانوے میں پہنچے تو حاکم ضلع نے حکم دیا کہ ان کا دلی لے جانا کچھ ضرورت نہیں ہے - ان کا یہی فیصلہ ہو جانا چاہئے اور ان غریبوں کو وہیں باڑیں ماردی گئیں اور ان کا کام تمام کر دیا - دلی میں ہزاروں بے گناہ پھانسی پا گئے اور بادشاہ کو قید کر کے معہ زینت محل بیگم وجوان بخت شاہ عباس وغیرہ شاہزادگان خورد وسال کو ہمراہ بادشاہ رنگون میں لے جا کر نظر بند رکھا گیا - یا ایک زمانہ یہ دیکھنے میں آیا کہ نواب ا؎ وائسرائے لارنس صاحب بہادر گورنر جنرل ہو کر ولایت سے ہندوستان کو آئے اور حکام عادل رحمدل مقرر کئے گئے اور رعیت کو مثل اولاد کے چھاتی سے لگایا گیا اور جا بجا سے بلوا کر دلی میں آباد کیا گیا اور سب کی جائداد واگزاشت فرمائی -

یہ وہی فورٹ صاحب حاکم گڑگانوں تھے - جنہوں نے گرفتاران الور کر اثنا راہ میں تہ تیغ کیا تھا اب مقام کجلی بن میں متصل پیلی بھیت پہنچ کر اسمعیل خاں جرنیل کی معرفت تمام باغیان باغیہ فوج کا قصور معاف فرمایا - اور گھوڑے اور ہتھیار لے کر سارٹیفکیٹ معافی قصور کے تقسیم کئے اور ان کو گھروں کو روانہ کیا میں ان روزوں میں مقام رامپور میں مقیم تھا - جب یہ معاملہ پیش آیا ہے اور اسماعیل خاں جرنیل فوج باغیہ رام پور میں آئے ہیں اور ان سے ملاقات ہوئی ہے - ان کی زبانی یہ سب حال مجھ کو معلوم ہوا اس وقت تک چالیس ہزار فوج باغیہ نے جو مسلح کجلی بن میں موجود تھی ہتھیار ڈال دیئے - یہ سب انقلابات میری نظر سے گزرے ہیں -

تلاشِ معاش: قصہ کوتاہ جب میں دہلی میں وارد ہوا ہوں اور کوپر صاحب بہادر

ا؎ یہ وہی لارڈ لارنس ہے جو غدر کے ایام میں پنجاب کے لفٹنٹ گورنر (چیف کمشنر) تھا - لارڈ ایلگن کے مرنے پر ۱۸۶۴ء میں اسے ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا - بادشاہ کے مقدمہ میں کمیشن کے فیصلے پر اسی نے ریویو لکھا تھا اور بادشاہ کو جلاوطن کرنے کی سفارش کی تھی - غدر کے ایام میں اسی نے پنجاب سے سکھوں کی فوجیں دہلی بھیجی تھیں - ان خدمات کی وجہ سے اسے گورنر جنرل مقرر کیا گیا - اس نے دہلی میں مسٹر کوپر کو حاکم اعلےٰ مقرر کیا - اور غدر کے زمانے کے بھاگے ہوئے مسلمانوں کو دہلی میں آکر آباد ہونے کی اجازت دیدی -

سے مل کر اپنے مکانات واگزاشت کرائے ہیں تو اس کے بعد میرے والد بزرگوار سب اہل وعیال کو ہمراہ لے کر دہلی میں آگئے اور امراؤ میرزا میرے چھوٹے بھائی کو مولوی رجب علی خاں صاحب کے چھاپے خانہ میں کتابت پر پچاس روپیہ ماہوار کا نوکر رکھ کر مقام جگراؤں ا۔(ضلع لودھیانہ) کو لے گئے اور والد بزرگوار میرے چھوٹے بھائی کے ہمراہ گئے۔ میری یہ کیفیت تھی کہ میں بے روزگار تھا۔ ہمراہ اہل وعیال اور میری خوش دامن وغیرہ اور میں اپنی سسرال کے مکانات میں مقیم تھا۔ اب مجھے اور فکر دامنگیر ہوا کہ الہی دلی میں تو آیا مگر بسر اوقات کی کیا صورت کی جائے اور وہ زمانہ قحط سالی کا تھا۔ آٹھ سیر کا نرخ غلہ کا تھا۔ مگر خدا رزاق ہے میری سمجھ میں ایک بات آگئی۔ کچھ حیلہ کر کے روٹی پیدا کرنی چاہیے۔ ان روزوں ریل دہلی میں نہیں آئی تھی۔ کاٹ میل پر ڈاک روانہ ہوا کرتی تھی۔ اور ڈاک خانہ کے گھوڑے بہت مر گئے تھے۔ ڈاک خانہ میں گھوڑوں کی بہت خواستگاری تھی میں نے گھوڑوں کی تلاش کی۔ ایک گھوڑا قلعہ میں ایک انگریز کے پاس تھا۔ میں نے اور ایک نے شریک ہو کر وہ گھوڑا چودہ روپیہ کو خرید کیا۔ اسے لے کر ہم دونوں ڈاک خانہ میں پہنچے۔ ستر روپیہ کو وہ بکا۔ مالک کے چودہ روپیہ مالک کو دے دیئے منافع ہم دونوں نے برابر تقسیم کر لیا شام کو آدھے آدھے روپیہ لے کر اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے۔ پھر تو ہم دونوں آدمیوں کو یہ مزہ پڑا کہ علی الصبح اپنے اپنے گھروں سے دعا مانگ کر نکلتے تھے یا رازق مطلق تو روزی دینے والا ہے دن بھر شہر میں گھوڑے تلاش کرتے ایک دو گھوڑے ہم کو مل جاتے ہم ارزاں قیمت پر خرید کرتے اور گراں قیمت میں ڈاک خانہ میں جا کر فروخت کر آتے تھے روز خداوند عالم ہم کو دس پندرہ روپیہ محنتانہ کے دلا دیتا تھا۔ شام کو خوشی خوشی اپنے گھر چلے آتے تھے۔ ہم کو قحط سالی معلوم بھی نہ ہوتی تھی کہ کئی روز کے بعد ایک گھوڑا پھر ہم نے تیرہ روپیہ کو خریدا اور وہی ستر روپیہ کو جا کر ڈاک خانہ میں بیچا۔ اسی طرح خدائے تعالی ہمکو منافع دلائے جاتا تھا اور وجہ یہ تھی کہ باعث قحط سالی کے لوگوں کو گھوڑے کا رکھنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ لامحالہ ارزاں قیمت پر فروخت کر دیتے تھے۔ ایک روز کا مذکور ہے کہ ہم دوپہر تک متلاشی رہے۔ کوئی گھوڑا ہم کو

ا۔ ضلع لودھیانہ میں تحصیل ہے۔ جہاں ارسطو جاہ میر مولوی رجب علی خاں بہادر میر منشی گورنر جنرل کا خاندان آباد تھا۔ یہ خاندان ستمبر ۱۹۴۷ کے انقلاب تک یہاں آباد رہا۔

دستیاب نہ ہوا۔ دوپہر کو کنجنیوں کی گلی میں گزرتے تھے کہ یکا یک ایک شخص نے ہم سے کہا کہ ہمارے پاس ایک گھوڑا بہت عمدہ ہے۔ اگر تم خرید کرو تو ہم فروخت کرتے ہیں۔ ہم دونوں آدمیوں نے اس شخص کے ہمراہ جا کر گھوڑے کو دیکھا۔ واقعی گھوڑا خوش قوم ترکی بخارا کا تھا اسی روپیہ کو ہم نے وہ گھوڑا خرید کیا اور پانچ روپے بیعانہ کے مالک کے حوالہ کیے اور مابقا کا وعدہ کیا کہ شام کو زر قیمت ادا کر دیں گے اور خدا پر توکل کر کے گھوڑا کھلوا کر ہم لے کر چلے۔ جب تک شہر کا کابلی دروازہ برقرار تھا مگر مکانات انہدام کرائے جا رہے تھے۔ جب ہم کابلی دروازہ میں پہنچے تو ایک چپراسی ہم کو ملا اس نے پوچھا کیا گھوڑا بکاؤ ہے۔ ہم نے کہا ہاں بیچنے کا ہے۔ چپراسی نے کہا تم دروازہ کے باہر جاؤ۔ ہمارے صاحب کی پلٹن پڑی ہوئی ہے۔ وہ پلٹن کے کپتان ہیں۔ تم ان کا ڈیرا دریافت کرو۔ ان کو ایسے گھوڑے کی تلاش ہے۔ وہ دیکھتے ہی فورا خرید لینگے ہم شہر سے باہر نکل کر انہیں صاحب کے ڈیرے کے پاس پہنچے کہ صاحب خود ہی ڈیرے سے برآمد ہو گئے اور ہم سے پوچھنے لگے کہ گھوڑا بیچتے ہو۔ ہم نے جواب دیا۔ ہاں صاحب بیچتے ہیں۔ پھر پوچھا یہ شوخی تو نہیں کرتا ہے۔ ہم نے کہا نہیں صاحب یہ ترکی ہے شوخی کیا جانے۔ کہا ہم اس پر سوار ہوں۔ ہم نے کہا۔ بیشک سوار ہو کر دیکھ لیجیے۔ صاحب انگریزی زین بندھوا کے اس پر سوار ہوئے گھوڑا نہایت قدمیانہ خوش رفتار تھا۔ صاحب بہت خوش ہوئے۔ گھوڑے پر سے اتر کر قیمت پوچھنے لگے۔ ہم نے چار سو روپیہ قیمت بیان کیے۔ وہ بولے قیمت زیادہ ہے۔ واجبی دام کہنے چاہئیں۔ بعد ازاں یہ کہا ہمارے پاس ایک گھوڑا ہے۔ وہ گھوڑا ہم سے لے لو باقی کی قیمت لے لو۔ ہم نے کہا وہ گھوڑا ہمیں دکھاؤ۔ وہ گھوڑا منگا کر دکھایا گیا۔ واقعی وہ بھی جوان تھا۔ اچھا تھا مگر اتنی بات تھا کہ قوم کا تاتاری تھا۔ بہر حال وہ گھوڑا اور سو روپیہ نقد ہم نے لئے اور اپنا گھوڑا ان کے حوالہ کیا۔ ہم سو روپیہ اور گھوڑا لے کر شہر میں آتے تھے کہ گھوڑے کی قیمت کے روپیہ مالک کو چل کر دے دیں۔ اسی کابلی دروازہ کے اندر داخل ہوئے تھے کہ سامنے ایک کمرہ میں سے ایک بوڑھے صاحب نے ہم کر آواز دی کہ تم گھوڑا بیچتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں بیچتے ہیں۔ وہ کمرہ سے نیچے اتر آیا اور گھوڑے دیکھ کر پسند کیا اور وہی معاملہ یہاں بھی پیش آیا جو صاحب بہادر سے پیش آیا تھا۔ یعنی یہ صاحب بھی بولے کہ ہمارے پاس ایک گھوڑا ہے اس گھوڑے کو اس گھوڑے سے بدل لو اور باقی قیمت کے روپیہ لے لو۔ وہ گھوڑا بھی جوان تھا۔ ہاتھ پاؤں سے صاف۔ بے عیب مگر ہمارے گھوڑے سے کسی قدر

لاغر تھا۔ قصہ مختصر سوروپیہ اور وہ گھوڑا لے کر ہم نے اپنا گھوڑا ان کے حوالہ کیا وہاں سے چل کر ہم نے پہلے گھوڑے والے کی قیمت کے روپیہ ادا کیے۔ اس اثنا میں شام ہو گئی جو کچھ روپیہ منافع کے تھے وہ برابر تقسیم کر لئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر میں اپنے مکان کو روانہ ہوا۔ راستہ میں سے دانہ گھاس اگاڑی پچھاڑی میخیں وغیرہ اپنے ہمراہ لیتا ہوا مکان پر پہنچا۔ اور گھوڑے کو لگا دیا۔ گھوڑے کو دانہ خوب شکم سیر کر کے کھلایا۔ اور گھاس آگے ڈال دی۔ شب کو اپنے گھر میں آرام کیا۔ دوسرے روز صبح کو ڈاک خانہ میں لے جا کر چھتر روپیہ کو اسے بھی فروخت کر دیا۔ خدا کی دین کو دیکھا چاہیئے کہ ایک گھوڑے میں اور ایک ہی دن میں ہم کو دو سو روپیہ منافع دلا دیئے۔ غرضکہ جب تک قحط سالی رہی مجھ کو معلوم نہ ہوا کہ گرانی کیا شے ہے۔ بعد سال بھر کے وہ گھوڑوں کی خریداری بند ہو گئی اور میرے والد میرے چھوٹے بھائی امراؤ مرزا کی شادی کرنے کے لئے پانی پت میں آئے اور اس کی شادی کر کے اسے پانی پت میں چھوڑ کر میرے پاس دلی میں چلے آئے اور آتے ہی بیمار ہو گئے۔ ادھر میں بیمار ہو گیا اور دونوں کو شدت سے بخار آتا تھا۔

مہاجن نے نالش کر دی: اسی حالت بیماری میں بنارسی داس خزانچی نے اپنے قرضہ کی نالش مجھ پر اور میرے والد پر کر دی اور وہ قرضہ زمانہ غدر سے پہلے کا تھا جو شادیوں میں لیا گیا تھا۔ اور جو سود در سود لگا کر دو ہزار کے قریب کر دیا گیا تھا میں اور میرے والد دونوں بیمار تھے کوئی جواب دہی کرنے والا نہ تھا۔ یکطرفہ ڈگری ہو گئی۔ اس اثنا میں میرے والد نے انتقال فرمایا۔ میں ایک تو بیمار تھا اس پر یہ صدمہ عظیم واقع ہوا۔ زیادہ تر بیمار ہو گیا تھا۔ خیر تجہیز و تکفین تو ان کی ظہور میں آئی۔ مگر میری زندگی کے لالے پڑ گئے۔ میں تین ماہ میں خدا خدا کر کے تندرست ہوا تو اجرائے ڈگری ہو کر مکانات کے نیلام کا حکم چڑھ چکا تھا وہ مکانات جو دس ہزار روپیہ کی قیمت کے تھے۔ دو ہزار میں نیلام ہو کر قرض خواہ کو دلا دیئے گئے۔ ایک حبہ مجھے دستیاب نہ ہوا۔ اب تندرست ہوا تو فکر معاش کی ہوئی۔ خدا کی قدرت سے ان روزوں میں نیا نیا ٹھیکہ چنگی کا دلی میں ہوا تھا۔ میں تھوڑی سی تنخواہ کا چنگی (پون ٹوئی) میں نوکر ہو گیا اور اسی زمانہ میں حکیم احسن اللہ خاں نے مجھ سے قصہ ممتاز لکھوایا۔ دس روپیہ جزو کی اجرت پر میں نے قصہ ممتاز فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ بعد سال بھر کے جب پون ٹوئی کا ٹھیکہ تبدیل ہوا اور دوسرے ٹھیکہ داروں کے حوالہ کیا گیا تو انہوں نے اپنا عملہ بھرتی

کیا- میں معزول ہو کر خانہ نشین ہوا- چند روز کاپی نگاری پر بسر اوقات کی- مگر انہیں دنوں میں اخبار جلوہ طور جو بلند شہر سے نکلتا تھا میں اس کا ایڈیٹر ہو کر بلند شہر چلا گیا- اس اخبار نے بہت ترقی پائی- وہ اخبار ریاست الور میں بھی جاتا تھا- اور مہاراجہ شودان سنگھ والئی ریاست الور کے ملاحظہ سے گزرتا تھا- انہوں نے دریافت فرمایا کہ اس اخبار کا ایڈیٹر کون ہیں اور کون لکھتا ہے اتفاق سے میرے ایک دوست مرزا علی نقی صاحب تحصیلدار موجود تھے- انہوں نے میرا نام بتایا اور حال بیان کیا- مہاراجہ صاحب بہادر نے فرمایا کہ اسے یہاں بلوالو- ہم نوکر رکھ لیں گے- غرضکہ انہوں نے مجھے لکھا کہ تم نوکری چھوڑ کر یہاں چلے آؤ- یہاں مہاراجہ صاحب بہادر بہت قدر دانی فرمائیں گے- پہلے دو چار بار میں نے عذر کیے- مگر انجام کشش آب ودانہ نے منجانب اللہ ایسی صورت واقع ہوئی کہ لامحالہ میں الور جانے پر مجبور ہو گیا اور خواہ مخواہ جانا ہی پڑا- ادھر میرے عزیز میر مہدی حسین صاحب مجروح اور میر سرفراز حسین صاحب وہاں موجود ہی تھے- میں اور امراؤ زادونوں الور میں پہنچے اور مہاراجہ صاحب کو نذر گزرانی-

ساتواں باب

ریاست الور کی ملازمت

ریاست کے حالات

مہاراجہ صاحب نہایت درجہ کے خوش بیان۔ شیریں گفتار خوش تقریر تھے۔ اثنا گفتگو میں فرمانے لگے۔ میں میوات کا رئیس ہوں۔ تم دلی کے رہنے والے۔ پلاؤ قلیہ کے کھانے والے ہو۔ میرے ہاں تو موٹھ باجرا کی روئی ہے۔ اگر قبول کرو۔ تو بسم اللہ حاضر ہے۔ میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ یہ جو باجرہ پلاؤ قلیہ سے بہتر ہے ہزار نعمت کے برابر ہے۔ اگر ایک وقت بھی مجھے روئی مل جائے گی تو حضور کا دامن نہ چھوڑوں گا۔ پھر فرمایا اگر مفصلات میں روزگار چاہو تو وہاں تنخواہ کثیر ممکن ہے۔ مگر چار کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا اور اگر حکام بالادست تمہارے شاکی ہوں گے تو مجھے پاسداری سرشتہ کی کرنی پڑے گی۔ تمہاری رعایت ملحوظ نہ ہوگی اور اگر میرے پاس رہنا چاہو تو تنخواہ قلیل ہوگی اور میرا ہی محکوم بن کر رہنا پڑے گا۔ دوسرا حاکم اور نہ ہوگا۔ میں نے عرض کی حضور کی خدمت میں رہنا مفصلات سے ہزار درجہ بہتر سمجھتا ہوں۔ غرضکہ اسی روز میں اور میرا چھوٹا بھائی ملازم ہو گئے۔ دفتر میں چہرے لکھا دیئے گئے۔ ایک ایک بیش قیمت گھوڑا خاص طویلہ میں سے ہمارے لئے تعینات ہو گیا۔ شبانہ روز خدمت میں حاضر رہنے لگے۔ عجب عیش عشرت سے بسر ہوتی تھی کہ کوئی رنج وفکر پاس نہ آتا تھا۔

ع نے غم دزد نے غم کالا

دن رات ہنسی قہقہے۔ دل لگی۔ گنجفہ۔ چوسر۔ ناچ۔ رنگ۔ میلا۔ تماشا۔ سیر شکار میں زندگی بسر ہوتی تھی۔ جہاں مہاراج سوار ہوتے تھے ہم لوگ اردل میں ساتھ رہتے تھے۔ بیس پچیس آدمی شریف زادے نوجوان۔ خوشخو۔ خوش پوشاک فراہم ہو گئے تھے۔ باہم

اتفاق تھا- مہاراجہ کو خوش و خرم رکھتے تھے- مہاراج کو بھی ہم لوگوں سے وہ انس و محبت تھا کہ دم بھر اپنے سے جدا نہ کرتے تھے- اچھے سے اچھا لباس پہناتے تھے اور ہر تقریب میں انعام اکرام خلعت وغیرہ ملتے رہتے تھے- عجب ایک صحبت رنگین فراہم ہوئی تھی کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے- مہاراجہ شودان سنگھ بہادر والی اور بیکنٹھ باشی نے جو عیش و عشرت اور داد و دہش فرمائی وہ ابوالحسن تاناشاہ کو بھی نصیب نہ ہوئی ہوگی- اس چھوٹی سی ریاست الور کا جو جاہ و تجمل میں نے دیکھا- وہ بڑی سے بڑی ریاستہائے ہندوستان میں کہیں نظر سے نہیں گزرا- اول تو ہر فن کا صاحب کمال ایسا الور میں موجود تھا کہ جس کا ہندوستان تو کیا ممالک غیر میں بھی جواب نہ تھا- آغا صاحب سا خوشنویس میر پنجہ کش مرحوم کا شاگرد جس نے لاکھ روپیہ کی تیاری کی گلستان لکھی-

نادر اشیاء: ابراہیم شمشیر ساز جس کی صناعی کی تمام ہندوستان میں دھوم تھی ایک ایسی تلوار بنائی ہے کہ تمام جسم میں اس تیغ کے بجائے جوہر موتی نصب تھے-- جس وقت ہاتھ میں علم کرو سب مروارید سمٹ کر قبضہ میں آجاتے تھے- اور جب تلوار کا ہاتھ مارو تو وہ موتی دوڑ کر بجائے جوہر تمام تلوار پر کھل جائیں- وہ تلوار میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی- اس کے سوا اور بہت بہت نایاب تلواریں اسکے ہاتھ کی سلخانہ میں دیکھنے میں آئیں- ایک تلوار میں سے تین تلواریں بر آمد ہوتی تھیں- ایک نجار مستری نے ایک پانچ گز دراز- ڈیڑھ گز عریض چاندی کی ایک میز تیار کی تھی اور اس میں ایک صنعت یہ کی تھی- کہ جب سامنے کے رخ سے اس میں کنجی پھیرو تو ایک طلسم کا کارخانہ نمودار ہوتا تھا- یعنی اس میز کے ایک جانب ایک بارہ دری بنائی تھی- اور اس کی پشت پر پہاڑ بنایا تھا- اور آگے بارہ دری کے سرتاسر ایک نہر بنائی تھی- اور دونوں جانب باغ لگائے تھے-- جس وقت اس کی کل کو مروڑا جاتا تھا تو بارہ دری کے اوپر اور پہاڑ پر ابر آتا معلوم ہوتا تھا اور اس میں گرج پیدا ہونے اور گرجنے کی آواز آتی تھی اور بجلی چمکتی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور مینہ برستا دکھائی دیتا تھا اور اس نہر میں پانی لہریں لیتا ہوا چلا آتا تھا- اور چھوٹی چھوٹی مچھلیاں لال سبز رنگ کی اس میں نظر آتی تھیں-

کتے: شکار خانے میں جو بھنگیوں کا داروغہ نوکر تھا- اس کو یہ کمال حاصل تھا کہ بازاری کتوں کو شیر سے لڑا دیتا تھا اور وہ کتے شیر کو مار لیتے تھے بارہا شکار شیر میں یہ کیفیت نظر سے گزری ہے- اس کا قاعدہ تھا کہ جب کتوں کے بچے ہوتے تو وہ زبردست پلے پکڑوا لایا کرتا

تھا۔ اور ان کو پرورش کر کے موٹا کرتا تھا اور جس دن شکار شیر کا حکم پہنچتا۔ اسی روز وہ پانچ چار جوڑی کتوں کو ایک ہلاس کی پوڑیا سنگھا دیتا تھا۔ بس اس ہلاس کا سونگھنا اور کتوں کا آپے سے باہر ہونا اور شیر کی بو کی ان کو جستجو ہو جاتی تھی۔ اور دورہ کے ہاتھ میں بیتاب رہتے تھے جب تک شیر پر ان کو نہ چھوڑا جائے اور جہاں وہ چھوٹے اور شیر کی بو پر لپکے جہاں شیر کو پایا وہ جمٹ گئے اور چیتھڑے اڑا دیئے۔ اس میں ایک دو کتے مارے بھی جاتے تھے۔ بلا سے کچھ غم نہیں بازاری کتا ہے کچھ قیمتی نہیں پچاس ساٹھ کتا ہمیشہ کتے خانہ میں تیار موجود رہتا تھا۔

گھوڑے: اصطبل جیسا الور میں دیکھا کسی ریاست میں نہیں دیکھا۔ خاص طویلے میں ساڑھے چار سو گھوڑا ران سواری کا ایک سے ایک اعلے تیار مرتب شائستہ ہزار کا، دو ہزار کا، چار ہزار کا، پانچ ہزار تک ہر وقت موجود۔ پانچ سو روپیہ سے کم قیمت کا ایک نہ تھا۔ بلکہ اسپ حور خانہ زاد تھا۔ اس کی نسبت مہاراج نے ایک بار سوداگران سے میرے سامنے کہا تھا۔ کہ اگر اس کے ساتھ کا دوسرا گھوڑا مجھ کو لا دو تو میں پچاس ہزار روپیہ دیتا ہوں۔ اسپ جور اور اسپ بے نظیر دونوں بھائی تھے۔ خانہ زدان کے ماں باپ دونوں کا ٹھیاوار کے تھے اور اسپ من پیار اور اسپ من مراد یہ بھی خانہ زاد تھے۔ ان کے باپ علیحدہ تھے۔ یہ جس قدر خاصوں کی تعداد میں نے اوپر بیان کی ہیہ ہر قوم کے اور کھیت کے تھے ان میں کا ٹھیاواری اور مارواڑی ان کے علاوہ بگھی خانہ کی گھوڑیاں جداگانہ تھیں۔ اٹھارہ سو سوار خانگی رسالہ کے تھے جن میں گھوڑے راج کے اور سوار بارگیر تھے۔ رسالہ کے پیچھے دو سانڈ کا ٹھیاواری رہا کرتے تھے۔ کہ وہ رسالہ کی گھوڑیوں پر ڈالے جاتے تھے اور ان کے بچے جو ہوتے وہ الگ پرورش پاتے۔ اچھے چھانٹ کر خاص طویلے میں داخل ہوتے۔ باقی رسالہ میں بھرتی کیے جاتے۔ علی ہذا القیاس لھوڑیاں عمدہ بگھی خانہ میں۔ باقی سواران میں تقسیم ہو جاتیں۔ وقت سواری جس وقت وہ خاص کوتل نکلتی ہے عجب اک شان و تجمل ہوتا تھا۔ کسی گھوڑے پر چاندی سونے کا جڑاؤ ساز۔ پھول پر سنہری پاکھریں۔ کھنوں پر جھانجن کے کڑے گلے میں رو پیلی۔ سنہری ہیکلیں بطنوں کے کرمانگے ہوئے زیر بند بھاری مغرق زردوزی کام کے غاشیے پڑے ہوئے چاکروں کے ہاتھوں میں کھیلتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا تھا پرستان سے پریاں ناچتی ہوئی چلی آتی ہیں۔ اب اصطبل تو ہندوستانی ریاستوں میں کہیں نہیں دیکھنے میں آتا۔ جس میں اس قدر گھوڑے خاصے ہوں۔ ہاں سلطان روم یا شاہ ایران کے ہاں ہو تو ہو۔

سواری روز مرہ شیوودان سنگھ کی اس شان وشوکت سے نکلتی تھی کہ کسی رئیس کی جلوسے سواری نہ نکلے گی۔شام کو دو گھڑی دن باقی رہے آدمیوں نے پوشاک بدلی اور دستار بندے ہاتھ کا پیچابند باندھا ہوا ہلکے رنگ کے یا تو دستار یا مندیل سر پر رکھے اور عطر کے کنٹروں کی کشتی آئی۔اس میں سے ایک کنٹر اٹھالیا اور سرے سے بلا کر درباراروں کی ہتھیلی پر عطر تقسیم کرنا شروع کیا۔جب عطر مل چکے تو جلسیوں نے عطر ہاتھ میں مل کر پوشاک کو بسانا شروع کیا۔جب اس سے فارغ ہوئے تو بنارسی دوپٹہ سے کمر باندھی اور تلوار ڈاب میں ڈال کر محل سے برآمد ہوئے۔خاصے گھوڑے پر آپ سوار ہو گئے۔پھر ہم لوگ اپنے اپنے گھوڑوں پر ہو کر اردلی میں سوار ہوئے۔آہستہ آہستہ موتی ڈونگرے تک سواری پہنچی۔بعد وقت شام وہاں سے واپس آتے تو دونوں جانب بانسوں پر قندیلیں روشن ہیں اور بیچ میں مہاراج کا گھوڑا ہے اور عقب میں پرار فیقوں کا ہے کہ وہ بھی سب زرق برق چلے آتے ہیں۔معلوم ہوتا تھا کہ برات چلی آتی ہے اور واقعی شودان سنگھ دولہا معلوم ہوتے تھے ایسی خوش نما سواری کسی رئیس کی دیکھی نہیں۔ارباب نشاط کی یہ کیفیت تھی کہ تمام جہاں کے انتخاب اور برگزیدہ۔ستار باز۔بین کار۔ربابی۔سرودیے۔گویے۔کلاونت موجود تھے۔امرت سین۔لال سین۔ستار باز۔غلام نقی اور بین کار جو مشہور روزگار ہیں الور میں موجود تھے۔گو کیا پنجابن سی گانے والی جو فرد روزگار تھی وہ الور میں موجود تھی۔اس کے علاوہ اور دنیا کی حسین طوائف الور میں موجود تھیں۔دو عورتیں سترہ سو روپیہ تنخواہ تھی۔جب مسند تکیہ پر مہاراج اجلاس فرماتے تھے اور دورویہ دربار مودب دوزانوں بیٹھے ہوتے تھے اور ارباب نشاط سامنے ہوتے تھے اور پچیس تیس شاہدان بازاری پری پیکر حور تمثال مشتری زہرہ خصال ناہید نوا، برق ادا، سراپا ناز و انداز کا ایک گلزار حسن کھلا ہوا تھا۔محفل کیا اکھاڑا ہوتا تھا۔

مسند کے آگے ایک چبوترا گلاب کی پتیوں کا دوڈھائی گز لمبا چوڑا ایک فٹ اونچا بنا دیا جاتا تھا اور قریب بیس پچیس سیر مقیش بادلہ کے گرداگرد سامون پر گراتا تھا اور وہ اس گلاب کے پتوں میں ملایا جاتا تھا اور پانچ چھ پترے چاندی کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت ڈنگرے شہاب اور زعفران کے رنگ کے پر کر آگے مسند کے رکھدیئے تھے۔مہاراجہ صاحب نے اس ڈنگرہ کا رخ ایک شخص کی جانب پھیرا اور اس کی کل دبائی اور بہت باریک اس میں سے برآمد ہوئی اور اس رنگ کی پھوار برسنے لگی۔اور مہین مہین افشاں تمام سفید پوشاک پر ہو گئی

جو گلاب کے پھولوں اور کترے ہوئے مقیش کے ریزوں کی مٹھیاں بھر بھر کے اہل دربار پر ڈالنی شروع کیں۔ جس شخص پر رنگ کی پھوار پڑی اور مقیش کی مٹھی پڑ گئی وہ اٹھ کر آداب بجالایا۔ اب یہ کیفیت ہو گئی کہ سر سے پا تک ہر شخص جگمگا اٹھا اور تمام دستار اور پوشاک اور چہرہ اور بال اور ڈاڑھی پر مقیش کی افشاں ہو گئی۔ غرضکہ وہ تمام پھول اور مقیش ہولی کھیلنے میں برابر ہو گئے اور لباس پر لوگوں کے مقیش جم گیا۔ ایسی محفل تاناشاہ نے بھی کبھی خواب میں نہ دیکھی ہو گی۔ علیٰ ہذا القیاس سالگرہ اور دسہرہ کی تقریب اور تیجوں کنکھوروں کی تقریبیں نہایت دھوم دھام سے ہوتی تھیں اور مسلمانوں کی دعوتوں میں ایک ایک آدمی کے پاس گز گز بھر میں کھانا چینی کے نایاب برتنوں میں چنا جاتا تھا اور خلعت وانعام وغیرہ تقسیم ہوتے تھے۔ ایسا رفیق پرور دریادل رئیس تو میری نظر سے نہیں گزرا۔

سخنوروں کی قدر و منزلت: مہاراجہ صاحب بہادر کو شعر و سخن کی جانب ازحد رغبت تھی اور نہایت درجہ کے سخن فہم عالی دماغ تھے۔ مذاق سخن اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اچھا شعر سن کر بے تاب ہو جاتے تھے اور فی الفور یاد فرماتے تھے قصیدہ بغیر صلہ کے کبھی نہیں سنا جس نے قصیدہ لکھا۔ صلہ معقول عطا فرمایا۔ ایک بار میں نے سالگرہ کا قصیدہ لکھ کر پڑھا جس وقت میں نذر دینے کو گیا۔ میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر سوال کیا کہ کیا چاہتا ہے۔ میں نے عرض کی حضور نے میرے دونوں ہاتھ پکڑے، اب میرے مانگنے کی حاجت ہی کیا؟ کوئی ایک ہاتھ تھامتا ہے تو عمر بھر اس کی دستگیری کرتا ہے حضور نے تو میرے دونوں ہاتھ تھام لئے اب مجھے کیا حاجت رہی۔ فرمایا یہ خوشی کی باتیں ہیں۔ مطلب عرض کر۔ میں نے عرض کی کہ قصیدہ ملاحظہ ہوا لکھا ہوا کیسا ہے؟ فرمایا بہت اچھا ہے ساکاما بھائی کے ہاتھ میں نے عرض کی کہ قصیدہ میرا نہیں اور شخص کا ہے فرمایا بہت اچھا لکھتا ہے۔ میں نے عرض کی باوجود اس کمال کے روٹی کو محتاج ہے۔ اس قصیدہ کے صلہ میں اس غریب کی پرورش ہو جائے۔ فرمایا کون شخص ہے میں نے عرض کی دولہ خاں پٹھان کی پلٹن کا ایک سپاہی ہے حکم ہوا سامنے بلواؤ۔ غرضکہ وہ سامنے حاضر ہوا اس کا بیس روپیہ ماہوار مقرر کر کے کتب خانہ میں تعینات کرا دیا گیا۔

مہاراجہ صاحب کے روبرو مشاعرہ ہوا کرتا درباری شعرا کے نام یہ ہیں۔ میر مہدی حسین مجروح۔ مرزا قربان بیگ سالک۔ امراؤ مرزا انور۔ میاں غلام احمد تصویر میاں

خدا بخش تنویر اور فقیر ظہیر۔

شاعر کی نہایت عزت و آبرو فرماتے تھے اور شعر کی قدر دانی کرتے تھے۔

الور کی ملازمت سے علیحدگی : غرضکہ تین چار سال کے عرصہ تک الور میں اس عیش و آرام سے بسر ہوتی رہی۔ اب فلک تفرقہ انداز کو یہ صحبت بھی ناگوار گزری اور درپے تخریب ہوا۔ قوم راجپوت کہ ہمشہ سے شتر کینہ ہوتے آئے ہیں اور مسلمانوں کی جانب سے مادہ فسادو تعصب ان کی سرشت میں مخمر ہے اور نائرہ رشک و حسد سے ان کے دل میں التہاب ہوا کہ یہ لوگ مسلمان مہاراج کے در خور صحبت ہیں اور آٹھوں پہر مہاراج کے پاس رہتے ہیں اور مصاحبت گرم ہے اور مہاراجہ صاحب ہماری طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہیے کہ یہ جمیت مثل اوراق گنجفہ منتشر ہو جائیں۔ چنانچہ باہم خفیہ خفیہ یہ صلاح و مشورے ہونے لگے اور لکھ بیر سنگھ ٹھاکر مخروج کو آمادہ فتنہ و فساد کر کے بغاوت پر برانگیختہ کیا اور سکھدیو سنگھ راعی نے ایک جماعت بدسگال غارتگر جمعداری جبلپور میں فراہم کر کے پانچ چھ ہزار آدمی سے عملداری الور پر حملہ کیا اور علاقہ تحصیل نراین پور اور پرگنہ بانور ولال گڈی وغیرہ پر تاخت کر کے تاراج کرنا شروع کیا اور تحصیلیں لوٹ لیں۔ گھوڑوں کے اصطبل جلادیئے۔ جب یہ خبر مہاراج کو پہنچی تو الور سے دولہ خاں کپتان کو معہ مسلح پلٹن اور نواب کامدار خاں کو معہ رسالہ سواران واسطے سرکوبی فرقہ باغیہ روانہ کیا۔ ان بہادران نہور شعار اور غازیان نصرت وقار نے جاتے ہی ان بدمعاشوں کی وہ کفش کاری کی کہ بھاگتے نظر آئے اور کئی کوس تک لاشیں ڈال دیں۔ اور بہت سے سرغناؤں کے سر کٹوا کر حضور میں بھیج دیئے۔ کھمدیر سنگھ باغی ہزیمت پاکر علاقہ پرتاب گڑھ راجگڑھ وغیرہ کی جانب مفرور ہوا۔ ان بہادروں نے وہاں بھی ان کا تعاقب کر کے کہیں اس کا قدم جمنے نہ دیا۔ آخر الامر اہلکار زیر بندے نے آکر اس کو تنبیہ اور تہدید کی کہ اگر آج سے پھر عملداری الور میں قدم رکھا تو سرکار کی جانب سے بڑی خبر لے جائے گی۔ جب وہ مایوس اور پشیمان ہو کر عملداری جے پور میں پناہ پذیر ہوا تو راجپوتوں نے عرضیاں بھیجنی شروع کیں کہ یہ مسلمان لوگ راجہ کو بہکا کر خراب کرتے ہیں اور راجہ کو مسلمان کر لیا ہے ان لوگوں کا الور سے اخراج ہونا مناسب ہے۔ ان کی وجہ سے الور میں فتنہ و فساد برپا ہوتا ہے۔ سرکار سے مسلمانوں کے علیحدہ کر دینے کا حکم مہاراجہ صاحب کے پاس پہنچا۔ ایک حکم ٹال دیا دوسرا حکم ٹال دیا آخر تیسرے حکم پر ہم

لوگوں نے متفق ہو کر عرض کی- ہم لوگوں کے واسطے آپ اپنی ریاست کیوں برباد کرتے ہیں آپ ہم لوگوں کو رخصت فرمائیں- ہم آپ کے قدموں سے لگے ہوئے پڑے ہیں- ایک دو برس میں پھر حاضر ہو جائیں گے- غرضیکہ بہزار دقت سمجھا سمجھو کر ہم الور سے رخصت ہو کر دلی میں آبیٹھے- برس روز تک ہماری تنخواہیں گھر پر آتی ہیں- بعد ایک سال کے میں نے نواب مصطفےٰ خاں صاحب شیفتہ سے ایک روز یہ بات کہی کہ الور کی صورت آپ کو معلوم ہے یہ امر تاب کے گھر بیٹھے ہوئے کون تنخواہ عمر بھر دیا کرتا ہے- اگر آپ کے ذریعہ سے ریاست جے پور میں کوئی سبیل روزگار کی نکل آئے تو بہت مناسب ہے- میں آپ کا ممنون احسان ہوں گا- چونکہ نواب صاحب ممدوح کریم الاخلاق تھے اور مجھے پیشتر ان کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا اور مجھ پر الطاف بزرگانہ فرماتے تھے، انہوں نے اسی وقت نواب فیض علی خاں صاحب بہادر المہام کے نام میری سفارش میں خط لکھ کر روانہ فرمایا اور ان کے صاحبزادہ نواب محمد علی خاں نے منشی امداد علی خاں صاحب برادر کوچک نواب صاحب کے نام خط بھیجا- پانچویں روز نواب مصطفےٰ خاں صاحب بہادر نے مجھے بلا کر نواب فیض علی خاں صاحب کا خط جو میری طلب میں آیا تھا- مجھے دیا- اور فرمایا اب بسم اللہ کیجئے جے پور کو روانہ ہو جائیے- اب جاتے ہی آپ نوکر ہو جائیں گے- میں دہلی سے روانہ ہوا جب جے پور میں پہنچا ہوں تو اول اپنے بھائی خسر پور احمد مرزا خاں صاحب آگاہ کے مکان پر فروکش ہوا- پہلے منشی امداد علی خاں صاحب سے ملا اور ان کے ذریعہ سے نواب فیض علی خاں صاحب بہادر سے ملاقات کی اور نواب فیض علی خاں نے مجھے امیدوار کیا اور بعد دو ماہ کے مجھے کھنڈار کا تھانہ دار کر کے بھجدیا-

ریاست جے پور کی ملازمت: کھنڈار جے پور کا ایک پرگنہ ہے- گوشہ مشرق و جنوب سرحد جے پور کا اور قصبہ سے تین کوس پر دریائے چنبل ہے- رود بناس اسی محل پر چنبل میں شامل ہوئی ہے اور ایک اور ندی علاقہ گوالیار سے آکر چنبل میں ملتی ہے- ایک بت خانہ ہے اسے رامیسر کہتے ہیں- اس کے نیچے ان تینوں کا اجتماع ہوا ہے اور رود خانہ چنبل مابین جے پور و گوالیار حد فاصل ہے- کھنڈار میں بالائے کوہ قلعہ مستحکم اور وسیع ہے- کئی ہزار کی جمعیت سپاہ اندرون قلعہ رہتی ہے- پہاڑ بہت بلند ہے کوہستان قلعہ رنتھمبور سے یہ کوہ پانچ چار میل کے فاصلہ پر واقع ہوا ہے- پرگنہ کھنڈار ماتحت نظامت سوائی مادھو پور ہے- اگر زمانہ تھانہ

داری کے حالات تحریر ہوں تو ایک کتاب دیگر تصنیف ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ نہایت عزت آبرو۔ حکومت کی نوکری تھی۔ بارہ بارہ کوس تک علاقہ زیر حکومت تھا۔ سو، سوا سو گاؤں کا تو اسی تھانہ سے تعلق ہے۔ پانچ چھ ماہ تک اس پرگنہ پر حکمرانی کی اس حکومت میں وہ لطف حاصل ہوا کہ الور کے عیش و عشرت فراموش ہو گئے۔ بعد چھ ماہ کے تھانہ امر یہ میں تبدیلی ہو گئی وہاں سے جے پور آیا تو اہل و عیال دلی سے اب جے پور آ گئے تھے اور اپنے بھائی سید احمد مرزا خاں صاحب خسر پور کے مکان پر مقیم تھے۔ میں نے جے پور میں آ کر مکان کرایہ کو لیا اور گھر کے آدمیوں کو وہاں رکھا اور آپ آمیر کو روانہ ہوا۔ آمیر میں جب پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ تھانہ صدر ہے اور اس کی آبرو کو توالی جے پور کی برابر ہے اور قدیم دار الخلافہ ریاست جے پور کا ہے یہاں تھانہ دار کے واسطے مسند تکیہ لگایا جاتا ہے خیر چھ ماہ اپنا فرض منصبی ادا کرتا رہا۔ اب دسہرہ قریب آیا۔ ملازمین ماتحت کی زبانی معلوم ہوا کہ سامان رسد وغیرہ فراہم کرنا چاہیے۔ مہاراجہ صاحب بہادر رونق افروز ہوا کرتے ہیں اور چند روز قیام فرماتے ہیں۔ تھانہ دار کا ڈیوڑھی پر بندوبست رہتا ہے۔ بہر حال وہ سامان فراہم کر لیا گیا۔ دسہرہ کے ایام شروع ہوئے۔ روز اول شام کے وقت ملازمان تھانہ نے کہا کہ بالائے کوہ محلوں میں چل کر رسومات دسہرہ ادا کراؤ۔ مجھے معلومات نہ تھی کہ کیا رسومات ہیں انہوں نے کہا کہ آپ چلئے سب معلوم ہو جائیں گی۔ غرضکہ میں تلوار اٹھا کر دستار رکھ کر کمر باندھ کر ان کے ہمراہ ہوا۔ ادھر جب بازار میں پہنچا تو حلوائی من ڈیڑھ من شیرنی دودھ کے ہمراہ نوکر میرے ہمراہ ہوا۔ میں آگے بڑھا تو ہندو قصاب جو ٹھیکہ دار سرکاری تھا تیس چالیس بکرے لے کر ساتھ ہو لیا۔ اب میں یہ تماشا دیکھ رہا ہوں اور کچھ معلوم نہیں کیا ہو گا۔ جب بلندی کوہ کے وسط میں پہنچا تو دروازہ محلوں کا نمودار ہوا اور میں اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ بالائے کوہ ایک قطع وسیع زمین کا ہے اور چہار جانب اس کے عمارات شاہانہ ہیں اور ایک مندر ہے عالی شان اور بہت سے سر ان میں ہیں اس پرماتا کا مندر ہے اور اسکے پہلو میں خاص محل کا دروازہ ہے اور اس پر آبادی کی یہ صورت ہے کہ چہار جانب کوہ بلند آسمان سے باتیں کرتے ہیں اور ان پہاڑوں کے بیچ میں آبادی شہر ہے۔ مغرب کی جانب جو پہاڑ ہے وہ بہت بلند ہے اور اس کی چوٹی پر جا کر قلعہ وسیع ہے اور دامن کوہ میں محل واقع ہوئے ہیں اور اسی پہاڑ کے نشیب میں جانب شرق ان محلوں کے نیچے اک بڑا پختہ تالاب ہے کہ پشتہ اس کا بہت مستحکم باندھا گیا ہے اس تالاب کے وسط میں اک

باغ لگایا گیا ہے کہ اس کا ارتفاع مسطح زمین سے قریب دس گز کے ہے اور گرد باغ کے سنگ سرخ کا ایک کٹہرا ہے۔ جب اس تالاب میں پانی کی طغیانی ہوتی ہے تو اس باغ میں چھوٹی کشتیوں اور بجرہ وغیرہ کے ذریعہ سے عبور کیا جاتا ہے۔ یہ باغ ان محلات کے زیر جھروکہ ہے۔ عجب کیفیت کا مقام ہے اور راستہ محلات اور قلعہ کے سمت تہ آب ہے۔ غرضکہ جب محل پر چڑھ کر مندر میں داخل ہوا تو نہایت خوش قطع عمارت نظر آئی۔ جنوب کی جانب ایک بڑا مکان دالان در دالان ہے اس کے بعد وہ حجرہ وسیع ہے جس میں سلادی کی برنجی ایک مورت قد آدم ہے اور ایک جانب کو اس کا منہ پھرا ہوا ہے۔ غرض کہ وہ شیرنی تو پجاریان مندر نے لے جاکر اس مورت کے آگے رکھیں اور بکرے لے جاکر صحن مندر میں کھڑے کر دیئے۔ میں باہر کے دالان میں ایک ستون سے لگ کر کھڑا ہو رہا اور پجاریوں نے تھالی میں بہت سے چراغ گھی کے روشن کئے اور مورت پر سے اتار چڑھاؤ کرنے لگے اور کچھ کہتے جاتے ہیں۔ میں کچھ نہیں سمجھا اور بہت سے گھنٹے اور گھڑیال اور تھالیاں اور نقارے وغیرہ بجانے شروع کئے اور تمام مندر میں روشنی ہو گئی۔ ایک گھڑی پہر تک یہ تماشا میں نے دیکھا جب وہ اس سے فارغ ہوئے تو پجاری بھی میرے پاس آکھڑے ہوئے اور مندر میں بخوارت روشن تھے اور مندر کے صحن میں دو مشعلچی کھڑے ہوئے اور ایک شخص ایک بہت بڑا چھرا زبردست ہاتھ میں لے کر آموجود ہوا۔ اب ایک بکرے کے سینگوں میں رسی باندھ کر ایک شخص نے آگے سے کھینچی ایک شخص نے پیچھے سے بکرے کو کھینچا اور اس شخص نے دونوں ہاتھوں سے وہ حربا اوپر سے مارا۔ بکری کی گردن اڑ کر دور جا رہی۔ اسی طرح کئی بکرے جھٹکے ہوئے۔ اسے وہ بلیدان کہتے ہیں۔ غرضکہ وہ ہنگامہ ہو لیا تو پجاری نے شیرینی تقسیم کی بعد ہم کو رخصت دی اب ہم کو معلوم ہوا یہاں کی یہ نوکری ہے۔ یہ رسومات تھانہ دار آکر ادا کرتا ہے غرضکہ حسب معمول روز شام کو جانا پڑتا اور پہر بھر رات کے واپس آنا ہوتا۔ ایک دن شام کا وقت ہے آفتاب پہاڑ کے نیچے پہنچ گیا ہے۔ کچھ کچھ شعاعیں آسمان پر پھیلی ہیں۔ سرخی پھیلتی جاتی ہے کہ ایک جوان رعنا خوش رو چھریرا بدن اوسط قامت سرخ مندیل سرخ، بنارسی دوپٹہ کمر سے باندھا ہوا کمیت گھوڑے پر سوار گھوڑا دوڑائے محل کے دروازہ سے داخل ہوا اور چوکی خانے کے چبوترہ کے پاس آکر گھوڑی روک لی۔ امیر خاں برقنداز نے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا میں نے دوڑ کر گھوڑی کی باگ تھام لی اور دوسرا بوھا کر ہاتھ میں دے کر گھوڑی پر سے اتروایا اور خوب

گھوڑی کا جائزہ کیا اور چند قدم آگے لے گیا ٹہلانے لگا کہ اتنے میں چاکر دوڑا ہوا آیا اور اس نے میرے ہاتھ سے گھوڑی لے لی اور میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور نذر دکھائی۔ فرمایا میں نذر تو ٹھہر کر لوں گا۔ تم ایک بار میری کمر کھولو۔ میں نے پہلے تو دونوں جانب سے تلواریں ڈاب میں سے کھینچیں اور پھر کمر کھولنی شروع کی اور رومال بچھا کر سب چیزیں چبوترے پر رکھتا جاتا تھا۔ بعد بنارسی دوپٹہ کھولا اس کے نیچے اور سفید دوپٹہ تھا وہ کھولا اور اس کے نیچے اور ایک لنگر ریشمی تھا وہ کھولا۔ اس میں ایک گچھا تھا کہ اس میں بہت سی کنجیاں تھیں اس کے بعد ایک اور گچھا میانوں کا تھا کہ وہ میان سب باناتی تھے اس میں قینچی۔ چاقو۔ نشتر۔ گھوڑے کے پاؤں ہاتھ کا ناخن گیر ہو گی۔ تاگا خدا جانے کیا کیا تھا۔ بعد ایک بہت بڑا ہوا سرخ قند کا کہ اس کا وزن تین چار سیر کے قریب ہوگا وہ کھول کر رکھا تو تمام لنگر پسینے میں تر ہو رہا تھا۔ پھر فرمایا اپنی تحویل میں رکھو۔ کشن لال آئے تو سب چیزیں سنبھلوا دینا۔ یہ کہہ کر اوپر چوکی خانہ میں چڑھ گئے چاکر نے دوڑ کر گھوڑے کی گدی اتار لی اور لے جا کر بچھا دی۔ میں وہیں اس مال کی حفاظت کرتا رہا تھوڑی دیر میں لشکر کا تانتا بندھ گیا۔ تمام صحن آدمیوں سے بھر گیا کہ کشن لال چیلہ گھوڑی پر سوار آیا اور وہیں آکر اترا۔ میں نے کہا کشن لال جی یہ سامان سنبھال لو۔ غرضکہ مشعل کی روشنی میں وہ سب سنبھلوا دیں۔ کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔ جتنی بکار آمد چیزیں ہوتی ہیں سب ان میانوں میں موجود تھیں۔ انگریزی قلمدان بھی پنسل بھی کاغذ بھی سبھی چیزیں اب سنئیے بٹوے کا حال۔ بٹوے میں دو سو روپیہ۔ سو اشرفی۔ کوئی سو دونیاں، چونیاں ڈبل پیسے کوئی آٹھ آنے کے کوئی ایک پیسے کی چھوٹی چھوٹی کوڑیاں اور ایک مٹھ نوٹوں کا مگر وہ موم جامہ کیا ہوا تھا۔ اس کی تعداد معلوم نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد مندر میں گئے۔ وہاں بلید اان کرایا گیا۔ چار گھڑی کے بعد فارغ ہو کر مندر سے باہر آئے تو پسینے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ باہر مندر کی سیڑھیوں پر آکر بیٹھ گئے۔ میں نے رومال بچھا دیا۔ ہوا آ رہی تھی میں اور کشن لال پیچھے کھڑے ہو گئے۔ حکم ہوا بیٹھ جاؤ۔ مجھ سے ارشاد ہوا۔ تم کتنے روز سے اس تھانہ میں تبدیل ہو کر آئے ہو۔ میں نے عرض کی حضور پانچ مہینے ہوئے۔ پھر پوچھا۔ پہلے کون تھانے پر تھے۔ میں نے عرض کی تھانہ کھنڈہار پر۔ فرمایا شملہ سے نواب صاحب نے تمہاری منظوری کرا کے بھیجی تھی۔ میری دستی مہر تھی حکم پر میں نے عرض کی میرے واسطے حکم صادر ہوا تھا۔ پھر پانچ روز مہاراج وہاں رہے۔ میں ہر وقت خدمت میں حاضر رہا۔ بعد جب تشریف لاتے ہر

وقت میں پاس رہتا- تمام دنیا کے ذکر ہوتے رہتے- گنجفہ چوسر وغیرہ بھی ہو جاتا- تمام حال میر اور امیرے بزرگوں کا اور تعلقات شاہی کا مجھ سے دریافت فرما کر فرمادیا تھا کہ ابھی تم اس گھر کو بھی وہی تصور کرو- یہ نوکری ویسی ہی نوکری ہے -اس گھر میں سے آدمی آکر پھر علیحدہ نہیں ہوتا ہے -جو ایک دو کام ایسے بن آئے کہ اس نوکر سے نہایت خوش ہوگئے تو اس وجہ سے زیادہ تر آبرو فرماتے تھے اور سوائے اپنے فرض منصبی کے جو کام اہم ہوتا تھا اس کی تعمیل کے لئے مجھے حکم ہوتا تھا اور اکثر چوکی خانہ میں بھی مجھ سے کام لیا جاتا تھا اور میری مضمدی میں بھیجا جاتا تھا-بلکہ ایک بار ایک مہم عظیم درپیش تھی- تجویز ہوئی کے بھیجیں- خود مہاراج صاحب نے فرمایا اسے بلوا کے بھیج دو وہ اس مہم کو بخوبی انجام دے سکتا ہے- غرضکہ خاص رسالہ کا سوار رات کے وقت میری طلب میں روانہ ہوا- مگر میری نوکری دلی میں مینڈی پہنچانے کی نکل آئی تھی- میں ایک منزل کوچ کر چکا تھا- تھانہ میں موجود نہ تھا- چونکہ حکم حضوری تھا، سوار آدھے بجے مقام اچرول میں میرے پاس پہنچا اور حکم سنایا کہ اسی وقت جے پور روانہ ہو اور شباشب جیپور پہنچو- میں نے تھانہ دار چندو جی کے نام رقعہ لکھا کہ میری نوکر مینڈی دلی پہنچانے کی نکلی تھی مگر حکم حضوری واپسی کا ہے- کار سرکار واحد ہے اب تم یہ ہنڈ ہوی آکر یہاں لے لو اور ان کو دلی پہنچا کر رسید سر شتہ لا کر ہنڈی ہوی داخل کرو- اور ہنڈ ہوی اپنے سواروں کے سپرد کر کے جے پور کو روانہ ہوا- سوار سے کہا تم تیرہ کوس آئے ہو آرام لو صبح آجانا اور میں نے گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑے کی باگ اٹھادی اور ایک سوار اردلی میں لیا- چار بجے امر کا دروازہ کھلوایا- تھانے میں آکر گھوڑا دوسرا تیار کرلیا اور اس عرصہ میں حوائج ضروری سے فارغ ہو کر منہ ہاتھ دھویا اور دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹ اٹھادیا- اور گھاٹی کا دروازہ کھلوا کر آناً فاناً میں زور آور سنگھ کے دروازہ پر جا پہنچا-اس وقت پہلے دروازہ میں داخل ہو کر بگھی خانہ کے آگے ہوتا ہوا صلیب چوکی میں سے نکل کر ڈیوڑھی پر پہنچا چیلے سے حضور میں اطلاع کرائی -وہاں تو سب راہ دیکھ رہے تھے- خبر ہوتے ہی محل میں بلوایا- میں جس وقت کہ حضور کے سامنے گیا ہوں تو حضور مسواک کر رہے تھے -میں نے سلام کیا فرمایا- آگیا، بڑی دیر لگائی- میں نے عرض کی تیرہ کوس سے آیا ہوں فرمایا شاباش اب تم کو ایک مہم پر بھیجا جائے گا- جیسے تیرے بزرگوں نے سرکار بادشاہی میں کام انجام دیئے ہیں، اسی طرح اس کو انجام دو- جاؤ خدا کو سونپا نواب صاحب تم کو اس سے مطلع کردیں گے- نواب

فیض علی خاں صاحب اور منشی رام جیداس میرا ہاتھ پکڑ کے چندر محل میں علیحدہ لے گئے اور اس راز سے آگاہ کیا۔ حالانکہ وہ غیر وقت تھا اس وقت مدار المہام کا حضور میں کیا کام تھا مگر بعد کو معلوم ہوا کہ یہ تینوں صاحب رات بھر حضور میں موجود رہے۔ اور میرے منتظر تھے۔ مجھ سے نواب صاحب نے فرمایا۔ جس قدر تم کہو روپیہ ساتھ کر دیا جائے اور جتنی جمعیت درکار ہو ساتھ لو۔ میں نے جواب دیا جمعیت درکار ہے نہ روپیہ۔ نواب صاحب حیران ہوئے پھر کارگذاری کیا کرے گا۔ میں نے کہا جس کارگذاری پر مجھے بھیجا جاتا ہے۔ خوشی تو یہی ہے کہ ایک پیسہ خرچ نہ ہو۔ ایک آدمی ساتھ نہ ہو اور مقصد حاصل ہو جائے آپ کو کام سے کام ہے خدا چاہے کام بخوبی انجام پا جائے گا پھر فرمایا کہ اہلکار زیر بندی کا ہمراہ ہے۔ ایک اہلکار ایجنسی جے پور کا ہے۔ بغیر اس سے ساز کئے ہوئے کاربندی مشکل ہے۔ میں نے عرض کی کہ اگر اس سے ساز کر کے کارروائی کی تو میری کارگذاری کیا ہے۔ خدا چاہے تو ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو اور کام انجام پا جائے۔ پھر کہا آخر ان کے صرف خورد و نوش کی تو تجھے ضرورت پڑے گی خزانہ سے لے جانا چاہیے۔ میں نے عرض کی پانچ سو روپیہ جمعدار خیر کے پاس رکھوا دینے چاہئیں۔ وہ ان کے کھانے پینے کی خبر گیری کرتا رہے گا۔ مگر ہاں ایک حکم نامہ کونسل کا جاگیرداران اور ماتحتان سپرنٹنڈنٹ وغیرہ کے نام اس مضمون کا ہو جائے کہ جس جا سے جس قدر امداد کی مجھے ضرورت ہو فوراً میرے پاس پہنچ جائے اور کوئی عدول حکمی نہ کر سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ حکم نامہ مجھے دلا دیا گیا۔ وہ مقام چار منزل جے پور سے تھا۔ میں ان اہلکاران کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا اور موقع واردات پر پہنچنے سے پہلے میں نے اپنی کارگزاری کر دی اور وہاں پہنچ کر جس امر کی تحقیقات کے واسطے یہ لوگ میرے ہمراہ گئے تھے اس کا نام و نشان نہ پایا۔ قائل معقول ہو کر واپس آئے اور تر بندی کو رپورٹ کی کہ وہ ابرام و اتہام بچا تھا اس کا کچھ اثر یا پتا پایا نہیں گیا۔ جب میں نے واپس آ کر مہاراج کو سلام کیا تو مہاراج نے فرمایا کہ اگر کوئی سردار ریاست جاتا تو وہ دو چار لاکھ روپے ریاست کے بگاڑ آتا۔ ایسے ایسے اکثر کار نمایاں اس نوکری میں ظہور میں آئے تھے۔ جب میری کارگزاری کا مہاراج کے دل میں گھر ہوا تھا اور عزت و آبرو فرماتے تھے اور وعدہ پرورش بے حد کا فرمایا تھا۔ مجھ سے فرمایا تم اپنی تبدیلی تھانہ سانگانیر پر کرا لو۔ مجھے زیادہ تر اتفاق سانگانیر میں رہنے کا ہوتا ہے۔ میں نے عرض کی یہ بھی اختیار حضور کو ہے۔ چنانچہ کونسل میں حکم لکھوا دیا گیا تھا کہ ظہیر الدین حسین افسر

کراہہ کی تبدیلی ساگھانیر میں ہو جائے اور بغیر منظوری مابدولت نہ تبدیلی ہو نہ معطلی ہو نہ برخاستگی- پھر میں ایسا درخور خدمت ہو گیا تھا کہ بڑے بڑے مصاحبین کو رشک و حسد ہو تا تھا- ہواخوری کے وقت نکلتے تھے تو سوائے ہم دو آدمیوں کے تیسرا نہ ہو تا تھا- آگے مہاراج اور عقب میں کشن لال چیلا اور میں سب کھڑے دیکھا کرتے- کسی کو ہمراہی کا حکم نہ ہو تا تھا اکثر راز ایسے تھے کہ وہ مجھے معلوم تھے یا مہاراج کو یا خدا عالم الغیب ہے- میں بہت بدنصیب ہوں اگر مہاراج اور دو چار برس زندہ رہتے تو خدا جانے میں کس پایہ اعلیٰ کو پہنچتا- جب میری ترقی عہدہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹی پر فرمائی تھی تو مجھ سے فرمایا تھا- تجھے ڈپٹی نہیں کیا جنرل سپرنٹنڈنٹ کیا ہے- سرسہ بھکتانے کے واسطے تمہیں بھیجتا ہوں، بعد چھ ماہ کے جنرل سپرنٹنڈنٹ ہو جائے گا- میری شومی طالع سے وہ کوئی تین مہینے میں انتقال فرما گئے-

☆☆

آٹھواں باب

مہاراجہ جے پور کے حالات

مہاراجہ صاحب بہادر مہاراجہ رام سنگھ جی سری سوامی نہایت دانش مند روشن دماغ، بیدار مغز، مدبر مصلحت اندیش، موحد کیش، رعایا پرور، داد گستر، عادل، فیاض، بلا تعصب، انصاف دوست، حلیم الطبع، سلیم الفکر، خوش تدبیر، مستقل المزاج، خوش رو، خوش خوب، جمیع محامد ذاتی و صفاتی موصوف تھے - اس مزاج کا کوئی رئیس ہندوستان میں نہ تھا - ان مہاراجہ بہادر سے اتر کر شاید نواب یوسف علی خاں صاحب بہادر والی رام پور تھے کہ وہ بھی نہایت درجہ منتظم اور حلیم و سلیم تھے - مہاراجہ صاحب کی بناء فرمانروائی خردمندی ہے - کئی سو پرچہ نویس چوکی خانہ میں متعین تھے - تمام ہندوستان کا روزنامچہ روزانہ مہاراجہ صاحب کی نظر سے گزرتا تھا - جتنی ریاستیں ہندوستانی ہیں سب جا ان کا خبر نویس موجود رہتا تھا - جتنے کے حیدر آباد، اودے پور وغیرہ میں اور دفتر گورنری میں خبر نویس موجود تھا - گورنر بہادر کے ہمراہ پھرتا تھا اور ذرا ذرا سی خبر مہاراج کو پہنچاتا تھا - ہزار ہا روپیہ کا صرف محکمہ خبر کا تھا اور جا بجا پرچہ نویسوں کی تنخواہیں معقول پہنچتی تھیں - اپنی ریاست میں کوئی محکمہ کوئی تعلقہ کوئی نظامت - کوئی تحصیل کوئی تھانہ - کوئی کارخانہ ایسا نہ تھا جہاں خبر نویس نہ ہو خبر کے داروغہ کو حکم تھا کہ اگر کوئی ضروری خبر ہو اور ہم زنانے محل میں آرام کرتے ہوں تو ہم کو بیدار کر کے خبر پہنچادو - لندن میں ملکہ معظمہ کی خدمت میں مزاج پرسی کا تار روز روانہ ہوتا تھا - کسی ایجنٹ ریزیڈنٹ کی مجال نہ تھی کہ ان کے منشا کے خلاف ورزی اختیار کرے - ہاں اسکی خاطر و مدارات وادودہش مہمانداری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہوتا تھا - ایک ادنے وصف ان کا یہ تھا کہ تمام عمر کسی نوکر یا مجرم وغیرہ کی نسبت کوئی کلمہ خلاف تہذیب دشنام وغیرہ زبان سے نہیں نکلا - کسی کو تو نہیں کہا - ادنے آدمی سے بھی جی کہہ کر خطاب کیا - بہت

خفا ہوئے کسی پر تو "جاہیو قوف" تکیہ کلام تھا- مگر باوجود اس حلم کے رعب و جلال ان کا ایسا تھا کہ بنی گیاب ڈالتی تھی- جب کبھی وہ خاموش ہو گئے یہ جان لو غضب آگیا- لوگ سمجھ جاتے تھے کہ آج خیر نہیں- مزاج برہم ہے- تمام اراکین دولت مارے خوف کے تھراتے تھے-

مہاراجہ صاحب کے زمانہ بے اختیاری میں راول جی صاحب مختار تھے- جے پور میں خاک اڑتی تھی- کل چوبیس لاکھ روپیہ زر خالصہ کی آمدنی تھی نہ کوئی محکمہ نہ بندوبست تھا فقط زبانی جمع خرچ تھا- راجوڑی گھس گھس تھی- جے پور نے جو ترقی پائی ہے اور تہذیب کی روشنی پھیلی ہے وہ مہاراج کے زمانہ میں ہوئی- مہاراج صاحب کو جب اختیار حاصل ہوئے ہیں اور پنڈت جی صاحب مصاحب اور مدار المہام ہوئے ہیں تب باون محکمے اور کچہریاں اور نظامتیں اور ضلع اور تحصیلیں اور تھانے قائم کئے گئے ہیں اور انتظام ملکی اور مالی- فوجداری کلکٹری عدالت نوشیروانی کے قانون تصنیف ہوئے اور ان پر عملدر آمد ہوا- ادنے سی بات یہ ہے کہ کروڑہا روپیہ تعمیر بندوں اور تالابوں اور انتظام آبپاشی پر صرف کر دیا گیا- سڑکیں اور صفائی شہر اور مدارس اور شفاخانے تمام ممالک محروسہ میں جاری ہو گئے- جے پور کے پانی کا انتظام نلوں کے ذریعے سے اور روشنی گیس کا انتظام لالٹینوں وغیرہ کے ذریعے سے ہوا- ڈاکوؤں اور قطاع الطریقوں اور رہزنوں، غارتگروں، ٹھگوں، پھانسی گروں وغیرہ کے انسداد کے واسطے محکمہ گرانی انسداد و ڈکیتی و ٹھگی قائم کر کے ایسے سخت قانون نافذ فرمائے کہ پناہ دہندگان کے ہوش باختہ ہو گئے ورنہ جے پور کے دروازہ سے باہر رشتہ نہیں تھا- جتنے نامی نامی غارت گر بددین رہزن تھے سب پکڑ پکڑ کر قلعوں پر چڑھا دیئے گئے اور سب سرکشوں اور پناہ دہندوں کے کان میں کوڑی ڈال دی گئی- مہاراجہ صاحب کو اپنے ادنے ادنے آدمی کا پاس تھا اور یہ حکم تھا کہ مار کر آنا پٹ کر نہ آنا- میں سمجھ لوں گا- پھر تو یہ حال ہو گیا سونا اچھالتے ریاست جے پور میں پھرو- کیا مقدور ہے کوئی نظر اٹھا کر دیکھ لے- یہ انتظام ہو گیا کہ شیر بکری ایک گھاٹ پانی پینے لگے-

عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ چند انصاف مہاراجہ صاحب کی ذات سے ایسے ظہور میں آئے ہیں جیسے بادشاہان سلف کے مشہور روزگار ہیں- ازانجملہ ایک یہ معروضی بیان میں آتا ہے- ریاست ٹونک کے چند قصاب کچھ مویشی خرید کے ریاست جے پور سے ٹونک کو لئے

جاتے تھے اثناء راہ میں ایک منزل پر مقیم ہوئے- کچھ گھانس وغیرہ خرید کر مویشی کے آگے ڈال دیا- اس قصبہ کا ایک سانڈ آیا اور اسے کھانے لگا اور مویشی کو مار کر ہٹا دیا- قصابوں نے جو یہ امر دیکھا تو اس نرگاؤں کو لکڑی سے مار کر بھگا دیا- پھر تھوڑی دیر میں وہ آکر چرنے لگا- پھر ہٹا دیا گیا- جب دو چار مرتبہ ایسا ہوا تو ایک قصائی کو غصہ آیا اور اس نے تلوار کھینچ کر اسکے پاؤں پر ہاتھ مارا- نرگاؤں کا پاؤں قلم ہو کر دور جا پڑا- پھر کیا تھا ہندو کی عملداری تھی تمام قصبہ میں غل مچ گیا- ہاں ہاں لیجو- دوڑیو- پکڑیو- ماریو- چہار طرف سے ہونے لگا- بیچارے قصاب گرفتار ہو گئے- تھانے دار نے مثل تیار کر کے معہ مجرمان ضلع کو چالان کر دی- وہاں سے بعد تحقیقات فوجداری کو روانہ ہوئے- فوجداری چونکہ مذہبی ہے تجویز سزائے سنگین کی رائے لکھی گئی اور مثل محکمہ اپیل کو روانہ ہوئی- محکمہ اپیل سے کوئی اور رائے ظاہر کی گئی حتی کہ محکمہ کونسل میں پہنچی- ممبران کونسل کی یہ رائے قرار پائی کہ یہ مقدمہ مذہبی ہے- اس میں دھرم شاستر سے موسہ لیا جائے- اس کے بموجب تجویز سزا ہوئی مناسب ہے، چنانچہ دھرم شاستری جی کو بلایا گیا اور موسہ لیا گیا تو انہوں نے حکم قصاص کیا یعنی درجہ اول کی سزائے موت درجہ دوم کی سزا قطع یدین، درجہ سوم حبس دوام اب اختیار سزا حکام کو ہے- غرضکہ منظوری کے واسطے پیش رکھی گئی اور کسی وقت پر مہاراج کے سامنے پیش ہوئے- مہاراج نے از ابتدا تا انتہا مسل کا ایک ایک حرف سنا اور سب محکمہ جات کی رائے سنی پھر حکم دیا کہ شاستری جی کو بلاؤ- جب شاستری جی آئے تو ان سے فرمایا کہ آپ نے یہ سزا بموجب اپنے مذہب کے تجویز کی ہے یا بموجب شریعت مسلمانان؟ انہوں نے جواب دیا- بموجب دھرم شاستر- مسلمانوں کے مذہب سے کیا کام ہے- مہاراج نے فرمایا کہ مجرم غیر مذہب کا آدمی ہے- شرط عدالت یہی ہے کہ اس کے مذہب کے موافق سزا بدلنی تھی- اس مقدمہ میں شریعت اہل اسلام سے فتوے لینا تھا- یہ کارروائی ناجائز ہے کیونکہ ان کے مذہب میں اس کا کھانا روا ہے- ہمارے نزدیک یہی سزا کافی ہے کہ دوران مقدمہ کو عرصہ ڈیڑھ سال کا منقضی ہو گیا ہے- یہی معیاد قید کافی ہے- مجرم کو رہائی دی جائے اور اسی وقت اس کو رہا کر دیا- یہ انصاف بھلا کسی ہندو راجہ سے ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے- اسی طرح کے بہت سے انصاف مہاراج کے ہیں- مہاراجہ صاحب اپنے وقت کے نوشیروان عادل تھے- علم و تحمل کا یہ حال تھا کہ ایک بار ایک غریب مسافر امیدوار بہت روز سے اس جستجو میں ہے کہ کسی طرح

مہاراجہ صاحب تک باریابی ہو تو کچھ اپنا عرض حال کیا جائے مگر کوئی موقعہ دستیاب نہ ہوتا تھا-ایک دن یہ محل کی ڈیوڑھی پر کھڑے تھے کہ پہرہ دار ڈیوڑھی سے ٹہلتا ہوا پرے کو سرک گیا- یہ موقع پا کر جب ڈیوڑھی کے اندر داخل ہوئے اور سیڑھیوں پر سے چڑھ کر خاص اس کمرے میں پہنچے جہاں مہاراجہ تشریف رکھتے تھے اور اتفاق سے اس وقت پردہ تھا اور زنانی سواریاں تشریف رکھتی تھیں اور خاص مہارانی صاحبہ موجود تھیں-پس یہ دیکھتے ہی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر پچھلے قدموں پلٹے اور مہاراجہ صاحب نے ان کو دیکھا اور اٹھ کر آئے-انہوں نے سلام کیا مہاراجہ صاحب نے آکر ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور پوچھا- تم کون ہو؟ انہوں نے بیان کیا- بندہ اللہ کا- پھر مہاراج نے فرمایا،بندے اللہ کے تو سب ہیں آپ کون ذات ہیں اور کون ہیں؟

انہوں نے جواب دیا- مسافر ہوں اور مولوی ہوں-

مہاراجہ صاحب :اس مقام پر کیا کام ہے؟

مولوی صاحب : آپ کے پاس کچھ عرض کرنے آیا تھا-

مہاراجہ صاحب : کیا عرض حال ہے؟

مولوی صاحب : عیال دار ہوں،تہیدستگاہ ہوں امیدوار روزگار ہوں-

مہاراجہ صاحب : پہرانی نے تم کو نہ روکا-

مولوی صاحب : اس کا قصور نہیں-وہ ٹہل کر پرے کو گیا میں آنکھ بچا کر یہاں چلا آیا- قصور میرا ہے- میں حضور کا قصوروار ہوں جو چاہیں میری نسبت سزا تجویز فرمائیں بہر حال مستوجب عقوبت ہوں کہ ایسے محل پر حاضر خدمت ہوا- مگر حضور بادشاہ وقت ہیں اور شہزادی اور بیگمات رعیت کے ماں باپ ہوتے ہیں اور رعیت بمنزلہ فرزند و اولاد ہوتی ہے پھر اولاد سے مادروں کا کیا پردہ ہوتا ہے-

مہاراجہ صاحب : آپ مولوی ہیں-آپ نے تحصیل علوم کہاں کی؟

مولوی صاحب : لکھنو میں-

مہاراجہ صاحب : صداقت اس کی-

مولوی صاحب : میرا امتحان لیا جائے-

مہاراجہ صاحب : آپ اگر مولوی نہ ہوتے تو اس وقت آپ کی نسبت خدا جانے

کیاسزا تجویز کرتا - میں فرقہ علماو فضلا کو اپنا مقتدااور پیشوا سمجھتا ہوں - خیر یہ حرکت آپ سے ہوئی تو بسبب نادانی کے ہوئی میں نے معاف کی - چیلوں کو آواز دی - ایک چیلہ آکر حاضر ہوا - مولوی صاحب کو مولوی رشید الدین صاحب کے پاس لے جاؤاور مولوی صاحب کے پاس جاکر کہہ ان مولوی صاحب کو آپ کے پاس بھیجا جاتا ہے کہ ان کے علم و فضل کا امتحان لے کر آپ اسی وقت مجھے اطلاع دیجئے - اگر امتحان میں درست اتریں تو ان کو کسی مدرسہ کی مدرسی پر مامور کر کے مجھے اطلاع دیں - چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا اور مولوی رشید الدین صاحب نے ان کے علم و فضل کی تعریف لکھ کر تیس روپیہ ماہوار کی اسامی پر مامور کیا - بھلا ایسا حلم و تحمل کسی دوسرے رئیس سے ہو سکتا ہے یہ مہاراج رام سنگھ جی کا ظرف عالی تھا -

مہاراجہ کے خصائل :

مہاراجہ رام سنگھ کی صحبت میں ہر قسم کے اشخاص موجود رہتے تھے -

دو چار درویش مصری مسلمان صوفی الطریق دو چار ہندو فقیر بیراگی موحد خداپرست مہاراجہ کا طریقہ صوفیہ موحدانہ تھا - بیشتر مسائل تصرف کا ذکر کرتے رہتے تھے درویشانہ مزاج رکھتے تھے - زیبایش امیرانہ سے نفور تھے - لباس شاہانہ رکھتے تھے تکلف سے بر کنار تھے - گھوڑے کی کڑوی بچھا کر سو جایا کرتے تھے - پلنگ چھپر کھٹ کی استراحت پر نا م رکھتے تھے بے تکلفی کو بہت پسند کرتے - مزاج میں عجز و انکسار بدرجہ غایت تھا - نخوت اور رعونت کسی طرح کی نہ تھی - صحبت میں دس پانچ فقیر، دو چار حکیم، ایک دو ڈاکٹر، ایک دو انگریز، دو چار رنڈیاں - ایک دو ارباب نشاط ہر فن کے ایک دو شکار جاننے والے - ایک دو پتنگ باز وغیرہ ہر وقت موجود رہتے تھے - جہاں جاتے تھے یہ جمگھٹا ان کے ساتھ جاتا تھا اور تھوڑے سے راجپوت سردار بھی ساتھ ہوتے تھے - مسلمانوں سے بہت رغبت تھی - ہم قوم سے ایک مرد پیر نابینا باجو میاں نام پرانا رفیق تھا اور شب و روز پاس رہتا تھا - حتے کہ مہاراج کے شب خوابی کے کمرے کی خدمت بھی - اس کا حجرہ تھا - صبح کو مہاراج اس کا منہ دیکھ کر بیدار ہوا کرتے تھے - وہ مرد باخدا قبل از نماز صبح بیدار ہو کر حوائج ضروری سے فارغ ہو کر نماز پڑھتا اور بعد درود و وظائف مہاراج کے پاس جاکر مونہ بالا پوش یا چادر اٹھاتا اور آواز دیتا کہ مہاراج صبح کا وقت ہے بیدار ہو کر خدا رسول کا ذکر کرو تو مہاراج فوراً آنکھیں کھول کر پہلے اس کا منہ دیکھتے تھے بعد اور اشخاص کا مجرا لیتے تھے - لاکھوں روپیہ لوگوں کر داد و دہش کے مسافر

خانوں میں بھی غربا مساکین فقرا مسافرین کو سدا برت تقسیم ہوتا تھا-ایک ایک پٹیا فی کس ملتا تھا-پٹیا کی مقدار یہ تھی-آرد گندم سیر بھر، دال پاؤ بھر-روغن زرد چھٹانک بھر-قند سیاہ پاؤ بھر-دو پیسے نقد یہ کئی سو پٹیاں معمول روز تقسیم ہوتا تھا-علاوہ خیر خیرات جے پور کی مشہور ہے-

محرم: محرم کی تعزیہ داری کے واسطے بارہ بیڑے فوج کے تھے ان کو ڈھائی ڈھائی سو روپیہ تقسیم ہوتے تھے اور خاص تعزیہ داری جو حضور کی ہوتی تھی اس کا صرف نیاز نذز علیحدہ تھا-اور بیڑے پیچھے پچاس جوان کی نوکری معاف تھی-تعزیہ تیاری کے لئے-

حجاج کی امداد: حجاج کو ہر سال بیس پچیس ہزار روپے زاد راہ حج کے لئے اور چھ ماہ کی رخصت عطا ہوتی تھی-نتیجہ اس خیر و برکت کا یہ ہوا کہ آمدنی زر خالصہ کی کروڑ روپیہ سے اوپر ترقی کر گئی-اور چاکر اور صیغہ خیرات علیحدہ-

وفات: جب مہاراج رام سنگھ جی نے انتقال فرمایا ہے تو رعیت آسودہ حال، فارغ البال خزانے مالا مال، ملازم شاد و آباد تھے-تمام شہر میں تین روز ماتم رہا ہے

شہر جے پور باعتبار خوش حالی عمارت و لطافت اور بحالی بلاد ہند میں اپنا نظیر نہیں رکھتا-

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است وہمین است وہمین است

اللہ اس ریاست کو آباد رکھے-بڑا غریب پرور ملک ہے-

بعد انتقال مہاراج رام سنگھ کے ایک انقلاب عظیم برپا ہوا اور مہاراجہ مادہو سنگھ بہادر تخت نشین ہوئے-ان کے زمانہ بے اختیاری میں اک عجب طوفان بے تمیزی برپا تھا-ایک کو ایک کھائے جاتا تھا-ٹھاکر فتح سنگھ جی اور سلس صاحب ایجنٹ جے پور ریاست کا کام کرتے تھے-عجیب ایک اندھیر اتھا کہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا-جے پور کے عہدے کے لئے بازار بھرے تھے-اخباروں میں شائع ہوتا تھا-"جے پور کی نوکری مالن کا ٹوکرا ہے-جس کے جی میں آئے خرید لے-"غرضکہ اس انقلاب پر آشوب میں جتنے ملازم مہاراج کے وقت تھے سب خانہ نشین ہو گئے اور نئے نئے آدمی روپے خرچ کر کے نوکر ہو گئے-ایک ٹھاکر سردار جنرل سپرنٹنڈنٹ ہوئے اور انہوں نے قدیمیوں کو بطمع مال موقوف کرنا شروع کیا اور جدید

نوکر رکھے گئے- ہم چار اضلاع میں چار ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے- چاروں ایک قلم موقوف ہوئے- مجھے ڈیڑھ دو برس تک نالش و فریاد رہی- آخر وہ صاحب ایجنٹ بھی موقوف ہوئے اور ٹھاکر فتح سنگھ بھی موقوف اور نیا دانہ نیا پانی ہو گیا- اور وہ جنرل سپرنٹنڈنٹ بھی قید ہو گئے- مگر فریادیوں کی کچھ دادرسی نہ ہوئی اور کوئی بحال نہ ہوا- چونکہ میں بھی ان ہی ہر چہار ڈپٹیوں کی موقوفی میں شامل تھا مجبور خانہ نشین ہونا پڑا- چودہ برس تک مہاراج رام سنگھ کی نوکری کی- تین برس مہاراج مادھو سنگھ بہادر کی- اس کا صلہ کارگذاری یہ ملا کہ بے قصور موقوف ہو کر گھر بیٹھنا پڑا- مگر ریاست نے میرے حقوق قدیم الخدمتی پر نظر کر کے میرے فرزند سجاد مرزا کو تھانہ دار کر دیا تھا-

ریاست کی آمدنی: مجھے اس ملک میں وارد ہوئے قریب چالیس سال کے عرصہ منقضی ہونے کو آیا ہے- اس ملک کا گوشہ گوشہ میرا دیکھا ہوا ہے- اس کا طول جنوب و شمال میں قریب تین سو میل کے ہو گا اور عرض مشرق و مغرب میں قریب ڈیڑھ سو میل کے ہو گا- زر محاصل اس ملک کا ایک کروڑ روپیہ کا تخمینہ تھا اس کی تقسیم کی گئی تھی- ایک حصہ زر خالصہ ریاست یعنی تینتیس لاکھ روپیہ آمدنی ریاست اور اسی قدر تینتیس لاکھ چاکرداران- ان میں سب بھائی بیٹے ریاست کے تیسرے حصہ میں صیغہ یعنی صیغہ خراب دہ بھی تینتیس لاکھ اس میں برورش برہمنان اور خرچ اخراجات معبد گاہان و مندارن وغیرہ اور انعامات وغیرہ میں- صیغہ یہ امر قبل از اختیارات مہاراجہ رام سنگھ بہادر ایسا شمار کیا جاتا تھا مگر زمان مہاراجہ صاحب ممدوح میں نہایت خوشی سے دادودہش مہاراجہ صاحب سہ چند ترقی پا گیا- اب قریب ایک کروڑ سے زر خالصہ کی نشرت ہے-

نواب احمد علی خاں رونق: قریب اٹھارہ انیس سال کے میرا زمانہ نوکری سرکار میں بسر ہوا- اس عرصہ میں شعر و سخن کی بھی بہت کم فرصت ملی- اس عرصہ میں شاید کوئی پچاس چالیس غزل اور ایک دو قصیدے کا اتفاق ہوا وہ بھی جبر- جب کبھی نہایت تاکید اور میرے دوست آشنا نے از حد جبر کیا تو مجبور مشاعرہ کی غزل لکھ کر شریک بزم ہو گیا- اکثر حکیم محمد سلیم خاں صاحب فرمائش کر کے غزل لکھواتے تھے- بالطبع میری طبیعت راغب نہ تھی اور احباب کے فرمان سے مجبور تھا- ایک روز حسن اتفاق سے میں اپنے تھانہ سانگانیر میں تھا اور مہاراجہ صاحب بھی وہیں تشریف رکھتے تھے اور ڈیوڑھی پر میرا بندوبست اپنی نوکری پر

حاضر تھا ... میں مہاراجہ صاحب فروکش تھے اس کے دروازہ کی چوکی پر میں بیٹھا ہوا قلیان پی رہا تھا- تو دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگوار ساٹھ پنسٹھ برس کا سن وسال- جسیم- شکاری ... کا انگرکھا تنگ پاجامہ ماشی عمامہ جہیز سے وارد ہوئے اور تانگہ پر سے اتر کر میرے پاس ... میں نے تعظیم دی- میرے پاس بیٹھ کر فرمایا- میں حقہ پیوں گا- میں نے کلی پیش کی ... حقہ پینے لگے- مجھ سے دریافت کیا کہ تیرا نام کیا ہے- میں نے جواب میں کہا- حقیر کو ظہیر الدین کہتے ہیں- یہ سنکر ذرا متامل ہوئے- بعد دریافت کیا کہ آپ یہاں کیوں ہیں؟ میں نے کہا- نوکری پر- میں یہاں تھانہ دار ہوں پھر فرمایا ظہیر دہلوی تو آپ نہیں؟ میں نے- کہا دہلوی تو لا کلام میں ہی ہوں مگر وہ ظہیر کوئی اور ہوں گے جن کی تلاش آپ کو ہے- یہ سنتے ہی ایک قہقہہ لگایا اور یہ شعر پڑھا-

یار در خانہ وما گرد جہاں میگردیم　　آب در کوزہ و ما تشنہ لباں میگردیم

اور جلدی سے بغلگیر ہو کر فرمایا کہ ایک عرصہ دراز سے مجھے اور میرے بڑے بھائی نواب عبدالکریم خاں صاحب کو اس نام کی تلاش تھی- وہ اسی آرزو میں انتقال فرما گئے مگر الحمد للہ کہ میری تمنا آج بر آئی کہ آپ سے ملاقات ہوئی- میں نے پوچھا کہ آپ مجھے کیا جانیں؟ فرمایا کہ آپ کی غزل ایک محفل میں میں نے اور میرے بھائی نے ایک مغنیہ کی زبان سے سنی تھی اس روز سے مجھے اس کلام سے تعشق ہوا- اور میرے بھائی بھی یہ کہتے تھے کہ صاحب غزل کا پتہ مل جائے تو میں شاگرد ہو جاؤں- اس غزل کے دو تین شعر مجھے یاد ہیں وہ غزل یہ تھی-

ہوں سے بچتے چلنے پہ بھی آفت آہی جاتی ہے　　یہ کافر وہ قیامت ہیں طبیعت آہی جاتی ہے

پھر فرمایا کہ مجھے بھی ابتدائے عمر سے شعر و سخن کا شوق ہے اور شوق کیسا کہ بیماری ہے- اس شوق میں لکھنو گیا اور شیخ امام بخش ناسخ سے خواجہ حیدر علی آتش سے اور دیگر شعرائے نامور سے مل کر آیا ہوں- تین دیوان بھی لکھ چکا ہوں- میاں خدا بخش صاحب تنویر بھی ٹونک میں آئے تھے- میرے پاس نوکر رہے پھر چلے گئے- آپ کی تلاش تھی- اب آپ مجھے شاگرد کیجیے اور کچھ بتایئے- میں نے کہا- جناب آپ کا سن میرے والد کے برابر ہے میرا سن تینتیس چونتیس سال کا ہوگا- آپ کا سن ساٹھ سے تجاوز کر گیا- کہا آپ کیا فرماتے ہیں- بزرگی بعقل است نہ بسال- یہ باتیں ابھی مجھ سے ہو ہی رہی تھیں کہ سامنے سے مہاراجہ صاحب نے دیکھا اور کہا کہ میاں یہاں کیوں نہیں آتے ہو- پان رکھے ہیں- کیوں بیٹھ

گئے ؟

نواب صاحب : ابھی حاضر ہوتا ہوں- یہ میرے استاد ہیں- ان کے پاس بیٹھ کر حقہ پی رہا تھا-

مہاراجہ صاحب : پھر میاں کیا تمہارے واسطے یہاں حقہ کی ممانعت ہے ؟

نواب صاحب : نہیں حضور ان سے کچھ باتیں کرتا تھا- حاضر ہوا- غرضکہ نواب صاحب اٹھ کر مہاراج صاحب کے پاس آئے- مہاراجہ صاحب نے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ آپ کے استاد کس بات کے ہیں ؟

نواب صاحب : آپ کو معلوم ہے کہ مجھے شعر و سخن کی دھت ہے-

مہاراجہ صاحب ! تو آہا یہ شاعر بھی ہیں مجھ سے تو آج تک انہوں نے بیان نہیں کیا کہ شعر کہتا ہوں نہ مجھے کبھی کچھ سنایا- انہیں بلا ہی لو- غرضکہ نواب صاحب نے مجھے آواز دی کہ حضرت یہاں آیئے- مہاراج صاحب یاد فرماتے ہیں- میں قریب گیا تو مہاراج صاحب نے فرمایا- تھانہ دار جی آج تک تم نے کبھی ذکر شعر و سخن کا نہیں کیا-

میں نے عرض کیا- کبھی اس قسم کا تذکرہ سرکار میں آیا نہیں- میری عادت نہیں کہ خود اپنے منہ سے میاں مٹھو ہوں-

مہاراج صاحب : اچھا تو اب کچھ سناؤ-

میں نے عرض کی : پھاٹک تک جانے کی اجازت ہو جائے تو کچھ لاؤں-

فرمایا : جاؤ- میں نے تھانہ میں آ کر بستے میں دیکھا- ایک قصیدہ ناتمام سا نکل آیا- اسے جلدی جلدی گھسیٹ کر اور اس میں نام درج کر کے دو گھنٹہ میں لے گیا اور مہاراج صاحب کو سنایا- دونوں صاحب نہایت خوش ہوئے اور بہت داد دی نواب احمد علی خاں صاحب نے فرمایا- حضور یہ اس وقت فی البدیہ لکھ کر لائے ہیں- مہاراج کو زیادہ تعجب ہوا پھر مہاراج صاحب نے فرمایا- مجھے بھی سننے کا شوق ہے- سناتے رہا کرو- یہ حال تو مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے- میں مشاعرہ کروں گا- اس میں لکھنا- میں نے عرض کی بہت بہتر- بعد کو نواب صاحب نے عرض کی کہ میں اب سامنے کے باغیچے میں ٹھہرتا ہوں- نماز پڑھ کو پھر آوں گا- یہ کہہ کر میں اور وہ باہر آئے اور سامنے والے باغیچہ میں جا کر بیٹھے- نواب صاحب نے اسی وقت پانچ روپیہ کی شیرنی منگائی اور کہا نیاز دیجئے- میں نے نیاز دی- وہ شیرینی تقسیم ہوئی- بعد نواب

صاحب نے کہا- میری غزل کی اصلاح کی کیا صورت ہے؟ میں نے کہا کہ آپ نے بچشم خود دیکھ لیا کہ مجھے فرصت ہی سارا دن میسر نہیں ہوتی- میرا کہنا سننا ترک ہو گیا ہے- اب میرا چھوٹا بھائی امراؤ مرزا انور مجھ سے بہتر کہتا ہے- آپ اس سے اصلاح لیجئے اور وہ آپ کو دل سے بتائے گا اور وہ اب جے پور آئے گا- جب مہاراجہ صاحب یہاں سے تشریف لے جائیں گے اس وقت میں اپنے بھائی کو لے کر مکان پر حاضر ہوں گا- غرضکہ بعد دو تین روز کے مہاراج صاحب جے پور میں تشریف لے گئے اور میں نے جے پور جا کر امراؤ مرزا کو بلوایا اور نواب صاحب نے غزل دکھائی- اس نے ان کے مواجہہ میں غزل کو اصلاح دی اور جو نقص اس میں تھے، اس سے آگاہ کیا- بس پھر کیا تھا آنکھیں کھل گئیں- مرد جہاندیدہ اور سنجیدہ سردار تھے اشارہ کافی تھا طبیعت تو موزوں تھی- بتانے کی دیر تھی پھر میں ایک ماہ بعد جب جا کر ملا ہوں تو مجھ سے بیان کیا کہ استاد تمہارے بھائی نے میری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا- اب مجھے معلوم ہوا کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا اور وہ لوگ بھی ناواقف ہیں- تنکے کے او جھل پہاڑ ہے- میں نے اپنے تینوں دیوان چھپوا دیئے اور اب نئے سرے سے پھر کہنا شروع کیا ہے- دو غزلیں بلاناغہ میں لکھتا ہوں اور اصلاح ہوتی جاتی ہے- اور وقت فرصت میں نے شعر گوئی کا مقرر کیا ہے- دس بجے رات کے میں پلنگ پر لیٹتا ہوں لکھنے والے میرے پلنگ کے نیچے بیٹھے لکھتے جاتے ہیں اور میں کہتا جاتا ہوں- حاصل کلام یہ کہ ایک دیوان لکھ کر اور تیار کیا- اکثر ان کے یہاں میری صحبت رہتی تھی اس میں کچھ سننے کا اتفاق مجھے ہو جاتا تھا- اور نہ نوکری سے فرصت تھی ورنہ آج تک میرا کلام بہت ہوتا- اب نوکری سے یکسو ہو کر خانہ نشین ہوا ہوں اور میرا بھائی دہلی جا کر ملازم ہو گیا ہے- دو تین سال میں بے روزگار رہا- پھر میں بھوپال گیا ہوں اور وہاں مشاعرہ نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ کے مواجہہ میں ہوئے ہیں- ان مشاعروں میں شریک رہا ہوں- چند غزلیں جب لکھی گئیں- نواب صدیق حسن خاں نے مجھے امیدوار کیا تھا- چار ماہ میں ٹھہرا پھر مجھے انتقال برادر مرحوم کی خبر پہنچی- میں واپس جے پور آ گیا تو نواب صاحب نے فرمایا کہ تمہارے بھائی کا انتقال ہو گیا- مجھے اس کا نہایت صدمہ ہے- اب آپ میرے پاس رہئیے- مجھ سے جدا نہ ہوجیے- جو سلوک میں ان سے کرتا تھا وہ آپ سے کرونگا- چنانچہ میں اس روز سے ان کی رفاقت میں رہا- ایک دیوان دوم کی میں نے اصلاح کی- اور ایک میرے بھائی نے- پہلا دیوان جو میرے بھائی نہ بنایا تھا وہ چھپ گیا-

دیوان رونق موجود ہے دوسرے کے چھپنے کی تیاری تھی کہ وہ انتقال فرما گئے مگر دونوں دیوان ان کے ایسے ہیں کہ ہم دونوں بھائیوں کے برابر بلکہ سی درجہ اول ہیں کیونکہ ہم دونوں نے جان توڑ کر لکھے ہیں اپنے کلام سے ان کے کلام کو بڑھا دیا- جب ایسا شاگرد لائق فائق قدردان خوش عقیدہ ہو تو محنت کرنے کو جی چاہتا ہے- نواب احمد علی خاں صاحب مرحوم نے جو میری قدرومنزلت کی ہے ایسی کوئی شاگرد استاد کی نہ کریگا- کوئی چیز ایسی نہ ہوگی کہ وہ مجھ سے دریغ کرتے ہوں حتے کہ وہ دوا تک پیتے تھے تو مجھے پلا دیتے تھے- نسخہ معجون یاقوتی سات روپے میں کرا لیا تھا اس میں سے بھی مجھے ایک ماشہ بھیج دی- یہاں تک ان کو مجھ سے عقیدت تھی کہ اکثر ایسا ہوا ہے کوئی عمدہ شے ان کے آگے رکھی گئی تو پہلے کہتے تھے کہ ایک چمچہ اس میں سے تو کھالے، تو میں کھاؤں- میں کہتا حضرت آپ کیا فرماتے ہیں وہ کہتے اس لئے کہ تیری زبان کا اثر میری زبان میں آجائے- جس وقت انہوں نے انتقال فرمایا ہے. تو میں اوپر پلنگ کے بیٹھا ہوا تھا اور میرا ہاتھ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے اپنے سینہ پر رکھ چھوڑا تھا- اسی طرح ان کا دم نکلا- بڑے صاحبزادے ان کے سامنے بیٹھے ہوئے دیکھ رہے تھے -زندگی بھر انہوں نے مجھے اپنے سے جدا نہ ہونے دیا- بارہا نواب ابراہیم علی خاں صاحب بہادر نے مجھے طلب کیا کہ دادا تم استاد کو مجھے دے دو، صاف جواب دیا آج تو تم استاد کو مجھ سے طلب کرتے ہو اور پھر ان کی تعظیم و تکریم میں فرق آیا تو مجھے رنج ہوگا اور مجھے تم سے کشیدگی ہو جائے گی- میں اپنی زندگی میں تو دیتا نہیں -بعد میرے مرنے کے تم کو اختیار ہے تم بلا لینا- چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا- بعد انتقال نواب احمد علی خاں صاحب کے نواب صاحب بہادر نے ان کے صاحبزادوں سے کہلا بھیجا کہ تم اب استاد کو میرے پاس بھیجدو- اور حسب الطلب نواب صاحب بہادر کے میں ٹونک میں گیا-

جس زمانہ میں کہ میں نواب احمد علی خاں صاحب مرحوم کی رفاقت میں تھا تو نواب صاحب کو مشاعرہ کا شوق از حد تھا- ہمیشہ مشاعرہ وغیرہ ہوتے رہتے اور نواب صاحب کی بھی بتاکید غزلیں منگواتے تھے البتہ دو سو غزل کے قریب مجھ سے نواب صاحب نے لکھوائیں -دیوان اول گلستان سخن ان کے زمانہ حیات میں قریب اختتام پہنچ گیا تھا-

ملازمتی کارگزاریاں: جس زمانہ میں میں تھانہ دار تھا اور نظر پرورش مہاراجہ صاحب کی میرے حال پر تھی تو اکثر کارہائے نمایاں کا انجام ظہور پذیر ہوتا رہتا تھا اور حکام

بالادست اکثر مہمات اہم پر مجھ کو بھیجتے رہتے تھے- جانتے تھے کہ یہ کسی حمایتی سے دبنے والا نہیں-ریاست ۔ ۔ ۔ قدیم الایام سے یہ بات چلی آتی تھی کہ بڑے بڑے جو سردار جاگیر ریاست تھے ۔ ۔ ۔ دیہات میں جو کوئی مجرم جا کر پناہ گزین ہوتا تھا وہ اس کو گرفتار کرا دینا بہت معیوب جانتے تھے-یہ امر گویا ایک طرح کی بہادری میں تصور کیا جاتا تھا کہ فلاں مکان میں سے مجرم گرفتار نہیں ہوتا اور پناہ دہندہ پناہ پذیر کو ہرگز نہیں دیتا- خصوصاً وہ جاگیردار جو ارکین ریاست متصور ہوتے تھے-راول جی صاحب اور ان کے بھائی ٹھاکر صاحب کہ جن کے خاندان میں قدیم سے مدار المہامی ہوتے چلے آئے تھے تو ایسے مواضعات سرکش اور حمایتی کی تعمیل احکامات کے واسطے مجھے بھیجا جاتا تھا-ایک بار حسن اتفاق سے قصبہ ساہدو ٹھاکر راول جی صاحب کا خاص مولد و مسکن اس کا تھا- اس میں تین مجرم واردات غارتگری کے پناہ گزین ہیں اور مجھے پتہ لگا اور میں نے جا کر خاص ساہدو میں ان کر گرفتار کیا- کامداران راول جی صاحب حارج اور مانع ہوئے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا- مجرم یہاں سے کوئی تھانہ دار یا ملازم فوجداری گرفتار کر کے لے گیا ہو- تم ان کو چھوڑ دو -اگر راج کو ان کی طلبی منظور ہے تو بذریعہ تحریر طلب کرے-ہم اپنے طور پر بھیج دینگے-میں نے جواب دیا- پھر راج کی حکومت ہی کیا ہوئی-جب مجرم کو گرفتار نہیں کر سکتا میں ان کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا-اسی طرح ہتھکڑی بیڑی ڈال کر لے جاؤں گا-انہوں نے دیکھا کہ یہ ان دھمکیوں میں نہ آئے گا تو نرمی پر اترے اور طمع دینے لگے حتے کہ تین ہزار رپیہ کا لالچ دیا کہ تم ان کو چھوڑ جاو- تین ہزار روپیہ ہم دیتے ہیں-فقط اتنی بات کہ ٹھکانے کی آن ٹوٹتی ہے اور تمام ریاست میں بدنامی ہے کہ ٹھکانے میں سے پناہ پذیر گرفتار ہو گئے تھے-جواب دیا کہ پیشتر تو شاید میں رسید لے کر تمہارے حوالہ بھی کر دیتا مگر اب تم نے رشوت کا نام لے دیا ہے تو میں ہرگز نہ چھوڑوں گا- کس لئے کہ آج تو یہ میری قید میں ہیں اور ہتھکڑی بیڑی میں نے ڈال رکھی ہے اور کل اسی طرح ہتھکڑی اور بیڑی میرے ہاتھ پاوں میں ہو گی-اس پر گفتگو طول کھنچ گئی-راول جی صاحب کے کامدار سے انہوں نے کہا- بھلا دیکھیں تو کیسے تم ان مجرموں کو لے جاسکتے ہوی بیسیوں تھانہ دار آئے اور یوں ہی ہم نے چلا دیئے-میں نے جواب دیا کہ کوئی تھانہ دار ہی نہ آیا ہو گا- نمک حرام رسوئی والے ہوں گے-میں ان کو لے جاؤں اور ڈنکے کی چوٹ لے جاوں اور سامنے ایک مکان محفوظ مندر کا تھا-اس پر قبضہ کر لیا اور ان مجرموں کو اس کی کوٹھڑی میں

بند کیا اور باہر اپنے ہمراہیاں جمعیت کا بندوبست کر دیا- اور برابر کے تھانہ داران کو اور گرداور کو بذریعہ رقعہ جات بنابر امداد طلب کیا اور جنرل سپرنٹنڈنٹ کو اس مضمون کی عرضی لکھی اور امداد طلب کی اور سواران کے ہاتھ رقعہ روانہ کئے غرضکہ دو پہر کے عرصہ میں دونوں تھانہ دار اور گرد آور میری امداد کو آپہنچے- اب میرے پاس پچاس سوار اور دس پندرہ سوئی جمعیت ہوئی- اب ملازمان راول جی صاحب نے یہ کام کیا کہ دروازہ شہر پناہ کے بند کرادیئے اور ہر ایک دروازہ پر تین تین سو چار چار سو آدمیوں کی جمعیت رکھ دی کہ مزموں کو باہر نہ لے جا سکیں- اودھر ساہدو بقالوں کو منادی کرادی کہ کوئی ملازمان سرکاری کو رسد نہ دے اب گھوڑے بھوکے ہیں اور آدمی بھوکے ہیں- سب حیران ہیں کہ یاالہی کس مصیبت میں گرفتار ہو گئے- سوچتے سوچے ایک بات خیال میں آئی- مندر کے سامنے ایک گھاس کی کڑی لگی ہوئی تھی اور وہ ایک بنیے کی تھی اور اسی کی دوکان آٹے دال کی تھی- جاتے ہی اس بقال کا کان پکڑ کے اٹھالایا اور مندر میں لاکر اسے اوندھا ڈال کر اس کی کمر پر ایک من بھر کا پتھر رکھ دیا اور اسے کہا کہ اب ہم بھوکے مریں گے مگر پہلے تجھے مار ڈالیں گے- تو جانتا ہے کہ بڑے راج کے نوکر ہیں اور راج نوکری پر آئے ہوئے ہیں- ہمارا کوئی کچھ نہیں کر سکتا- یا تو سیدھی طرح ہم کو رسد دیدے اور نہیں تیری دوکان گھربار سب لوٹ لیں گے -وہ لگا داد فریاد مچانے- اب راول جی کے آدمیوں کا یہ مقدور نہیں کہ ہم سے آکر زبردستی بنیے کو چھوڑا کرلے جاتے- فقط زبانی گیدڑ بھبکیاں تھیں جب بنئے نے دیکھ لیا کوئی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا تو مجبور منت معذرت کرنے لگا مجھے چھوڑ دو میں رسد دیتا ہوں- میں نے کہا چھوڑ دینا بس ایسے نہیں ہو سکتا سب چیز بست یہیں ہمیں منگادے- اس نے اپنے بھائی بندوں کو آواز دی- ارے جلدی آؤ اور مجھے اس بلا سے نجات دلاؤ- اسی وقت اس کا بھائی اور بیٹا دوڑے ہوئے آئے اور اس نے ان سے کہا کہ سب چیز سب سامان رسد کی یہیں اٹھالاؤ- وہ جلدی جلدی سب تھیلے اٹھالائے- مندر میں دوکان لگادی- جب میں نے کہا اٹھالو پتھر اس کی پشت پر سے اور اس سے کہا آٹھ روز کی رسد تو اب لشکر کو لادے باقی پھر دیکھی جائے گی اور سواران سے کہا کہ گھاس کے گٹھے باندھ لاؤ اور اس کے سامنے لاکر رکھ دو اور مناسب قیمت اسے دیتے جاؤ- اور لیتے جاؤ اور جس کے پاس قیمت نہ ہو وہ اپنا نام اور جمعیت کا اور اپنے جاگیردار کا اس کی بہی میں لکھواتے جاؤ- غرضکہ خوراک کا بندوبست کر کے بنیے کو رہا کر دیا گیا- اب حال یہ ہے کہ روز ایک عرضی طلب امداد

میں محکمہ صدر سپرنٹنڈنٹی ہمدست پیادگان روانہ ہوتی ہے۔ کیونکہ دروازے شہر کے بند ہیں۔ سوار تو نہ نکل سکتا تھا۔ کھڑکی کی راہ سے پیدل روانہ ہوتا تھا۔ سات روز تک یہی کیفیت رہی اور محکمہ صدر سے کچھ حکم نہ آیا اور نہ مدد آئی۔ آخرالامر ناچار ہو کر میں نے ایک رقعہ بنام حکیم محمد سلیم خاں صاحب داروغہ محکمہ خبر روانہ کیا اور تمام کیفیت از ابتدا تا انتہا لکھ بھیجی کہ آپ بذریعہ پرچہ خبر مہاراجہ صاحب کو اطلاع دیجئے اور جیسا حکم صادر ہو مجھے مطلع کیجئے چنانچہ حامل رقعہ تین بجے رات کے جے پور پہنچا کیونکہ مقام سامود جیپور سے بارہ تیرہ کوس تھا۔ داروغہ خبر نے لفافہ چاک کر کے رقعہ کو پڑھا اور پڑھ کر پالکی میں سوار ہو کر رقعہ کو لئے ہوئے محل کی ڈیوڑھی پر پہنچے اور مہاراجہ صاحب کو اطلاع کرائی کہ کوئی خبر ضروری زبانی حضور سے عرض کرنی ہے۔ فی الفور حکیم صاحب کو طلب کر لیا گیا اور حکیم صاحب گئے میرا رقعہ جو ان کے نام تھا وہ حرف بحرف پڑھ کر مہاراج صاحب کو سنا دیا۔ بمجرد استماع اس خبر کے مہاراج صاحب نے حکم دیا کہ شفیع میاں جرنل سپرنٹنڈنٹ کو حاضر کرو اور بخشی فوج اور بخشی خانہ جاگیر میں دونوں بخشیوں کو حکم پہنچا دو کہ جس قدر سوار اس وقت موجود ہوں سب تیار ہو کر سامان جنگ گولی بارود وغیرہ کے کر ڈیوڑھی پر حاضر ہو جائیں۔ مہاراج کا حکم سنتے ہی لے دے ہو گئی جابجا ہرکارے دوڑ گئے۔ رسالے تیار ہو ہو کر آنے لگے کہ اسی اثنا میں سپرنٹنڈنٹ حاضر ہوا فرمایا کیوں جی ہم نے اسی واسطے تم کو سپرنٹنڈنٹ کیا تھا کہ آٹھ روز سے ہمارے نوکر قید میں اور تم نے اس کا کچھ انتظام نہ کیا اور ان غریبوں کی کچھ خبر گیری نہ کی نہ مدد پہنچی۔ سپرنٹنڈنٹ نے عرض کی حضور مصاحبین کا معاملہ تھا اس لئے مجھے تامل تھا۔ فرمایا مصاحبین ہم سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ تعمیل حکم میں ایک سپاہی برابر مصاحب کے ہوتا ہے۔ وہ لوگ ہمارے حکم کے موجب اپنا فرض منصبی ادا کرنے گئے تھے۔ جاؤ ہمارے آدمیوں کو چھڑا کر لاؤ اور یہ سن لو کہ اگر میرا ایک آدمی بھی ضائع ہو گیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔ تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ سامود کا چبوترہ بنا کر آنا کوئی یہ نہ جانے کہ سامود کبھی آباد تھی یا نہیں۔ سپرنٹنڈنٹ نے عرض کی بہت بہتر ایسا ہی ہو گا۔ غلام سوار ہوتا ہے پھر مہاراج صاحب نے فرمایا۔ تم بوڑھے آدمی ہو تم کہاں جاؤ گے اپنے بیٹے کو سوار کرا دو۔ احمد میاں ان کے بیٹے بھی حاضر تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر آداب بجایا اور رخصت ہو کر سوار ہوئے اور بارہ بجے رات کے چاند پول دروازہ کھلوا کر مع جمعیت سواران روانہ ہوئے۔ ادھر جیسے توپ خانہ اور دو پلٹنوں میں حکم

پہنچ گیا کہ تیار رہیں اور حکم کے پہنچتے ہی روانہ ہو جائیں ادھر راول جی صاحب وہیں چینی کے رج میں موجود تھے وہ سن کر آتے ہی قدموں میں گر پڑے اور عرض کی کہ حضور فوج کو یوں تکلیف دیتے ہیں- میں ان مجرموں اور ملازموں کو جنہوں نے عدول حکمی کی ہے- دوپہر تک ڈیوڑھی پر حاضر کئے دیتا ہوں- ارشاد ہوا- کوئی ضرورت نہیں جس تھانیدار نے مجرم گرفتار کئے ہیں وہی لے کر آئے گا- اس نے اتنی بڑی تعمیل حکم کی ہے- میں اس کی دلشکنی کیونکر روا رکھوں گا- آپ جاکر اپنے مکان میں بیٹھئے کل سب ظہور میں آجائے گا-

آج آٹھواں دن ہے صبح کا وقت ہے چار گھڑی دن چڑھا ہے میں ہاتھ منہ دھو کر دروازہ مندر کے آگے کے چبوترہ پر بیٹھا ہوا کلی پی رہا ہوں پانچ سوار میرے پاس بیٹھے ہیں- میں اپنے دل میں یہ مسودے کر رہا ہوں کہ دیکھئے آج اس رقعہ کا کیا جواب آتا ہے کہ دو شخص سامنے کے دروازہ کی کھڑکی میں سے نکل کر آئے اور میرے پاس آکر سلام علیک کی اور کہا کہ حضرت ہم بھی مسافر ہیں- حقہ کی طلب ہے اگر حقہ عنایت ہو تو دو گھونٹ ہم بھی پی لیں- میں نے کہا آؤ بیٹھ جاؤ حقہ پی لو- وہ دونوں بیٹھ گئے ایک حقہ پینے لگا اور ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ سے کچھ علیحدہ عرض کرنا ہے- میں سمجھا یہ مسافر ہیں کچھ سوال کریں گے میں اس کا ہاتھ پکڑ کے علیحدہ لے گیا اور پوچھا کیا اس نے چپکے سے کہا تمہاری مدد آگئی ہے مگر دروازہ شہر بند ہے اندر کس طرح آسکتے ہیں- میں سمجھا سو پچاس سوار آئے ہوں گے- پھر میں نے پوچھا کس قدر جمعیت تمہارے ساتھ ہے اس نے بیان کیا پانچ ہزار سوار تو اس وقت موجود ہے اور جیسے کا توپ خانہ اور پیدل فوج عقب سے آئے گی- یہ سنتے ہی ایک بار تو میرے ہوش پرواز کر گئے- میں سمجھا یہ ہنسی کرتا ہے پھر میں نے کہا کیا یہ بات سچ ہے یا از راہ ہنسی اس نے کہا اب آنکھ سے دیکھ لینا مگر ترکیب اندر آنے کی بتاؤ- میں نے کہا دروازہ کے سامنے سے چکر کاٹ کر شمالی دروازہ سے آنا چاہیے وہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس طرح دور سے گھوڑے اٹھا کر آنا چاہیے کہ دروازہ بند نہ کرنے پائیں اور میں اس دروازہ پر جا موجود ہوں گا دروازہ بند نہ ہونے دوں گا- تم جاؤ بسم اللہ کر وان دونوں کو تو میں نے ادھر روانہ کیا اور اپنی جمعیت کو الگ بلوا کر چپکے سے کہہ دیا کہ کمر بندی کر کے مسلح ہو جاؤ- گھوڑے تو کسو نہیں تاکہ معلوم نہ ہو جائے مگر پیدل مسلح ہو جاؤ- دس آدمی تو مندر کی حفاظت پر رہو اور باقی دروازے تک پھیل جاؤ- جس وقت کچھ فساد ہو تا دیکھو دروازے پر دوڑ آؤ- میں ٹہلتا ہوا دروازے پر جاتا ہوں- غرضکہ

سب جلدی سے تیار ہوگئے اور میں تلوار ہاتھ میں لے کر اور ایک ہاتھ میں حقہ پیتا ہوا دروازے کی طرف کو چلا- خدمتگار کاندھے پر بندوق وہ میرے عقب میں تھا اور ٹہلتا ہوا دروازے پر پہنچا- دروازے پر کوئی ڈیڑھ سو دو سو آدمی کی جمعیت میں وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے مجھے سلام کیا اور کہا- آج تھانہ دار جی ادھر کیسے تشریف لائے؟ میں نے جواب دیا بھئی ہم تو تمہارے قیدی ہیں کہیں جا تو سکتے نہیں شہر میں پھر کر جی بہلاتے ہیں- سپاہیان دروازہ نے کہا تھانیدار جی تم کو کون قید کر سکتا ہے تم پھر بھی راج کے نوکر ہو- یہ بھی کوئی دن کا بلہ غلہ ہے میری ان کی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ میں نے دیکھا یکایک دروازہ کے سامنے سے ایک رسالہ کا نائب رسالدار گھوڑا دوڑائے ہوئے بے تحاشا چلا آتا ہے اور اس کے پیچھے ہی سواران کا غٹ ہے اور اس نے آتے ہی کمر سے تلوار کھینچ کر علم کی اور بولی قواعد کی بولی اور سب سواروں نے تلواریں کھینچ لیں- نگہبان دروازہ سہم کر سکتہ کے عالم میں ہک دھک رہ گئے اور نائب رسالدار نے ڈانٹ کر دروازہ والوں سے کہا کہ خبردار اگر اپنی جا سے جنبش کی تو مارے تلواروں کے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں گے- جیسے بیٹھے ہو یوں ہی بیٹھے رہو- پھر کس کا مقدور تھا کہ چوں کر سکے- اور افسر نے گھوڑا بڑھا کر کہا آؤ مردو آجاؤ- بس پھر کیا تھا ایک ریلہ سواروں کا ایسا داخل ہوا کہ دروازے میں سے بمشکل برآمد ہوئے اور سواروں کے غٹ کے غٹ چلے آتے ہیں اور سامود میں داخل ہوتے جاتے ہیں ان کے عقب میں نقارے پر چوٹ دیتا ہوا نقارچی داخل ہوا اور احمد میاں نے آکر مجھ سے سلام علیک کی اور پیچھے ان کے خاص رسالے آٹھوں رسالے نقاروں پر چوٹ دیتے ہوئے داخل ہوگئے ان کے عقب میں تین ہزار جاگیرداروں کا خیل داخل ہو گیا- اب سامود میں تل دھرنے کو جا نہ رہی- تمام شہر سواروں سے بھر گیا- اس وقت احمد میاں نائب سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے کہا کہ وہ تمہارے قیدی کہاں ہیں لاؤ ان کو میں نے کہا موجود ہیں مندر میں قید ہیں- اسی وقت سامود میں سے ایک گاڑی بیگار میں پکڑی اور قیدیوں کو مندر سے برآمد کر کے چھکڑے پر سوار کیا اور مجھ سے کہا کہ چلو میں نے کہا کہ ایک پانچ منٹ اور توقف کیجئے کہ میں ذرا بھائی جی کے مدار راول جی صاحب سے چل کر دو دو باتیں کر لوں- احمد میاں بولے اچھا میں نے کہا ایک امر اور ہے ذرا ان نقارچیوں کو میرے ہمراہ کر دو غرضکہ نقارے گھوڑے ہمراہ لے کر میں کامدار صاحب کے مکان پر پہنچا تو دروازہ کو تینا لگا ہوا پایا میں نے اس وقت باآواز بلند یا بھائی جی کا نام لے کر آواز دی

کہ دروازہ کھلوا کر مجھ سے دو دو باتیں کر لو- ہر چند میں نے اور میرے ہمراہیوں نے پکار اکر دروازے میں سے صدائے بر خاست کا عالم پایا- اس وقت میں نے بہت بڑی آواز سے پکار کر کہہ دیا بھائی جی آپ کہتے تھے کہ بیسوں تھانہ دار چلا دیئے ہیں کسی نے آج تک ٹھکانے کی آن نہیں توڑی ہے اس کے جواب میں میں نے آپ سے کہا تھا- کہ کوئی تھانہ دار نمک حلال نہ آیا ہو گا- ورنہ ڈنکے کی چوٹ گرفتار کر کے لے جائے گا تو دیکھ مرد جو بات زبان سے نکالتے ہیں اسے پورا کر کے دکھا دیتے ہیں- لو دیکھ لو- میں ڈنکے کی چوٹ ان کو گرفتار کر کے لئے جاتا ہوں اگر ہم سے چھوڑانا چاہتے ہو- چھڑالو- یہ کہہ کر میں نے نقارچیوں کو حکم دیا ہاں بھائی اب تم نقارے پر چوب دو- یکبارگی دس بارہ نقاروں پر چوب پڑی- تمام شہر اور پہاڑ گونج اٹھا اور ہم سب افسر قیدیوں کو لے کر شہر سے باہر ہوئے اور شہر سے ایک کوس کے فاصلہ پر راول جی کا ایک باغ تھا وہاں جا کر فوج کا ڈیرہ کیا- احمد میاں نے دیا بھائی سے کہلا بھیجا کہ اگر اپنی خیر منظور ہو تو سرکاری لشکر کے لئے بہت جلد رسد کا سامان اور بنیوں کی دکانیں روانہ کرو میں نے یہ ٹھکانے کا لحاظ کیا ہے کہ فوج کو شہر کے باہر لے آیا ہوں- ورنہ سامو ولٹ جاتی- اس پیغام کے تھوڑی دیر بعد سامان رسد وغیرہ سب آموجود ہوا اور لشکر نے دن بھر اپنا کھانا دانہ کیا رات کو وہیں شب باش ہوئے صبح کو سہانے وقت کوچ ہوا- گیارہ بجے دن کے مقام ہرمارہ پر جہاں میرا تھانہ تھا پہنچے- وہاں درختوں کے سایہ میں سرداروں نے آرام کیا- گھوڑوں کو پانی پلوایا- اب کچھ چنا چبینا وغیرہ جو کچھ دستیاب ہوا لے کر ناشتہ کیا- ادھر میرے آدمیوں نے ماسادال وغیرہ تیار کی- احمد میاں اور گرداور اور تھانہ داران ہمراہی اور افسران سوار نے وہ ناشتہ کیا بعد دو بجے وہاں سے روانہ ہوئے- جب ہم اماتی شاہ پر پہنچے تو شہر کی خلقت کا ایک اژدحام پایا- جیسے کوئی میلہ ہوتا ہے- شہر کے تماشائیوں کا میلہ امانی شاہ سے لے کر جسیب چوک تک وہ اژدحام تھا کہ سواروں کو رستہ نہ ملتا تھا- غرضکہ اسی طرح ہم سب ان قیدیوں کو لئے جسیب چوک میں پہنچے تو مہاراج صاحب اور مہاراجہ جسونت سنگھ بہادر فرمانروائے جودھ پور اس وقت ہوا محل کے دروازہ کی سیڑھیوں کے برابر کے برج میں بیٹھے ہوئے منتظر تھے اور تمام اہل کار محکمہ جات جسیب چوک میں راہ دیکھ رہے تھے- میں نے اور احمد میاں نے اور افسروں نے جا کر سلام کیا- مہاراجہ صاحب نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا- تو کہاں جا پھنسا تھا- میں نے عرض کی- حضور سرکار کی نوکری ہے ایسا اتفاق بھی ہو جاتا ہے- فرمایا شاباش نمک حلال ایسے

ہی ہوتے ہیں- قیدیوں کو سپرد فوجداری کر کے جاؤ مکان پر کمر کھولو- تمہاری نوکری ہو گئی- میں تعمیل حکم کر کے اور فوجداری سے رسید لے کر گھر کو روانہ ہوا اور جب لوگ اپنے اپنے قیام گاہ کو گئے میں گھر پر پہنچا تو سب بریت کی دعائیں مانگ رہے تھے- دیکھتے ہی خوش ہو گئے- صدقے سیلے اتارے گئے- اسی طرح ایک اور معاملہ ٹھاکر گوبند سنگھ جی کے گاؤں میں واقع ہوا تھا اگر اس کی تشریح کی جائے تو ایک دفتر ہو جائے- خلاصہ یہ کہ ایک سوامی بیراگی کہ سب خلقت کو صاحب نسبت ہونے کا گمان تھا اور مہاراجہ صاحب کو اس کے ساتھ حسن عقیدت بدرجہ غایت تھی اس کی ایک بھینس چوری ہو گئی تھی- اس نے خود جا کر مہاراج سے عرض کی کہ آپ کیا راج کرتے ہیں- آپ سے میری ایک بھینس تو منگائی جاتی ہی نہیں- مہاراجہ صاحب نے سنتے ہی سپرنٹنڈنٹ پر دس روپے روز کی دستک جاری کرنے کا حکم دیا اور ایک روپیہ یومیہ کی دستک جاری ہوئی- میں نے جا کر مدعی سے کہا کہ تم نے مجھے کیوں نہ اطلاع کی مہاراج سے کیوں فریاد کی- سوامی جی نے مجھ سے کہا کہ بابا تیرے بس کی بات نہیں- میری بھینس بہت بڑے ٹھکانے میں گئی ہے- تو نہیں لا سکتا مجھے سب حقیقت معلوم ہے- میں نے سوامی جی سے کہا کہ اچھا تم مجھے نشاندہی کرو میں گرفتار کرا لاؤں گا- سوامی جی نے کہا ایک اشتہاری مجرم کا قصور معاف کرا دے تو وہ تیرے ساتھ جا کر نشاندہی کرا دے- میں یہ بات سن کر کونسل میں پہنچا اور حکام سے عرض کی کہ ایک اشتہاری مجرم کا قصور معاف کیا جائے تو مال مجرم پیدا ہو سکتے ہیں چونکہ مہاراج کا حکم باور میں صادر ہو چکا اسی وقت معافی قصور کا پروانہ بایں شرط کہ اگر مال مجرم گرفتار کرا دے تو مجرم کا قصور معاف کیا جائے میں وہ پروانہ لے کر پھر سوامی جی کے پاس پہنچا اور سوامی نے بجنا تھ اشتہاری کو میرے سامنے بلوا کر موجود کر دیا- وہ مجرم میرے علاقے کا نہیں تھا غرضکہ اس کے دوسرے دن دس سوار خاص رسالے کے میں ہمراہ لے کر روانہ ہوا- بیج ناتھ میرے ہمراہ تھا- وہ ایک گاؤں جاگیر ٹھاکر گوبند سنگھ جی میں مجھے لے کر پہنچا- وہ گاؤں جے پور سے چودہ کوس تھا- شام کو ہم وہاں جا کر پہنچے- تعلقدار رویہ سے سربراہ کے واسطے کہلا بھیجا گیا کہ ہم واسطے کار سرکار کے آئے ہیں تم سربراہ بھجوا دو اور خود آؤ جو کچھ سرکار سے کام ہے اس کی تعمیل کراؤ- اس کے جواب میں تعلقدار نے کہلا بھیجا کہ سربراہ دینے کا ہماری سرکار سے حکم نہیں ہے اور مجھے اس وقت فرصت نہیں صبح کو ملوں گا- پھر میں نے ایک سوار بھیج کر کہلا بھیجا کہ سربراہ نہ دو

مگر حکم تو سن جاؤ- کہا صبح کو آؤں گا- میں نے مخبر سے کہا کہ پولیس کی نشاندہی کر بھینس تو گرفتار کرلی جائے بعد میں دیکھا جائے گا- وہ اٹھ کر گیا اور تھوڑی دیر میں آکر جواب دیا کہ میں جس مکان میں بھینس بندھی ہوئی دیکھ گیا تھا اب وہاں نہیں ہے اور میں بھینس کی پونچھ پر ہاتھ پھر کر گیا تھا اور تعلقہ دار جی کو جتا کر گیا تھا کہ یہ بھینس جانے نہ پائے اور یہ مجرم اور زمینداروں کو بھی کہہ گیا تھا بھینس ابھی ابھی انہوں نے یہاں سے چلادی ہے اور اسی واسطے تعلقدار نہ آیا- غرضکہ اس شب کو تو گھوڑوں کا دانہ گھاس اور دیہات میں سے منگوا کر کیا مگر آدمی سب بھوکے پیاسے رہے- صبح کو تعلقدار صاحب آئے تو دیکھتا کیا ہوں کہ بڑے موٹے تازے لحیم شحیم آدمی ہیں- خیر سلام علیک ہو کر آگے بیٹھے میں نے ان سے کہا کہ تعلقدار صاحب خاص مہاراجہ صاحب کا تو حکم اور میں نے اس کی تعمیل کے واسطے آپ کو بلوایا اور آپ نے عذر کیا اس عدول حکمی کا تو مجھے جواب دیجئے پھر اور کچھ کہوں گا- جواب دیا کہ یہ نہ معلوم تھا کہ خاص حکم حضور سے ہے پھر میں نے کہا کہ وہ چوری کی بھینس اور کالی ناتھ سارق میرے حوالہ کرو-

تعلقدار : کیسی بھینس، کون کالی ناتھ ؟

میں : انجناب سد سے والے سوامی کی بھینس اور کالی ناتھ چور جس کو تم نے گاؤں میں آباد کیا اور جس سے چوریاں کراتے ہو اور مال حرام کا کھا کر موٹے ہوئے ہو-

تعلقدار : کالیا کوئی ہمارے گاؤں میں نہیں آیا نہ بھینس آئی-

میں نے مخبر سے کہا کہ جواب دے -بنجناتھ نے کہا کہ تعلقدار جی میں خود بھینس گاؤں میں دیکھ کر گیا تھا اور آپ سے کہہ گیا تھا کہ بھینس جانے نہ پائے، یہ چوری کی ہے اور کالیا بھی موجود تھا، دونوں کے واسطے آپ سے یہ کہا تھا اور تاکید کر گیا تھا کہ خبردار دونوں جانے نہ پائیں-

تعلقدار : جھوٹا ہے الزام لگاتا ہے- پھر میں نے تعلقدار سے کہا کہ تعلقدار صاحب میں آپ سے دوستانہ فہمائش کرتا ہوں کہ آپ اپنی خیر چاہیں تو بھینس منگادیں ورنہ آپ تو کیا ہیں ٹھاکر صاحب کو بری بن جائے گی- یہ خاص حکم ہے-

تعلقدار : اجی حضرت بیسیوں افسر گرائی دیکھ لئے ہیں- ٹھاکر صاحب پر بری ہوانے والا کون ہے ؟

انجاب: افسر گرائی کو بھی نہیں دیکھا ہوگا ورنہ اب تک بھی کی بیڑیاں پڑ گئی ہوتیں۔

تعلقدار: اچھا تو اب آپ میرے بیڑیاں ڈلوا دیجئے۔

انجاب: -انشاء اللہ اگر میں افسر گرائی ہوں تو کل اتنے وقت آپ کو زیور پہنا دوں گا۔ یہ کہہ کر میں نے گھوڑوں پر چار جامے بندھوائے اور وہاں سے روانہ ہوا۔ چار بجے جے پور داخل ہوا اور سیدھا کونسل میں پہنچا اور مخبر اور دو سوار ان ہمراہی کو اپنے ساتھ لیتا گیا اور جا کر حکام کو سلام کیا۔ نواب فیض علی خاں صاحب نے پوچھا۔ بھینس لائے؟ میں نے ساری کیفیت بیان کی۔ سواران سے دریافت کیا۔ انہوں نے بھی میرے بیان کی تائید کی۔ بجنا تھ مخبر کو بلوا کر پوچھا کہ تو نے بچشم خود بھینس کو دیکھا تھا۔ بجنا تھ مخبر: دیکھنا کیسا خود بھینس کے پٹھے پر ہاتھ پھیر کر تعلقدار اور زمینداران کے سپرد کر کے آیا تھا۔ اس کا اظہار لیا گیا۔ اس نے اظہار میں بھی یہی بیان کیا۔ نواب صاحب کونسل سے اٹھ کر مہاراج صاحب کے پاس گئے اور گھڑی بھر کے بعد آکر حکم سنایا۔ کہ چہار وبیست جائیں اور ٹھاکر صاحب کے دھوئیں کو گھیر لیں اور کہہ دیں کہ جب تک بھینس اور کالی ناتھ مجرم جیپور نہ آئے گا آپ یہاں سے کہیں نہ جا سکیں گے۔ حکم پہنچتے ہی ٹھاکر صاحب نے سوار اور شتر سوار دوڑانے شروع کئے کہ دن نکلتے نکلتے بھینس اور چور تعلقدار اور زمیندار مسل پٹواری سب حاضر ہو جائیں۔ کونسل سے تو یہ کارروائی ہوئی۔ میں اپنے گھر میں آکر تھکا تھکایا کھانا کھا کر سو رہا اور دوسرے روز صبح کو چار گھڑی دن چڑھے تک سوتا رہا۔ ہنوز نیند میں تھا کہ ہرکارہ محکمہ گرائی کا پہنچا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب بلاتے ہیں۔ خیر منہ ہاتھ دھوئے پگڑی باندھی۔ تلوار اور چادر بغل میں دبا کر گرائی میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میر احمد علی خاں صاحب سپرنٹنڈنٹ کچہری کر رہے ہیں اور وہ تعلقدار صاحب اور پٹیل پٹواری سب موجود ہیں میں نے جا کر سپرنٹنڈنٹ صاحب کو سلام کیا۔ سپرنٹنڈٹ صاحب نے پوچھا۔ تم سے اور تعلقدار صاحب سے کیا گفتگو ہوئی تھی۔ میں نے سب بیان کی۔

سپرنٹنٹ تم نے کیا کہا تھا۔

انجاب۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ اگر میں افسر گرائی ہوں تو کل آپ کو زیور پہنا دوں گا۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب: اچھا تو یہ زیور موجود ہے۔ اس میں سے جو تعلقدار صاحب کے شان کے موافق ہو وہ ان کو پہنادو۔ تم اپنا وعدہ پورا کرو۔ اور بیڑیاں میرے آگے ڈلوادیں۔ میں نے اس میں سے ایک بھاری ڈنڈے دار بیڑی لے کر تعلقدار صاحب کی نذر گزرانی۔ آہن گر نے فوراً پاؤں ڈال کر حلقہ میں کیل مستحکم ٹھونک دی۔ باقی سب زمینداروں کے بھی بیڑیاں پڑ گئیں۔ کچہری میں اظہارات ہونے لگے۔ آخر تعلقدار صاحب قبولے کہ وہ بھینس ٹھاکر رنجیت سنگھ جی اجرول کے گاؤں میں ہم نے چلادی تھی اور اب بھی وہیں ہے۔ یہ بات سن کر میں کونسل کو پھر دوڑا گیا اور تمام کیفیت بیان کی کہ اب تک بھینس ٹھاکر رنجیت سنگھ جی حاکم کونسل کے گاؤں میں موجود ہے اور ٹھاکر صاحب خود سر اجلاس کونسل میں موجود تھے۔ نواب فیض علی خاں صاحب بہادر نے ٹھاکر صاحب سے کہا۔ واہ واہ ٹھاکر صاحب آپ کونسل کے سردار ہو کر چوروں کی پناہ دہی کرتے ہیں۔ ٹھاکر رنجیت سنگھ جی نے مجھ سے کہا کہ اچھا بھایا اگر میرے گاؤں میں بھینس ہو گی تو کل تیرے گھر پر پہنچ جائے گی خاطر جمع کر۔ یہ سن کر میں حکام کو سلام کر کے گھر کو آیا۔ دوسرے دن دوپہر کو پھر مجھے گرائی میں بلوایا گیا۔ جب میں گرائی میں پہنچا تو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے کہا کہ لو بھینس سنبھال لو اور ٹھاکر رنجیت سنگھ کے آدمیوں کو رسید لکھ دو۔ میں نے رسید لکھ کر بھینس گرائی میں بھجوادی اور کونسل میں جاکر نواب صاحب سے عرض کی کہ وہ گاؤ میش مہاراج کے اقبال سے میرے پاس آگئی ہے۔ اب سرکار کو اختیار ہے جسے چاہے حوالہ کر دیں۔ نواب صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر مہاراجہ صاحب کے پاس لے گئے۔ میں نے جاکر سلام کیا پوچھا بھینس لے آئے۔ میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ حضور کے اقبال سے موجود ہے۔ مہاراجہ صاحب نے ہنس کر فرمایا کہ نواب صاحب میں نے پہلے آپ سے کہہ دیا تھا کہ وہ بھینس پیدا کر لائے گا۔ بعد حکم ہوا کہ اس سوامی کے حوالہ کر کے راضی نامہ لے لو۔ سوامی جی کو بلا کر کہا کہ لو تم بھینس لو اور ٹھاکر گوبند سنگھ جی کے نام راضی نامہ کر دو۔ سوامی نے راضی نامہ سے انکار کیا۔ اب ٹھاکر صاحب کے وکیل منت کرتے ہیں اور روپیہ دیتے ہیں مگر سوامی کسی طرح راضی نامہ نہیں دیتا اور نہ بھینس لیتا ہے۔ ٹھاکر صاحب نہایت تنگ ہیں۔ غرضیکہ میں نے پھر سوامی سے جاکر کہا بھینس تمہاری آگئی۔ اب تم راضی نامہ کیوں نہیں دیتے۔ اس نے کہا میری بھینس کے سینگ اور دم کاٹ ڈالی ہے۔ بچہ مار ڈالا ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا تاوان اسی روپیہ سے

دلاتا ہوں۔

سوامی: راضی نامہ نہ دینے کا ایک سبب ہے مجھے کچھ بھینس کی پروا نہیں ایک بھینس نہیں دس بھینسیں میری چوری ہو جائیں تو میں کبھی فریاد نہ کرتا مگر میرے پاس تمام زمیندارہ کی روز فریاد آتی ہے کسی کے بیل چوری ہو جاتے ہیں، کسی کا اونٹ، کسی کی بھینس کسی کا غلہ، جب میں نے تنگ آکر نالش کی ہے۔ جب تک زمیندارہ کی چوری کا بندوبست نہ ہوگا میں راضی نامہ ہرگز نہ دوں گا۔ یہ کالیا مینہ جس نے میری بھینس چرائی ہے یہی چوری کرتا پھرتا ہے اور کہور کے قصبہ کے اردگرد کے دیہات میں چوری کرتا ہے۔ اور گاؤں والوں کو تنگ کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قصبہ کہور کے چوکیدارہ میں وہ بھی شامل ہے اس کے بھائی بندوں نے اسے وراثت سے خارج کر کے نکال دیا۔ اس کی جو جائداد اور آمدنی۔ غلہ وغیرہ ہل پیچھے مقرر تھی وہ اوروں نے چھین لی۔ اب وہ ان کے چوکیدارہ سے جو دیہات ہیں وہ ان کو لوٹتا ہے اور بڑے بڑے حمایتی دیہات میں رکھتا ہے۔ کبھی علاقہ الور میں بیٹھ کر چوری کرتا ہے یا تو سرکار اسے گرفتار کرے یا اس کو بٹھا کر اس کا حصہ دلائے کہ وہ چوری نہ کرے اور رعیت کو امن ملے۔ یہ حقیقت میں نے سن کر حکام کو گوش گزار کی۔ کونسل سے میرے لئے حکم ہوا کہ بذات خود ان مواضعات میں جاکر تحقیقات کرو اور جو کچھ اس کی جائداد موروثی ہو واگزاشت کرادو اور اسے بلا کر بہ اخذ ضمانت آباد کرو تاکہ وہ فتنہ فرو ہو اور رعیت کو آسائش ملے۔ غرضکہ میں نے اس کے رہنے کا حکم حاصل کر کے دیہات میں اشتہارات لگوادیئے کہ کالیا مینہ یا تو آٹھ روز کے اندر آکر آباد ہو جائے۔ تو اس کی جائداد موروثی وغیرہ اسے دلادی جائے گی۔ آج تک کے جرائم سرکار سے معاف کرادیئے جائیں گے ورنہ جائداد اس کی دوام کو ضبط کر کے اس کی جا دوسرا چوکیدار مہتر کیا جائے گا اور بعد اس کے عذرات قابل سماعت نہ ہوں گے۔ اس اشتہار کے جاری ہونے کے تیسرے روز وقت شام اس نے تھانہ میں آکر میرے قدم پکڑ لئے۔ میں نے اس کا اطمینان کیا کہ تو تھانے میں رہو۔ میں دورہ پر چل کر تیرا سب بندوبست کرادوں گا۔ بعد قصبہ بجنور میں جاکر سب دیہات کے زمینداروں کو بلوا کر جو اس کا حصہ تھا وہ جاری کرادیا اور اس کی منجانب آباد کرادیا۔ ٹھاکر صاحب کا اضافہ کرادیا۔ حکام اس کارروائی سے نہایت خوشنود ہوئے۔

بعد قصبہ نوالی علاقہ نظامت بالی پورہ میں بھی بدنظمی ہو رہی تھی۔ چوکیدار

تحصیلدار کی جبر و تعدی سے برخاست ہو گئے تھے - رعیت کو ستاتے تھے - نوالی کے شرفا میری تبدیلی کی درخواست کونسل سے کرا کے مجھے بدلوا کر نوالی لے گئے - وہاں مدت تک میں بہت حیران و پریشان رہا - تمام رات پچاس پچاس آدمیوں کی جمعیت لے کر رات بھر گشت کرتا تھا - چور ہاتھ نہ آتے تھے - میں ایک محلّہ میں جاتا وہ دوسرے میں درآمد ہوتے - آخر مجبور ہو کر کونسل سے آبادی چوکیداران کی درخواست کی - منظور ہو کر حکم آبادی چوکیداران صادر ہوا - میں نے اشتہار لگائے - شام کو سب کے سب بچے بوڑھے، جوان، عورتیں قریب بیس چالیس کے میرے قدموں میں آگرے - میں نے آباد کروایا - پھر اس روز سے قصبہ میں چوری نہ ہوئی - مواضعات کے دو چار دیہات سرکش تھے، ان کو ٹھونک پیٹ کے درست کر دیا - بندوبست ہو گیا - میں جس علاقہ میں رہتا تھا وہاں واردات بہت کم ہوتی تھی اور اگر ہو بھی جاتی تھی تو جب تک اصل مجرم دستیاب نہ ہوتے، چوکیداروں کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا - غرضکہ بعد جب مہاراجہ صاحب سالکانیوالے نے پوچھا، تھانہ دار کہاں ہے راجپوت نے عرض کی نوالی بدل گیا ہے - اسی وقت سوار بھیج کر مجھے بلا بھیجا -

ایسا ہی جب میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سمادر ئی تھا تو کونسل سے ایک سانڈنی سوار کیفیت لے کر میرے پاس پہنچا کہ ایک جاگیردار کے قصبہ میں باہم دونوں ٹھکرانیوں میں تنازع واقع ہوا ہے - فوج ایک ٹھکرانی کے جانب ہے اور کامداران ریاست دوسری ٹھکرانی کی طرف ہیں - آٹھ سات ہزار آدمی کا بلوہ ہے مبادا باہم فساد چلے اور خونریزی ہو اور ٹھکانہ برباد ہو جائے، فی الفور موقع واردات پر پہنچ کر بندوبست کرو - دنگہ و فساد کا ذمہ اپنا سمجھو اور یہی حکم ناظم میر احمد علی صاحب کے نام پہنچا - غرضکہ ہم دونوں آدمی قریب چار سو سوار پیدل کی جمعیت لے کر موقعہ پر پہنچے تو یہ دیکھا کہ دونوں جانب فوج کی مورچہ بندی ہے اور چھ سات ہزار آدمی کا بلوہ طرفین سے ہے اور توپیں بندھی ہوئیں گراب کی تیار ہیں - فقط بتی دینے کی دیر ہے - اور شہر میں بلچل مچی ہوئی ہے - رعیت تمام معہ اہل و عیال و مال اپنی دکان سے علاقہ بیکانیر کو بھاگی چلی جاتی ہے - سیٹھ، ساہوکار، مہاجن، بنیے، بقال، گاڑیاں بھر بھر کر اپنا سامان خانگی شہر سے لئے جاتے ہیں - اہل شہر تمام اپنے دیگر علاقہ جات میں لئے جاتے ہیں - غرضکہ غدر کا نقشہ دوبارہ نظر آ گیا - میں نے اس وقت گھوڑا بڑھا کے بیچ میں دونوں بلوائیوں کے جا کر کھڑا ہو کر بہ آواز بلند سنایا کہ اب ہم لوگ انتظام کے واسطے آ گئے ہیں - اب سے جس کی جانب

سے درازی ہو گی وہ راج کا قصوروار سمجھا جائے گا اور ہم لوگ دوسری جانب ہو کر اس کی پوری پوری خبر لیں گے اور پھر مقابلہ راج سے آپڑے گا- جو تم کو داد فریاد کرنی ہو ہم سے آ کر عرض کرو ہم بندوبست کریں گے اور ہٹادیجئے مورچے- غرضکہ میں نے ان کے مورچے جو قریب بندھے ہوئے تھے وہ فاصلہ سے کرادیئے- شب کو سب افسر فوج کے اور بڑی ٹھکرانی کا وکیل میرے پاس آیا اور ٹھکرانی کی اوڑھنی لے کر آیا اور مجھے ٹھکرانی صاحب کی جانب سے پیغام دیا کہ ٹھکرانی صاحبہ نے سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ ڈپٹی جی تم میرے دینی بھائی ہو اور میں بیوہ ہوں- میں نے تم کو اپنا بھائی کہا ہے اس اوڑھنی کی تم کو شرم چاہئے- اب یہ ٹھکانہ تم رکھو گے یا خدا رکھے گا- ٹھاکر صاحب کو مرے ہوئے دو برس کا عرصہ ہوا- یہ پانچ برس کا بچہ وہ چھوڑ گئے ہیں- یہ چھوٹی ٹھکرانی سے ہے- اس کے پیدا ہوتے ہی میری گود میں ڈال دیا تھا- اب یہ کامدار چھوٹی ٹھکرانی سے مل گئے ہیں اور رعیت اور فوج کو تنگ کر رکھا ہے- دس مہینے فوج کے چڑھ گئے ہیں- تنخواہ نہیں پائی جس کو کوئی زمین ٹھاکر دے مرا تھا وہ سب ضبط کرلی ہے جاگیر کو لوٹتے اس کو کھاتے ہیں آخر فوج نے لاچار ہو کر کمربندی کر کے مقابلہ آرائی پر کمر باندھی کامداروں نے اور ٹھکانوں میں سے جمعیت فراہم کر کے وہ بھی مرنے مارنے کے لئے تیار ہو گئے اور ان کا ارادہ ہے کہ دوڑ کر ان کی توپیں چھین لیں- اب تم آگئے ہو اب اس کا بندوبست تمہارے اختیار ہے اور یہ تین سو روپیہ دعوت کے بھیجے ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ جب تک ڈیرہ رہے گا تمہاری فوج کا خرچ میں دوں گی-

جواب ازجانب :- ٹھکرانی صاحبہ سے میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ جب تم نے اپنے منہ سے مجھے بھائی کہا ہے تو ہم لوگوں میں یہ دستور ہے کہ بہن، بیٹی، بھانجی، بھتیجی کا پیسہ سور مردار سمجھتے ہیں- یہ دعوت آپ رہنے دیجئے- خدا چاہے گا تو ٹھکانے کا بال بھی بیکانہ ہو گا اور برقرار رہے گا اور دشمن سب رد ہو جائیں گے اور آپ کا حکم حاصل بنا رہے گا مگر میں جو کہوں گا میرے حکم کے بموجب عملدرآمد رکھنا چاہئے- میری جانب کی کارروائی تو یہ ہوئی اب ناظم کے یہاں کی کارروائی کا حال سنئے کہ کامدار وہاں پہنچے اور اہلکاران ریاست سے سازباز کر کے یہ چاہا کہ افسران فوج کو ناظم صاحب گرفتار کر کے جھجھہ کو لے جائیں تو میدان صاف ہو جائے- سپاہی بیچارے کیا کر سکیں گے- پھر ٹھکانے پر قبض وبست برابر ہماری مداخلت ہو جائے گی- حسب دلخواہ کارروائی کریں گے کوئی مانع اور مزاحم نہ ہو گا- ٹھکرانی بیچاری پردہ

نشین ہے وہ کیا کر سکتی ہے- ابطور نظر بند کے بے دخل پڑی رہے گی- یہ خبر مجھ کو رات کے بارہ بجے معلوم ہوئی کہ ناظم صاحب کے یہاں یہ منصوبہ ہوا ہے کہ کامداران کی امداد کر کے افسران فوج کو گرفتار کرا دیا جائے- ایک رسالدار فوج نے مجھ سے آ کر یہ ماجرا بیان کیا اور نیز یہ اظہار کیا کہ ہم لوگوں کا گرفتار ہو جانا کچھ سہل نہیں ہے- آخر ہم سپاہی ہیں اور مرنے مارنے پر آمادہ ہیں- جب ناظم صاحب ہماری گرفتاری کا ارادہ کریں گے تو اس وقت ہم لوگ کچھ لحاظ حکومت کا نہ کریں گے- کامداران کے شامل ناظم صاحب کو بھی سمجھ کر مقابلہ آرائی میں دریغ نہ کریں گے اس وقت حاکم محکوم سب برابر ہیں- اگر سرکار جے پور کا مقابلہ ہو تو ہم آپ کو جتائے دیتے ہیں جو ہمارے سامنے آئے گا ہم گراب ماریں گے خواہ ناظم صاحب ہوں- خواہ آپ ہوں- ہم کسی کی رورعایت نہ کریں گے- یہ سن کر میں نے اسے تسلی دی کہ نہیں ایسا ہرگز نہ ہونے پائے گا- تم خاطر جمع رکھو- میں ایسی تدبیر کروں گا کہ یہاں تک نوبت ہی نہ پہنچے گی اور رفع شر ہو جائے گا- یہ کہ سن کر وہ تو رخصت ہوا میں اپنے بستر پر لیٹ کر سو رہا- صبح کو جب بیدار ہوا ہاتھ منہ دھو کر بیٹھا ہوا حقہ پیتا ہوں اور اس معاملہ میں سوچ رہا ہوں کہ یکا یک ایک ہرکارہ گھبرایا ہوا آیا اور اس نے بیان کیا کہ ناظم صاحب نے حکم دیا ہے کہ جلدی تیار ہو کر مع جمعیت آ جاؤ- وہاں ہتھیار چل گیا- جلدی چلو میں نے اپنی جمعیت کو آواز دی تیار ہو جاؤ اور آپ ہتھیار لگائے- بندوق بھری بارود گولی کا توردان کمر سے لگایا اور مکان میں سے نکل کر چلا- میری جمعیت میرے ہمراہ ہوئی- جب میں ناظم صاحب کے مکان پر پہنچا تو میں نے دیکھا ناظم صاحب بندوق میں گولی ڈال رہے ہیں- مگر اضطراب کے باعث دست و پا میں رعشہ ہے- مجھے دیکھتے ہی بولے- وہاں ہتھیار چل گیا کشت و خون ہو رہا ہے چلو اور جلدی چلو- میں نے کہا کہ آپ تشریف رکھیے، مجھے جانے دیجئے آپ کا چلنا مناسب نہیں ہے- آپ کی صورت دیکھتے ہی توپوں پر بتی پڑ جائے گی اگر تلوار نہ چلی ہو گی مجھے ساری کیفیت معلوم ہے- آپ یہیں ٹھیریں- میں اپنی جمعیت لے جاتا ہوں جب مجھ سے کسی طرح کی جنگ و جدل واقع ہو تو آپ میری امداد کو آ جائیے گا- یہ کہ کر میں معرکہ میں آیا تو یہی کیفیت دیکھی کہ بالکل آمادگی دونوں جانب سے لڑائی کی پائی گئی اور دونوں گروہ بہت قریب ہو گئے تھے- شاید سو قدم کا فاصلہ ہو گا اور عین بازار میں معرکہ کارزار ہے- فوج والوں کی پشت پر توپ خانہ کی بارک ہے اور آگے توپیں بڑھا رکھی ہیں- اور توپوں میں نکموں کا چھرا ابھرا

ہوا ہے توڑا سلگتا ہے توپوں کے پیچھے فوج جمی کھڑی ہے اور کامداران کی طرف کی جمعیت بازار کی دورویہ دکانوں میں بندوقیں بھرے کھڑی ہے- میں ان دونوں لشکروں کے پہلو میں سے پہنچا- جس وقت فوجیوں نے مجھے آتے ہوئے دیکھا پکار کر کہا کہ ڈپٹی جی خبردار آگے نہ آنا ورنہ ہم توپ کو بتی دکھاتے ہیں- میں نے پکار کر جواب دیا کہ اچھا میں اپنی جمعیت کو نہیں لاتا- تنہا آتا ہوں تم سے دو باتیں کرنی ہیں- یہ کہہ کر میں آگے چلنے لگا تو میری جمعیت والے میرے ساتھ آنے لگے اور کہا کہ اس وقت ہم تم کو اکیلا نہیں جانے دیں گے اگر تم وہاں مارے گئے تو راجہ ہم کو توپ سے اڑا دے گا کہ تم اپنی ڈپٹی کو قتل کرا آئے- میں نے انہیں سمجھایا کہ نہیں مجھے کوئی نہیں مارے گا- میں دو باتیں ان سے کر کے آتا ہوں اور میں نے بیچ میں کھڑے ہو کر سنایا کہ دیکھو تم دونوں کے بیچ میں میری جمعیت حائل ہے- جس کی طرف سے پہل ہو گی گویا مجھ سے مقابلہ ہو گا اور اپنی جمعیت کو بیچ میں بلا کر کھڑا کر دیا- اور آپ تنہا افسران فوج کے پاس پہنچا اور ان کو سمجھایا کہ دیکھو تم لوگ سپاہی ہو اور سپاہ کا قرینہ جاہل ہوتا ہے ایسا کام نہ کرنا کہ جانیں بھی تلف ہوں اور لاشیں بھی کتے کوئیں کھائیں اور بال بچے تباہ ہو جائیں- عورتوں کی آبروریزی ہو ایسا کام کرو نہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے- میرے نزدیک یہ بات مناسب ہے کہ تم لوگ سب جے پور کو صدر میں چلے جاؤ وہاں جا کر اپنا استغاثہ پیش کرو- افسران فوج ہم تو اس بات پر راضی ہیں مگر کامدار بھی مانیں- وہ ہم کو گرفتار کیا چاہتے ہیں- میں نے کہا کہ میں اس بات کا ذمہ دار ہوں پہلے ان کا چالان جے پور کو کر لوں گا جب تم کو بھیجوں گا وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ اچھا کامداران کو بھی ہمارے ساتھ جے پور کو روانہ کر دو- یہ کہہ کر میں کامداران کی طرف کو گیا اور وہاں جا کر ان کو دھمکایا اور کہا کہ اپنی خیر چاہتے ہو تو تم دونوں اسی وقت جے پور کو روانہ ہو جاؤ- ورنہ پہلے مجھ سے سمجھ لو پھر آپس میں لڑنا جھگڑنا- جے پور میں اب تو لڑو جھگڑو ٹھکانے کو کیوں برباد کرتے ہو اور ان بلوائیوں کو پیچھے ہٹا دو اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ہٹا دو ان کو پیچھے کو دوکانیں خالی کراؤ- نیچے جا کر انہیں کھڑا کرو اور کامدار سے کہا کہ چلو میرے ہمراہ ناظم صاحب کے پاس- ان دونوں کو ہمراہ لے کر ناظم صاحب کے پاس آکر کہا کہ بس مصلحت وقت اس میں ہے کہ آپ ان کو اسی وقت اپنے سوار ساتھ کر کے جے پور روانہ کریں اور میں اپنے سواروں کے ساتھ افسران فوج کو روانہ کرتا ہوں- فساد برخاست ہوتا ہے اور دونوں طرف کے مورچے ہٹوائے دیتا ہوں- ناظم

صاحب نے بھی چاروناچار اس تجویز کو منظور کیااور کامداران سے کہا کہ جاؤ جے پور میں جا کر آپس میں سمجھ لو تیار ہو جاؤ چلنے کو- میں نے جا کر توپیں کھلوا کر توپ خانہ میں رکھوائیں اور میرے آدمیوں نے بلوائیوں کو منتشر کر دیااور دونوں ٹھکرانیوں سے کہلا بھیجا کہ اب اپنے وکیل جے پور کو بھیج دواور اسی روز کامدار اور افسران فوج ہر دو متخاصمین کو جے پور کو چالان کر دیا گیا- غرضکہ نوکری جے پور میں ایسے ایسے کارنمایاں اکثر ظہور میں آئے ہیں-

ایک بار زمانہ تھانہ داری سانگانیر میں شفیع میاں جنرل سپرنٹنڈنٹ نے مجھے تھانہ سے معطل کر کے میری جاپر قائم مقام کر کے اپنے ایک عزیز کو بھیج دیا- مجھے اطمینان تھا کہ مجھے معطل کون کر سکتا ہے-بے حکم حضور کے میں بھی خاموشی کے ساتھ ہنستا بولتا دوماہ تک گھر بیٹھارہا- آخر ایک قصیدہ میں حال معطلی درج کر کے مہاراجہ صاحب کے پاس پہنچا مہاراجہ صاحب موضع کھاتی پورہ کی شکار گاہ میں تشریف رکھتے تھے اور اتفاق سے نواب احمد علی خاں صاحب بھی اور نائب عبیداللہ خاں صاحب ان کے بھتیجے بھی کہ ان دنوں میں جے پور میں موجود تھے وہ دونوں صاحب بھی وہیں آموجود ہوئے-شام کو میں نے جا کر مہاراجہ صاحب کو سلام کیا- فرمایا آج تھانہ دار جی تم کہاں آگئے- میں نے عرض کی کہ بہت دن سے حضور کو سلام نہیں ہوا تھااور کچھ لکھ کر بھی لایا ہوں مسکرا کر فرمایا بہت اچھاچراغ جل جائیں تو بیٹھ کر سنوں- جب چراغ روشن ہو گئے تو کھاتی پورہ کے بنگلہ میں حضور صاحب بیٹھے اور برابر نواب احمد علی خاں صاحب بیٹھے اور سامنے کے رخ کو چراغ دان روشن تھااس کے ایک پہلو میں میں بیٹھااور دوسرے پہلو میں نائب عبیداللہ خاں صاحب اور ان کے برابر بابوراؤ کامتی چندربہادر تھے اور میری بغل میں منشی نولکشور مالک مطبع اودھ اخبار اور مہاراجہ کی پشت پر مہاراج پرتاب سنگھ جی جودھ پوروالے بیٹھے ہوئے اور ٹھاکر فتح سنگھ جی ان سے باتیں کر رہے ہیں کہ مہاراجہ صاحب نے حکم دیا-ہاں ہوئے اور میں نے قصیدہ شروع کیااور سب تعریف کر رہے تھے- منشی نولکشور صاحب بولے واہ کیا قصیدہ لکھا ہے-بالکل فردوسی کی زبان معلوم ہوتی ہے -مہاراجہ صاحب کی خوش اقبالی ہے کہ اہل کمال آکر موجود ہو جاتے ہیں اس کلمہ پر مہاراجہ صاحب بہت خوش ہوئے- مگر جب وہ معطلی کے مضمون کے شعر آئے تو نواب احمد علی خاں صاحب سے پوچھا یہ کیا کہتے ہیں-انہوں نے کہا کہ دوماہ سے معطل ہو کر گھر بیٹھے ہوئے ہیں-فرمانے لگے-میری بے اجازت کس نے معطل کیا-بابوکانتی چندر سے مخاطب

ہو کر میں لکھوا چکا ہوں کہ میری بغیر اجازت معطلی، تبدیلی، بر خاستگی نہ ہو۔

بابو صاحب۔ہاں میں نے یہ حکم کونسل میں لکھوایا ہے زبانی حضور کے۔

مہاراجہ صاحب۔ شفیع میاں بڑے بے شعور آدمی ہیں ان کی معطلی کی تنخواہ ان کی تنخواہ سے دلادو کہ آئندہ انہیں خیال رہے اور بیس روپیہ ماہوار ان کے روزینہ داران میں کردو اور اگر یہ نوکری سرکار سرشتہ میں انجام دیں تو کارگزاری کی تنخواہ علیحدہ ملے اور یہ روزینہ علیحدہ۔میں نے اٹھ کر سلام کیا وہاں سے رخصت ہو کر گھر کو آیا وہ نواب احمد علی خاں کے مکان پر آئے اور مجھے بلوایا اور کہا کہ اب تھانے پر جاؤ۔ میں نے کہا مجھے معاف کیجئے۔ مہاراجہ صاحب نے میرا روزینہ کر دیا۔اب مجھے کار کردہ کی کچھ حاجت نہیں۔میں نہیں جاتا۔اب میں انکار کرتا ہوں اور وہ درپے ہوتے ہیں اور نواب صاحب سے کہا کہ ایک بار ان کو آپ سارنگانیر بھجوا دیں۔ پھر یہ چاہیں استعفا داخل کریں۔ میں بری ہو جاؤں خیر سمجھا کر مجھے تھانے پر بھیج دیا۔بعد ایک سال کے حضور صاحب نے مجھے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کر کے ٹوراوائی کو بھیج دیا اور نیز یہ فرمایا کہ مجھے تیری چاکری کا حال خوب معلوم ہے۔انشاء اللہ تیری ترقی بہت کچھ ہو گی۔ میری بد نصیبی ہے چھ ماہ کے بعد ان کا انتقال ہو گیا اور میں اس دلدل میں پھنس گیا۔ایک سال ٹوراوائی میں میں نے نوکری دی اور وہاں سے تین برس شیخاواٹی میں ڈپٹی رہا۔ مہاراجہ صاحب بہادر مہاراجہ مادھو سنگھ جی ان روزوں میں بے اختیار تھے اور ایک طوفان بد تمیزی جے پور میں طغیانیوں پر تھا یعنی جس قدر مہاراج رام سنگھ جی کے ملازم تھے وہ سب خانہ نشین ہو گئے۔ایک نئے سپرنٹنڈنٹ ہوئے تھے۔انہوں نے ہم چاروں ڈپٹیوں اور پرانے تھانہ داروں کو موقوف کر کے نئے بھرتی کر دیئے تھے ان کی نالش فریاد بہت سی ہوئی۔انہوں نے میری جگہ پر اپنے بھائی کو مقرر کیا ان کی نالش فریاد ہوتی رہی۔آخر دو برس چارہ جوئی کر کے تھک کر اپنے گھر بیٹھ رہا۔ریاست نے اتنی پرورش کر دی کہ میرے بیٹے کو تھانہ دار کر دیا تھا۔اسی اثنا میں میرا ارادہ بھوپال کا ہوا اور دوران سفر میں مقام جاورہ میں قیام ہوا۔نواب صاحب نواب اسمعیل خاں بہادر والی جاورہ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ایک قصیدہ نذر کیا۔آٹھ روز مجھے مہمان رکھا اور پچاس روپیہ صلہ کے دے کر رخصت کیا۔ میں بھوپال میں آیا اپنے ایک دوست کے مکان پر مقیم ہوا۔نواب صدیق حسن خاں صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حضور نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ کے مواجہ میں مشاعرہ ہوتا تھا۔آٹھویں

دن روز جمعہ کو شریک مشاعرہ ہوتا تھا- پس پانچ سات آدمی شریک جلسہ ہوتے تھے- نواب صاحب نے امیدوار کیا تھا- بعد تین ماہ کے میں واپس مکان کو روانہ ہوا ایک قصیدہ عید قربان کا بیگم صاحبہ کے دربار میں پڑھا تھا- اس کے صلہ میں دو سو روپیہ عنایت ہوئے تھے وہ لے کر مکان کو چلا گیا- نواب احمد علی خاں صاحب کے بڑے بیٹے کی شادی میں میں نے قصیدہ لکھا پچاس روپیہ صلہ کے دیئے اور کہا کہ اب آپ کہیں نہ جائیں- میری ریاست میں رہیں- چنانچہ مرتے دم تک انہوں نے مجھے اپنے سے جدا نہ کیا اور میں آرام سے جے پور میں بیٹھا رہا-

جے پور کو خدا آباد رکھے عجب شہر ہے- بہ اعتبار شہریت یہ اپنا نظیر نہیں رکھتا اور آب و ہوا بھی بحد اعتدال لطیف و خوشگوار ہے- ہر طرح کا امن و آسائش ہے- ایک ایسی عمدہ بات جے پور میں دیکھنے میں آئی کہ تمام ہندوستان میں نہیں- یعنے ہر قوم اور ہر فریق اور ہر مذاہب کے آدمی جے پور میں سکونت پذیر ہیں مگر باہم تعصب مذہبی نہیں ہندو، مسلمان، شیعہ، سنی، انگریز سب باہم شیر و شکر ہیں کبھی باہم مذہبی تعصب کا تذکرہ نہیں آتا- ہولی، دسہرہ، محرم، رام لیلا وغیرہ میں انگریزی عملداریوں میں باہم فتنہ و فساد ہوئے آدمی مارے گئے- مگر جے پور میں کبھی تکرار تک نہیں ہوئی- یہ سب خوبیاں مہاراج رام سنگھ بہادر کے عدل و انصاف اور نظم و نسق اور سیاست دانی اور تالیف قلوب اور بلا تعصبی کے ہیں کہ آج تک وہی انتظام برقرار ہے جو بناوہ ڈال گئے ہیں اور یہ سب نتیجہ ان کی بیدار مغزی کا ہے حالانکہ مہاراجہ صاحب بہادر مہاراج سری سوامی مادھو سنگھ جی کے مزاج میں کسی درجہ تعصب مذہبی نسبت فرقہ اہل اسلام ہے مگر رعایا پروری کی نظر سے حقوق سب کے برابر سمجھے جاتے ہیں- جو سلوک ہنود کے ساتھ ہوتے ہیں اس سے زیادہ کچھ مسلمانوں کے ساتھ مرعی رکھے جاتے ہیں- ایام قحط سالی میں سب اقوام کے ساتھ ایک برتاؤ کیا گیا اور دو دو روپیہ مہینہ سب کا برابر جاری رکھا گیا اور تین برس سب کو برابر ملے کیا- حق تو یوں ہے کہ زمانہ قحط سالی میں جو مہاراجہ مادھو سنگھ جی نے رعایا پروری کی ہے آج تک نہ کسی بادشاہ نے کی نہ کسی راجہ نے- کروڑوں روپے اپنی رعیت پر سے صدقے کر دیئے- غلہ کے بازاروں میں انبار چنوا دیئے اور دس سیر کا بکے گئے- ایک پیسہ والے کو ایک لپ بھر کے دے دیتے تھے- اٹھارہ ہزار آدمی کی مدد جاری تھی عورات پردہ نشین رات کو جا کر کام کرتی تھیں- صبح سے پہلے مزدوری لے کر گھر آجاتی تھیں- دن میں عام حکم تھا- جس کا جی چاہے درخت کاٹ لاؤ اور بیچو اور کھاؤ-

اس کے علاوہ لنگر جاری تھا- کنگلوں کے واسطے ڈیرے کھڑے کرادیئے- نمدے کا فرش بچھوادیا کئی ہزار کمبل تقسیم کرادیئے- علاوہ ازیں مہاراجہ صاحب مزاج کے بہت حلیم و سلیم ہیں- کسی کے آزار تکلیف کے روادار نہیں- منہ سے کسی کو برا بھلا نہیں کہتے- کسی پر خفا نہیں ہوتے- رعایا، ملازم سب خوش و خرم ہیں- فیاض بدرجہ اوسط ہیں جو جس کا مقرر ہے ملے جاتا ہے-

قلعہ رنتھنبور ۱؎

یہ قلعہ بنظر استحکام روئے زمین کے قلعہ جات سے زیادہ تر رفعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے- اگر کوئی غنیم قلعہ کشائی کے ارادہ سے حملہ آور ہو تو ہر چہار اطراف سے قلعہ تک رسائی محال بلکہ غیر ممکن- اگر قلعہ والوں کے پاس سامان رسد و میگزین وغیرہ جمعیت مناسب دفعیئہ محاصرین موجود ہو تو تمام عمر فاتح قلعہ مذکور پر دستیاب نہیں ہو سکتا-

یہ قلعہ سات کوس کے دوائر میں بطور نقطہ پرکار واقع ہوا ہے اور حصار کے پہاڑ بھی سب سربفلک کشیدہ اور نہایت بلند و ضخیم ہیں- دامن کوہستان میں زمین مزروعہ ہے- ان میں زراعت بخوبی ہوتی ہے اور جابجا آبشار و چشمہ سار ہیں- پہاڑوں کا پانی تالابوں میں جمع ہوتا ہے اور دیہات آباد ہیں- طولاً عرضاً دروازہ کوس کے فاصلہ میں یہ قلعہ واقع ہوا ہے اور کسی جانب سے راہ ہموار اور درہ اور راہ آمد و شد قلعہ نہیں ہے- بجز اینکہ جادہ ہائے ناہموار و انتہائی دشوار گزار اور پست و بلند گھاٹیاں کہ جن پر سے سوائے ایک دو پیدل اور ایک سوار کے عبور و مرور دشوار ہے- کوئی رستہ بھی ایسا نہیں جس سے توپ کا گزر قلعہ تک ہو- کسی جانب سے لگاؤ ایسا نہیں کہ توپ پہنچ سکے- چہار طرف سے پہاڑ قلعہ کو چکی کے گوند کی طرح گھیرے

۱؎ اس فلک تمثال قلعہ کو ۱۲۹۹ء میں سلطان علاؤالدین خلجی نے فتح کیا- لیکن خاندان کے زوال کے بعد یہ ریاست پھر راجپوتوں کے قبضہ میں چلی گئی- ۱۵۶۳ء میں شہنشاہ اکبر نے جے پور پر حملہ کیا یہاں کے راجہ بہارامل نے اکبر کی اطاعت قبول کرلی اور اپنی بیٹی کی شادی شہنشاہ سے کردی- اکبر نے راجہ کے بیٹے بھگوان داس اور پوتے مان سنگھ کو امراء میں شامل کیا اور ۵ ہزاری منصب عطا کیا- شاید اسی وجہ سے اس ریاست میں مذہبی تعصب نہیں تھا- (نظیر)

ہوئے ہیں ان کے بیچ میں قلعہ کا مینار واقع ہوا ہے اور خوبی یہ ہے کہ یہ پہاڑ سیدھا مینار کی طرح زمین سے اٹھ گیا ہے- قلعہ کا راستہ البتہ ڈھلوان ہے- قلعہ کے شمالی جانب پیش قلعہ ایک میدان وسیع واقع ہوا ہے- اس میں ایک تالاب عظیم الشان ہے- تالاب کے کنارے درختان انبہ بکثرت ہیں- لیکن یہ قطعہ زمین سے اس درجہ گلہائے رنگا رنگ خودرو سبزہ زار شاداب سے ایسا پر فضا اور پر بہار ہے کہ خطہ کشمیر بھی اس کے نظیر نہیں ہو سکتا ہے- کیوڑے کیتکی کے درخت اس کثرت سے ہیں کہ کوسوں تک ان کی مہک پہنچتی ہے- تمام کوہستان خوشبو ہو رہا ہے قطعہ زمین سب سر سبز ہے- سبزے پر چھوٹے چھوٹے رنگ برنگ کے پھول مصور کے ہاتھ کے قلمکار معلوم ہوتے ہیں- یہ منظر ایسا خوش نما اور پر فضا ہے کہ اس کا جواب بھی نکلنا دشوار ہے- بالائے قلعہ بہت وسعت ہے ہزار ہا فوج کی گنجائش ہے پانی کے چشمے عمیق ہیں-

جوہرا، بوہرا دو کھتے ایسے عمیق ہیں جس میں ہزار ہا من غلہ و مخزین اور اشرفیاں روپیہ کروڑوں سما جائیں اور بالائے قلعہ دو بزرگان دین اولیاء اللہ کا مزار ہے جن کی امداد سے قلعہ فتح ہوا ہے- ایک بزرگوار کا نام تو سید صدر الدین صاحب ہے- ان اضلاع میں ہندو مسلمان یا اور کوئی میاں صدر الدین کے نام کی قسم نہیں کھاتے ہیں- قلعہ کے پہاڑ سے ملا ہوا رن کا پہاڑ ہے- ان دونوں پہاڑوں میں باہم دو سو گز کا فاصلہ ہے- عجب تماشا ہے کہ جب قلعہ پر چڑھو تو رن کا پہاڑ نیچا معلوم ہوتا ہے اور جب رن کے پہاڑ پر چڑھو تو قلعہ نشیب میں ہو جاتا ہے- بادشاہ علاؤ الدین خلجی راجہ ہمیر سے بارہ برس لڑا ہے- جب قلعہ فتح ہوا ہے ہر گھاٹی میں صدہا قبریں شہیدوں کی ہیں- لاکھوں آدمیوں کے کشت و خون کے بعد قلعہ فتح ہوا ہے- بامداد ان دونوں بزرگواران سادات-

رن کے پہاڑ پر جب بادشاہ کی فوج پہنچی ہے اور یہاں سے توپ لگائی جب میدان میں آکر راجپوت لڑے ہیں-

قلعہ کے پہاڑ کے گرد و پیش کے جو پہاڑ ہیں سب پر بہار ہیں- جابجا چشمہ ہائے- آب رواں ہیں اور درختان گنجان اور سبزہ زار ہے- جہاں دیکھو پہاڑ میں سے آب زلال جھرتا ہے اور کیتکی کے پھولوں کا سبزہ ہے- یہ قلعہ جے پور سے گوشہ مشرق و جنوب میں بہ فاصلہ چہل کوس واقع ہے- اس کوہستان میں شکار پرند، چرند، درند بکثرت ہیں- جو صاحبان انگریز

جے پور میں آتے ہیں۔اسی قلعہ کے دیکھنے کو ضرور جاتے ہیں اور آٹھ آٹھ دس دس روز شکار بگھیرہ۔ریچھ وغیرہ کا کھیلتے ہیں سانبھر نیل، گاؤ چنبل، بارہ سنگھے، چیتے وغیرہ اس افراط سے ہیں کہ چرند تو کیا آدمیوں کے قریب آجاتے ہیں اور مطلق وحشت ورم نہیں کرتے۔

کوہستان بیرائیہ :بیرائیہ نامی ایک پرگنہ ہے علاقہ جے پور کا۔ جے پور سے چوبیس کوس کے فاصلہ پر جانب گوشہ مشرق وشمال اس مقام پر کچھ آثار و نشانیاں پانچ ہزار سال گزشتہ کی موجود پائی جاتی ہیں۔تواریخ ہنود میں کوروپانڈوؤں کا مذکور ہے اور بھارت میں جس جنگ عظیم کا نشان ملتا ہے وہ پانڈے یہیں مقیم تھے اور وہ جنگ خونخوار اسی نواح میں ہوئی ہے۔ بھیم اور ارجن وغیرہ کے مکانات بھی موجود ہیں۔ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جو زمین سے کچھ بلند ہے اس کی سطح بالا پر ایک حجرہ وسیع پہاڑ میں ترشا ہوا ہے۔اس کے دروازہ کی چوکھٹ تک موجود ہے کہتے ہیں کہ یہ بھیم کی سکونت کا حجرہ ہے۔

اسی پہاڑ پر دس بارہ گز طویل اور ڈیڑھ دو گز کے قریب ایک چشمہ آب ہے اور اس کے عمق میں بہت مبالغہ ہے۔لوگ کہتے ہیں سات چارپائیوں کے بان میں پتھر باندھ کر لٹکایا تھا تاہم تہ کو نہ پہنچا تھا۔اس کا عمق کسی کو ثابت نہیں ہوا اسے مشہور کرتے ہیں کہ بھیم نے پہاڑ پر لات ماری تھی تو زمین کا پیندا پھوٹ کر یہ پانی ابل آیا ہے۔لیکن اس میں شک نہیں کہ دروازہ میں وہاں پانی بھرا رہتا ہے اور اس میں سے لوگ بھر کر لے جاتے ہیں اور پیتے ہیں اور پانی کم نہیں ہوتا۔اسی پہاڑ پر بڑے بڑے گولے پتھر کے ترشے ہوئے مدور پانچ پانچ گز کے اکثر دیکھنے میں آئے۔ان لوگوں کی نسبت یہ روایت سنی جاتی ہے کہ یہ ان ساتوں بھائیوں کے کھیلنے کی گولیاں ہیں۔

ان کے قریب ہی پہاڑ پر ایک اور سطح مربع قطعہ پہاڑ کا ہے کہ پچاس گز سے پچاس گز تک مربع ایک سل پہاڑ کی ہے اور اس کے ہر چہار کونوں پر چھوٹی چھوٹی چار برجیاں بنی ہوئی ہیں مگر طرفہ تر یہ بات تعجب خیز ہے کہ پہاڑ کا ٹکڑا زمین سے ادھر رکھا ہوا معلوم ہوتا ہے نیچے اس کے جوف سے چہار طرف سے خالی ہے فقط ایک نوک اس کی پہاڑ پر دھری ہوئی ہے۔اس کی شکل ایسی ہے جیسے خاصدان کا ڈھکنا اٹھا کر کے رکھ دیتے ہیں اور بصورت لوندھے برج کے وہ پہاڑ پر رکھا ہوا ہے آگے جا کر ایک پہاڑ پر پتھر کے نقارے دھرے ہوئے دیکھے اور ایک پتھر کا ایک ہاتھی بقامت فیل اصل بیٹھا ہوا دیکھا۔

اس کے اوپر کے پہاڑ پر ایک پتھر کی لاٹ چھ گز لمبی دیکھنے میں آئی اس کا حال دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ لاٹھ تو دال گھوٹنے کی ڈوئی ہے اور یہ نقارے اصلی لوہے کے تھے اور یہ فیل بھی ان کی سواری کا ہاتھی تھا بعد یہ سب پتھر کے ہو گئے-

شیخاوانی: یہ ضلع جے پور سے جانب شمال دور تک چلا گیا ہے- حد غربی اس کی جودھ پور اور بیکانیر سے ملحق ہے اور حد شمالی ہانسی حصار اور پرگنہ لوہارو ہے- یہ ملک تمام ریگستان ہے- جابجا ریت کے پہاڑ ہیں جس وقت تیز ہوا چلتی ہے ادھر کا پہاڑ اڑ کر ادھر آجاتا ہے- آدمی اگر سوتا ہو اور ریت اڑ کر آ رہے تو کچھ پتہ نہیں چلتا کہاں غائب ہو گیا- پانی کی اس ملک میں کربلا ہے- پانی اتنی دور جا کر کنوئیں میں واقع ہوا ہے کہ جب کنوئیں میں سے چرسہ بر آمد ہوتا ہے تو چرسہ کھینچنے والے کو کنوئیں پر سے آواز نہیں پہنچ سکتی ہے- لا محالہ لب چاہ ایک بڑا ڈھول رکھا جاتا ہے- جب پانی کا چرسہ بر آمد ہو جاتا ہے تو ڈھول پر ڈنکہ دیا جاتا ہے- کیلی والے کو خبر ہو جاتی ہے لاؤ کے نرگاوان کو روک لیتا ہے- یہ بات مشہور ہے ڈھولے دھمکے سے پانی نکلتا ہے- اب اس پانی کی کیفیت یہ ہے کہ فی گاؤں ایک کنواں ہوتا ہے بالائے چاہ ایک چبوترہ وسیع ترتیب دیا جاتا ہے اور سر چاہ چار مینار بلند تعمیر کیے جاتے ہیں اور چاہ میں سے بذریعہ دلو آب بر آمد کیا جاتا ہے اور ہر چہار حوض میں بھر دیا جاتا ہے- اب ٹھاکر برہمن بقال مہاجن مسلمان، شیخ، سید، مغل، پٹھان سب ان حوضوں میں سے پانی بھر کرلے جاتے ہیں- وہاں پر ہیز ہندو مسلمان کا نہیں ہے- یہ تجویز کی گئی ہے کہ ہر چہار طرف چبوترہ نالیاں پختہ بنا دی گئی ہیں کہ ان حوضوں میں سے پانی چھلک کر ان نالیوں میں جاتا ہے یا بوقت بھرنے حوضوں کے چبوترہ پر سے بہ کر ان میں جاتا ہے ان میں سے اور اقوام گھڑے بھر بھر کر لے جاتے ہیں یا مویشی پیتے ہیں-

بعض مقامات پر یہ بھی نہیں وہاں بالکل قحط آب ہے- پانی ہے مگر کس کام کا بالکل دریائے شور کا پانی ہے زہر آب کا حکم رکھتا ہے ادھر آدمی کے حلق سے اترا ادھر دست کی راہ سے سب نکل جاتا ہے آدمی کو دست لگ جاتے ہیں- تلخ اس درجہ ہے جیسے برگ نیب- ان مقامات پر یہ کارروائی کی گئی ہے کہ صاف چٹیل میدان میں بڑے حوض پختہ ڈھلوان بنائے گئے ہیں اور پہلوئے حوض میں ایک چاہ عمیق کندہ کر کے اس کو پختہ کیا ہے اور اس کی تہ بہت پختہ چونے سے کر دی ہے اور کنوئیں کا دور بھی پختہ ہے-

موسم بارش میں جب باران رحمت کا نزول ہوتا ہے تو ان حوضوں میں پانی بھرتا ہے اور چاہ کی جانب حوض کا ضلع ڈھلوان ہے وہاں اس کی موری رکھی گئی ہے اور اس کے منہ پر جالی لگی ہوئی ہے- اس جالی سے پانی چھن کر موری کی راہ سے پہنچ کر چاہ میں فراہم ہوتا ہے اور چاہ کے منہ پر ایک کھڑکی لگی ہوئی ہے وہ کھڑکی بند رہتی ہے اور اس کے منہ پر قفل لگا رہتا ہے- صبح کو گاؤں والے قفل کھول کر پانی تقسیم کرتے ہیں- ایک ایک گھڑا پانی کا گھر پیچھے دیا جاتا ہے اس میں سب خانہ داری کا سامان کرنا ہوتا ہے اب اگر خدا نے فضل کیا- بارش ہو گئی تو وہ لوگ دیہات میں مقیم ہیں اور اگر بارش نہ ہوئی تو وہ لوگ اپنے بال بچوں کو لے کر گاؤں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں- زراعت کی یہ کیفیت ہے کہ اس ملک میں زراعت اونٹوں کے ذریعہ سے کی جاتی ہے نرگاواں کا کام نہیں-

بعض جگہ ہل بھی نہیں جوتے جاتے فقط ہاتھوں سے ریت کے ٹیلوں پر تخم پاشی ہوتی ہے- قدرت خدا کو ملاحظہ کرنا چاہئے کہ وہ ملک یک فصلہ ہے بارانی زراعت ہوتی ہے-

قسم غلہ سے باجرہ، موٹھ پیدا ہوتی ہے- اساڑھ کے مہینے میں ایک چھینٹا پانی کا پڑا اور ان لوگوں نے تخم پاشی کی- باجرہ کا درخت گھوڑے سوار کے قد سے زیادہ تجاوز کرتا ہے اور سیر بھر کی درخت میں بال آتی ہے-

علیٰ ہذالقیاس موٹھ بھی زمین میں ایسی پھیلتی ہے کہ چھتے کے چھتے ہو جاتے ہیں لاکھوں من موٹھ باجرہ پیدا ہوتا ہے اور باجرہ کس قدر شیریں ہوتا ہے کہ گندم اور برنج کی کچھ حقیقت نہیں وہاں کے باشندوں کی وہی خوراک ہے- باجرہ کی روٹی اور موٹھ کی دال اور وہ ایسی خوش ذائقہ ہوتی ہے کہ اس کے آگے پلاؤ، بریانی کی کچھ اصل نہیں- طرفہ ماجرا یہ ہے کہ اگر اس ملک میں گندم برنج کا زیادہ استعمال کیا جائے تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے-

مویشی اس ملک کے نہایت توانا، گائے بھینس وغیرہ دودھ افراط سے دیتے ہیں اور دودھ چکنا ہوتا ہے- گھی بہت نکلتا ہے-

بھیڑیں جیسی خوبصورت یہاں ہوتی ہیں کہیں نہیں دیکھیں- سفید براق رنگ ہوتا ہے- پشم نہایت باریک ہوتی ہے کہ پارچہ بافی میں بہت کار آمد ہوتی ہے-

گوشت بھیڑ بکری کا خوش ذائقہ، مجرب، فربہ، بھرا بھرا مثل مرغ وماہی ہوتا ہے اور سریع الہضم ہے ایسا لذیذ گوشت گھر میں نہیں ہوتا-

ایک قسم کا تربوز خود رو ریگستان میں ہوتا ہے جس کو متیرہ کہتے ہیں- سبحان اللہ کیا سرد وشیریں وکلاں ہوتا ہے- اس کا شربت مثل قلند شیریں اور خوشگوار ہوتا ہے ایک سوار اور گھوڑا ہنگام تشنگی میں سیراب ہو جاتا ہے وہ اکثر ریت کے ٹیلوں پر خودرو ہوتے ہیں اور ریت میں دبے ہوئے پڑے رہتے ہیں- جن لوگوں کو ان کا حال معلوم ہوتا ہے وہ برآمد کر لیتے ہیں- ہنگام سفر میں پانی تو کوسوں نہیں ملتا- متیرہ مل جاتا ہے اس کو نکالا اور ایک جانب اس میں روزن کیا اور تاس وغیرہ یا اور کوئی ظرف پر کر لیا- آپ پیا اور گھوڑے کو بھی پلا دیا مجھے ہنگام دورہ اکثر اتفاق ہوا ہے کہ تشنگی غالب ہوئی ہے اور سواران ہمراہی سے کہا گیا ہے اور وہ ڈھونڈھ کر جنگل میں سے لے آئے ہیں اور اس کا شربت استعمال کیا گیا ہے-

آدمی اس ملک کا محنت کش صاحب ارادہ- صاحب ہمت اور کماؤ ہوتا ہے- خصوصا فرقہ مہاجن اور اسی وجہ سے وہ لوگ متمول ہیں- شیخاں وانی کا آدمی سوائے ملک پورب تمام روئے زمین پر پھیلا ہوا ہے اور کمائی کر کے لاتے ہیں اور مکانات اور عمارات عالی شان بنواتے ہیں-

میں تین سال برابر اس ملک میں برسر حکومت رہا ہوں-

☆

نواں باب

ریاست ٹونک کی ملازمت

ٹونک میں دھوم ہے کل سے کہ ظہیر خستہ
سرگزشتِ دلِ محزون ہیں سنانے والے

بعد انتقالِ مہاراجہ صاحب مہاراجہ رام سنگھ جی بیکنٹھ باشی تین سال تک میں ملازم ریاست جے پور بعد خانہ نشین ہو کر دو ڈھائی سال بے روزگار پریشان سرگردان رہا۔ بعد نواب احمد علی خاں صاحب کی رفاقت میں چھ سال بسر کیے۔ اس اثنا میں شعر و سخن کا بہت چرچا رہا۔ بہت سا کلام فراہم ہو گیا بعد انتقال نواب احمد علی خاں صاحب بہادر نواب مستطاب نواب حافظ محمد ابراہیم علی خاں صاحب امین الدولہ صولت جنگ فرمانروائے ریاست ٹونک خلد اللہ ملکہ کی طرف سے فقیر کی طلب ہوئی اور عاجز صاجبزادے احمد سعید خاں صاحب عاشق محرک سلسلہ ہوئے اور نواب احمد علی خاں صاحب مرحوم کے بڑے صاحب زادے کے نام حکم آیا کہ استاد ظہیر کو ٹونک بھیج دو۔ اس واقعہ سے پیشتر مجھے اکثر اوقات ٹونک جانے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا اور نواب صاحب مرحوم کی خدمت میں آتا جاتا رہتا تھا۔ اکثر صاجبزادے میرے شاگرد ہو چکے تھے۔ اور عمائد شہر میرے معتقدین میں تھے۔ اول باوجود مجھے ٹونک جانے کا اتفاق ہوا تھا تو نواب عبید اللہ خاں صاحب وزیر جنگ نے مجھے اپنے بڑے صاجبزادے کی شادی میں مدعو کیا تھا اور نہایت احترام سے میری مہمانداری کی تھی۔ میں نے قصیدہ تہنیت شادی لکھا تھا۔ وقت رخصت پچاس روپے اور دو شالہ صلہ میں دیا تھا۔

غرضکہ میں جب ٹونک میں پہنچا ہوں تو اپنے ایک شاگرد کے مکان پر فروکش ہوا اور پیشتر نائب صاحب سے ملاقات کی۔ نائب صاحب بکمال اعزاز پیش آئے اور فرمایا آپ نے بہت راہ دکھائی۔ حضور پر نور کو بہت انتظار تھا۔ اس کے بعد منشی محمد یوسف صاحب میر منشی

خاص اور کپتان سید نورالدین صاحب فصیح الملک جو نواب صاحب بہادر کے مصاحبین میں تھے اور میری طلبی کے بارے میں وہی واسطہ تھے ان سے ملا اور انہوں نے میرا کلام سنا۔ چونکہ یہ دونوں صاحب نہایت سنجیدہ اور فہمیدہ۔ سخن سنج، سخن فہم اور خود سخنور تھے اور مذاق سخن سے خوب آگاہ تھے وہ نہایت محظوظ ہوئے اور کہا کہ جیسی شہرت سنی تھی اس سے بدرجہا زائد پایا۔ اب کل انشاء اللہ تعالیٰ حضور میں چل کر نذر گزاریئے۔ دوسرے روز بمعیت ہر دو صاحبان میں نواب صاحب بہادر خداوند نعمت کی خدمت میں پہنچا۔ نذر گزرانی۔ حضور بہت خوش ہوئے۔ اپنا کلام مجھے سنایا۔ میں نے تعریف کی۔ فرمایا جب تم نے پسند کیا تو میری دانست میں بلاشک مقبول عام و خاص ہوگا۔ اس کے دوسرے روز صاحبزادے اسحاق خاں صاحب برادر حقیقی نواب صاحب کے مکان پر مشاعرہ تھا۔ حکم ہوا کل مشاعرہ میں حاضر ہو کر اپنا کلام عرض کرو۔ دوسرے روز مشاعرہ میں ایک ہجوم کثیر صاحبزادگان اراکین دولت کا فراہم ہوا۔ نواب صاحب پس پشت سراچہ تشریف رکھتے تھے۔ قنات کے دروازوں پر چلمنیں پڑی ہوئی تھیں۔ غزل خوانی شروع ہوئی۔ اول نواب صاحب بہادر کی غزلیں پڑھی گئیں اور بہت سی تعریف ہوئی اور بعد سلیمان خان صاحب اسد شاگرد منشی مظفر علی صاحب اسیر مرحوم نے نائب صاحب کی غزل پڑھی۔ میں نے تعریف کی کہ آپ کا کلام بہت اچھا ہے بعد مجھے حکم ہوا تو غزل پڑھ۔ میں نے غزل کا مطلع پڑھا۔ بس مطلع سنتے ہی مشاعرہ میں شور برپا ہو گیا۔ نواب صاحب بہادر نے تین تین چار چار بار مطلع کو پڑھوایا۔ بعد دوسرا مطلع پڑھا اس پر بھی یہی کیفیت ہوئی۔ تیسرا مطلع پڑھا وہ اس سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اس وقت ایک صاحبزادے نے ان کا نام بھی بھول گیا ہوں اور وہ انتقال فرما گئے (افسوس ظہیر صاحب بھی رحلت فرما گئے) انہوں نے مشاعرہ میں کھڑے ہو کر باآواز بلند یہ بات فرمائی۔ سلیمان خاں صاحب شعراء سے کہتے ہیں کہ خود بخود درو دیوار سے صدائے تحسین و آفرین بلند ہے۔ غرضکہ تمام غزل پر یہی کیفیت رہی۔ بعد میرے اور حضار نے غزلیں پڑھیں۔ مشاعرہ ختم ہوا۔ نواب صاحب بہادر نے مجھے اندرون قنات بلا کر بہت قدر افزائی فرمائی۔ اس کے بعد جلسہ سالگرہ نواب صاحب بہادر کا ہوا۔ اس تقریب میں شامل رہا۔ حسب قاعدہ نذر ہوئی اس کے تیسرے روز صاحبزادے احمد یار خاں کے مکان پر مشاعرہ ہوا۔ میں نے قصیدہ سالگرہ کا پڑھنا شروع کیا اور تحسین و آفرین کا غل مچ گیا۔ میں چلمن کے برابر بیٹھا ہوا قصیدہ سنا

رہا ہوں- اندرون کمرہ سے حضور تعریف فرماتے جاتے ہیں اور باہر عوام تعریف کررہے ہیں-جب میں قصیدہ سنا چکا تو اندر نواب صاحب اپنے جلسے کے لوگوں سے جو قصر میں تھے، ان سے صلاح لینے لگے کہ اس قصیدہ کا صلہ کیا تجویز کیا جائے- یہ قصیدہ استادوں کے قصائد سے ملتا جلتا ہوا ہے- میرزا محمد علی خاں صاحب اور نواب نجف خاں صاحب ممبران کونسل نے عرض کی کہ ظہیر تو ذوق زندہ ہے اور حضور بہادر شاہ اب صلہ کا اختیار حضور کو ہے- نواب صاحب نے فرمایا- کہ پانسو روپیہ دلا دینے چاہئیں- اس وقت میری بدنصیبی سے دو حساد بھی موجود تھے- انہوں نے عرض کی کہ حضور قصیدہ تو ذوق کا ہے، آپ صلہ کس بات کا دیتے ہیں؟ مگر سبحان اللہ حضور نواب صاحب بہادر کی دریادلی، فرمایا- کسی کا ہو، ہے تو میری مدح میں، مجھے صلہ دینا واجب ہے- خیر اچھا تو ڈھائی سو روپیہ دلا دو- خیر وہ حکم لکھوا دیا گیا- اسی وقت میرزا محمد علی خاں صاحب نے باہر آکر مجھ سے یہ ماجرا بیان کیا کہ یہ معاملہ پیش آیا- جب بعد تین ماہ کے وہ صلہ کے روپے معرفت نائب صاحب کے مجھے وصول ہوئے عرصہ چہار ماہ تک میں امیدوار رہا- اس عرصہ میں دربارداری بھی رہی اور ہمیشہ جلسے شاعروں کے بھی ہوتے رہے ہیں- ہر مشاعرہ میں شامل ہوتا رہا- صحبت شعر و سخن شبانہ روز سرکار میں گرم رہتی تھی- بعد میں نے ایک روز نائب صاحب سے کہا کہ میں کب تک امیدواروں میں بسر کروں- میں مسافر ہوں- نائب صاحب نے کہا میں تم کو رخصت کرائے دیتا ہوں- میں نے یہ تذکرہ منشی محمد یوسف سے کیا- انہوں نے بیان کیا کہ تم ہرگز ایسا نہ کرنا- تم نواب صاحب کے حسب الطلب آئے ہو- تم نوکر ہو تو تمہیں تنخواہ ملے گی- نائب صاحب تمہارا رہنا نہیں چاہتے- وہ سلیمان کے ساعی ہیں چنانچہ بعد چار ماہ کے ایک روز حافظ عبدالرحمن صاحب مختار سے جناب نواب صاحب نے مجھے اور سلیمان خاں صاحب کو بلا کر دو دو ماہی کی تنخواہ برابر دی اور کہا کہ چوتھے مہینے تم کو اسی حساب سے تنخواہ ملا کرے گی- یہ وہی سال اور وہی دن ہیں کہ جس سال داغ صاحب حیدرآباد میں کامیاب ہوئے اور یہاں ہی میرے نام داغ صاحب کا خط پہنچا ہے کہ یہاں میں نوکر ہو گیا ہوں- اس کے جواب میں خبر ملنے پر میرے خط کی تحریر ہے تو اس کا بھی یہی مضمون تھا- کہ میں بھی نوکر ہو گیا ہوں- اسی اثنا میں نواب خاتون زمانی بیگم صاحبہ ہمشیرہ زادی نواب کلب علی خاں صاحب مرحوم محل خاص حضور نواب صاحب بہادر خداوند نعمت میری شاگرد ہوئیں اور کچھ تنخواہ میری وہاں سے بھی

مقرر ہو گئی اور بیگم صاحبہ کی مثنوی اصلاح کو آنے لگی۔ خیر میں خوش و خرم رہنے لگا۔ میں خاصی اچھی طرح بسر کرتا تھا۔ ادھر میں نوکر اور میرا بیٹا نوکر تھا۔ وہ تھانے دار تھا۔ بعد میں دو تین سال معطل ہو گیا تھا۔ کچھ پروا کی بات نہ تھی۔ میں نوکر تھا۔ اسی اثنا میں میری منجھلی لڑکی کی شادی ہوئی اور وہ رخصت ہو کر دہلی چلی گئی۔ میرا ارادہ سیر و سیاحت کا ہوا۔ میں ٹونک سے تین ماہ کی رخصت حاصل کر کے بڑودہ ہوتا ہوا بمبئی پہنچا اور حیدر آباد میں وارد ہوا۔ اکثر عمائد سے ملاقات ہوئی۔ مہارانا بھگوان سہائے بہادر میرے شاگرد ہوئے اور دو تین آدمی شاگرد ہوئے۔ خانساماں محمد ابراہیم خاں صاحب سے ملاقات ہوئی وہ مجھ سے نہایت اخلاق سے پیش آئے۔ مجھے امیدوار کیا تم ٹھہرو۔ میں حضور میں تذکرہ کروں گا۔ سہرے حضور کے واسطے لکھوائے۔ جھولا لکھوایا۔ غزلیں اکثر لے جاتے تھے۔ غرض کہ لیت و لعل میں پانچ مہینے گزر گئے۔ ٹونک سے تاکید طلبی کی ہوئی۔ تار آیا ادھر لڑکے کا خط آیا ہم کو آپ کی کمائی درکار نہیں، آپ چلے آیئے۔ میں یہاں سے چلا گیا۔ ٹونک میں پہنچا تو میرے بعد چھ ماہ میں تنخواہ تقسیم ہوئی ہے۔ مجھے نہ ملی۔ بلکہ دوسری ششماہی میں ملی۔ نہایت درجہ کی زیر باری ہو گئی۔ نو سو روپیہ کا قرض دار ہو گیا۔ خدا خدا کر کے وہ قرضہ ادا کیا۔ اب چرخ جفاکار دل آزار نے ایک تیر ستم تاک کر ایسا دل پر لگایا کہ دل اور جگر کو پھوڑ کر پار ہو گیا۔ یکایک گھر سے خط پہنچا کہ منجھلی لڑکی بیمار ہو کر دلی سے جے پور میں آئی تھی۔ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس خط کو دیکھتے ہی روح تن سے پرواز کر گئی۔ رویا، پیٹا لیکن کیا کر سکتا تھا گھر پر آیا بی بی کو دیکھا تو وہ دیوانی ہو رہی تھی۔ اسے سمجھایا، اپنے دل پر پتھر رکھا۔ گیارہ بچوں میں یہ چار بچے پروان چڑھے تھے۔ جوان ہوئے تھے۔ سب سے بڑا لڑکا تھا اور یہ تین لڑکیاں تھیں۔ ایک چھوٹی لڑکی کی ہنوز شادی نہیں ہوئی تھی۔ وہ منجھلی لڑکی مرنے والی پانچ ماہ کی ایک دختر نہایت خوبصورت چھوڑ کر مر گئی تھی۔ اس کی پرورش کی گھر میں نہایت تاکید کی کہ بجائے متوفیہ کے اس کو سمجھو۔ انا دودھ پلانے پر نوکر رکھ کر پھر نوکری پر روانہ ہوا۔ برس روز بعد اس بچی کا انتقال ہو گیا اور زخم پر زخم لگا اور وہ داغ کہن دوبارہ تازہ ہو گیا۔ اس پر بھی صبر کیا۔ ان روزوں میں ٹونک میں تھا کہ میری بی بی ٹونک میں میرے پاس پہنچیں۔ صاحب زادہ احسان اللہ خاں ہمشیرہ زادہ و داماد نواب بہادر میرے شاگرد تھے ان کی والدہ صاحبہ یعنی خواہر نواب صاحب کے پاس جا کر رہیں۔ بیگم صاحب نے نہایت خاطر مدارات فرمائی۔ بعد ایک ماہ کے

وہاں سے رخصت ہوئیں تو مجھ سے کہا کہ مجھے گھر پہنچا آؤ- خیر میں نے شکرم کا کرایہ دیا اور شکرم کا نیچے کا درجہ لے کر اس میں نصف شکرم میں پردہ ڈال دیا- اس میں انہیں اور ایک نیک بخت مغلانی خاتون زمانی بیگم صاحبہ کے ہمراہی دونوں کو بٹھادیا اور آپ باہر ہو بیٹھا اور سب سامان اپنا شکرم کی ماپچی پر بند ھوادیا اور تین مرد میرے پاس باہر بیٹھے تھے اور چند آدمی شکرم کے اوپر کے درجے میں تھے میرے پاس تلوار بہت عمدہ تھی- میرے پاس رکھی ہوئی تھی- جب ہم ندی سے پار اتر کر شکرم میں سوار ہوئے ہیں تو مغرب کا وقت تھا اور جب تین کوس راہ اور طے کی ہے تو دس بجے رات کا وقت تھا کہ یکا یک دھڑا دھڑ کی آواز شروع ہوئی اور مار یو مار یو کا غل مچا اور غارتگروں نے آکر شکرم کو گھیر لیا اور لٹھ مارنے شروع کئے- مارے لٹھوں کے کوچوان کو اور محافظ شکرم کو بھی گرادیا اور شکرم کے اوپر کے چھپر پر لٹھ مارنے لگے اور ایک عورت اور ایک مرد شکرم کی پشت کے تختے پر بیٹھے تھے مارے لٹھوں کے ان کا چورا کردیا- اب یہ کیفیت ہوئی کہ ایک پر ایک شکرم کے اندر گرتا ہے- میں تین آدمیوں کے نیچے دب گیا- ادھر ادھر کے درجہ والے جو گھبرا کر اترے، اترتے ہی ان کو بچھونا کردیا- ایک جوان انگریز سپاہی تھا وہ جوان بھرتی کرنے آیا تھا- اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا- اس غریب نے پانچ چار ڈنڈے مارے ایک کو اس نے بھی گرادیا تھا- مگر اکیلا کیا کرسکتا تھا- وہ چالیس آدمی تھے اس کے سر پر بہت سے لٹھ پڑگئے- آخر غش کھا کر گر گیا- ادھر میں تڑپ کر آدمیوں کے نیچے سے نکلا- تلوار کو ٹٹولتا ہوں تلوار کا پتہ نہیں- میں شکرم سے نکل کر تختے پر آیا ہوں کہ ایک شخص نے برابر سے لٹھ دیا- میرے کاندھے پر پڑا دوسرے نے لٹھ مارا سر پر پڑا- سر پھوٹ گیا- تیسرا لٹھ جو برابر سے مارا میری نظر ادھر تھی- وہ میں نے خالی دیا پرے کو گردن کرلی- وہ لٹھ تختے کی زنجیر پر پڑا وہ لٹھ میں نے تھام لیا- ایک طرف سے میرے ہاتھ میں دوسرا سرا غارت گر کے ہاتھ میں تو اور دو تین آکر مجھے لپٹ گئے تختے پر سے نیچے گرادیا- اوپر سے اور چاہتا تھا کہ میرے لٹھ مارے کہ میری بی بی میرے اوپر گر پڑی ایک بولا ارے ڈوگری ہے ڈوگری مرجائے گی- اب میرا ہاتھ پکڑ کے دو تین نے کھڑا کیا اور میرا بدن اور کمر ٹٹولنے لگے- میں نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں- وہ تینوں مجھے گھسیٹتے ہوئے کوئی دس قدم کے فاصلہ پر لے گئے اور وہاں جا کر کنکروں پر پھینک دیا اور دو آدمی لٹھ لے کر میرے سر پر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ ڈوگرے تو یہاں سے ہلا تو تجھے جان سے مار ڈالیں گے- میری بی بی روتی ہوئی

میرے پاس آئی اور کہا ہائے غارت گر گاڑی والوں کو مار ڈھار کر رہے ہیں- اور پوٹلی باندھ کر اسباب کی لئے جاتے ہیں اور ہم دونوں بیٹھے ہوئے یہ سماں دیکھ رہے ہیں- ایک آدمی کے ہاتھ میں وہی میری تلوار ہے اور وہ اچھلتا پھرتا ہے اور کہتا ہے اس تلوار سے سب کا سر کاٹوں گا- ادھر گاڑی کے اندر کے آدمیوں کو سب کو باہر نکال کر سب کی تلاشی لے لی- کسی کے پاس ایک پیسہ نہ چھوڑا- اور اس عورت مغلانی کے پاس پانسو چھ سو کا مال اسباب تھا سب چھین لیا- ایک برہمنی کے پاس زیور تھا سب اتار لیا- فقط پاؤں کے کڑے نہ اتر سکے جب وہ تلوار ہلاتا ہوا ادھر آئے میری بی بی روتی اور چپکی چپکی مجھ سے کہتی خدا کے لئے تم یہاں سے بھاگ جاؤ تمہاری جان تو بچ جائے گی- میں نے کہا بھاگ کر جاؤں تو اس سے کہیں جان بچ سکتی ہے- اسی اثنا میں ایک شخص اور مسافر آمرا- اس کو دیکھتے ہی یہ دونوں شخص جو میرے سر پر کھڑے تھے انہوں نے برابر سے جا کر اس کی پشت پر دو لٹھ مارے وہ گر گیا اس کی جیب میں سے پانچ روپے نکال لئے اور تلوار چھین لی- اسی اثناء میں کچھ دوڑنے کی آواز آئی تو وہ سب کے سب فرار ہو گئے- پھر جا کر دیکھا تو سب کے چوٹیں لگی ہوئی تھیں- سب کے پاس کچھ نہ چھوڑا سب لوٹ کر لے گئے- اتنی دیر میں گاؤں والے آ گئے ان سے ہر چند کہا گیا کہ تم ان کا تعاقب کرو ہر گز نہ مانے- کہا جب تک پولیس کا آدمی ہمراہ نہ ہو ہم کھوج نہیں نکالتے- میرا سب سامان کپڑا زیور وغیرہ سب لے گئے- کچھ نہ چھوڑا- فقط ایک پرانا برقعہ جو پرانے کپڑے کا سفر کرنے کے واسطے سیا تھا وہ چھوڑ گئے- رات بھر اسی جگہ سب پڑے رہے صبح اٹھ اٹھ کر ان چوروں کا سراغ دیکھنے لگے کہ کدھر کو گئے ہیں- میں بھی ڈھونڈتا ہوا کوئی دو سو قدم گیا تو وہاں دیکھا کہ میرے دونوں صندوقچے ٹوٹے ہوئے پڑے ہیں اور پاندان بھی ٹوٹا ہوا پڑا ہے- بیگ پھٹے ہوئے پڑے ہیں- کپڑے ندارد- زیور نقد روپیہ وغیرہ کچھ بھی نہیں مگر وہ ڈاکو میرے سر پر ایک احسان کر گئے کہ آج تک ان کا شکر گزار ہوں- میں نے صدہا دعائیں ان کو دیں کہ خدا ان کا بھلا کرے- میری ساری عمر کی کمائی وہ چھوڑ گئے- میرے جواہرات میں سے ایک نگینہ انہوں نے نہیں لیا- میں کیا دیکھتا ہوں کہ جزدان جو نیا چھینٹ کا میں نے سلوایا تھا وہ تو اتار کر لے گئے اور میرے جتنے مسودات غزلوں اور قصائد کے اور قلمی دیوان میرا ایک جا رکھ کر اوپر پتھر رکھ گئے- اسی کی تلاش میں میں نکلا تھا- بس یہ دیکھ کر مجھے اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ حد سے بے حد، گویا میرا سب مال اسباب مجھ کو مل گیا- میں نے خوشی خوشی وہ

اغذات اپنے اٹھائے اور باقی سب سامان اپنا وہیں پڑا رہنے دیا اور وہاں سے آ کر سب آدمیوں سے کہا کہ بھائی میری دولت تو مجھے مل گئی۔ وہ پوچھنے لگے کیا دولت ملی۔ میں نے کاغذات کھائے اور کہا جا کر اپنی چیز تلاش کرو۔ سب پہنچ گئے جو کچھ ٹوٹا پھوٹا پرانا جس جس کا تھا۔ وہ ہے۔ نے پہچان لیا اور اسی طرح پڑا رہنے دیا سہ پہر کو جب صاحبزادے عبد الرحیم خاں صاحب فوجدار ریاست موقع واردات پر پہنچے تو وہ اٹھوایا گیا۔ پھر واپس ٹونک کو جانا پڑا۔ فوجداری میں اظہار لکھائے۔ آٹھ روز کے بعد گھوڑا گاڑی میں گھر کے آدمیوں کو سوار کرا کے ٹونک کو آیا۔ سال بھر کے بعد میرے پاس گھوڑی تھی وہ فروخت کرنے کو جے پور کے میلے میں لے گیا تھا۔ وہ میلے میں بندھی ہوئی تھی ایک دن صبح کا وقت ہے چاکر گھوڑوں کو مل رہے ہیں۔ پچھاڑی میں گھوڑوں کی الاؤ تھا۔ اس پر میں بیٹھا ہوا چائے پکار رہا تھا۔ آدمی دودھ لینے کو گیا ہوا تھا کہ ناگہاں میرے دامن کو آگ لگ گیا اور وہ دامن بھڑک گیا۔ میں نے ہاتھوں سے اسے بجھایا دوسرا دامن بھڑک اٹھا میں بجھانے لگا کمر پر سے انگرکھا بھڑک اٹھا۔ میں اٹھ کر بھاگا سامنے سائیس گھوڑے مل رہے تھے۔ ان سے کہا۔ ارے دیکھتے ہو تم بجھاتے نہیں انہوں نے دوڑ کر میرے کپڑے پھاڑ کر پھینک دیئے۔ انگرکھا کرتہ سب جل گیا۔ پیٹ اور کمر اور شانے اور دونوں ہاتھ پھک کر کباب ہو گئے اور اب ہوا لگی اور اس میں سوزش پیدا ہو گئی اور مجھے غش آ گیا۔ جیون علی میرے داماد موجود تھے جلدی سے شفاخانہ میں دوڑے گئے اور وہاں ایک ہنڈیا میں کچھ پانی میں ملی ہوئی دوا لائے اور زخموں پر ملی اور کچھ دوا لائے مجھے پلائی کہ مجھے تسکین ہوئی اور کرایہ کی گاڑی کر کے مجھے گھر لائے۔ گھر میں دیکھتے ہی رونا پیٹنا پڑ گیا۔ تمام پشت پر ایک بڑا آبلہ پڑا ہوا تھا غرضکہ شفاخانہ کا علاج ہوا۔ تین ماہ میں تندرست ہوا۔ تمام دنیا میں موت کی خبر اڑ گئی تھی۔ حتے کہ ٹونک میں بھی خبر پہنچ گئی تھی کہ وہ مر گیا۔ لیکن خدا نے فضل کیا۔ جب میں ٹونک گیا ہوں تو سب میرے دوست ملنے آئے اور والی نہایت خوش ہوئے میرے بدن کی کھال جہاں جہاں سے جلی ہوئی تھی وہ سب ادھڑ گئی تھی۔ پہنچوں تک ہاتھوں کا چمڑا سب اتر گیا تھا۔ فقط گوشت واستخوان رہ گئے تھے اس علالت میں میر جیون نے میری بڑی خدمت کی۔ مجھے اٹھانا بٹھانا کھانا کھلانا سب وہی کرتے تھے۔ کیا خدا کی قدرت ہے کہ میری خبر گیری اس بندہ خدا نے پوری پوری کی۔ مگر ان کی خبر میں نہ لے سکا۔ میں جب ٹونک گیا وہ بیمار پڑ گئے۔ پندرہ روز کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ ہنوز پہلے زخم

دل کے بھرنے نہ پائے تھے کہ یہ صدمہ عظیم داماد کا ہوا- چار بچے چھوٹے چھوٹے تھے- کیا صدمہ ہوا کہ کمر ٹوٹ گئی- یارب العالمین میں بوڑھا- مرنے کو تیار بیٹھا ہوں- جوان بیٹی بیوہ ہوئی- یہ بچے کیونکر پرورش پائیں گے-

سجاد مرزا کی وفات:

بس اسی صدمہ میں تھا کہ فلک غدار ستمگار نے کہا کہ اس پر صبر کئے بیٹھا ہے- ایسا صدمہ جان کاہ اور زخم شمشیر دل شگاف لگایا جائے کہ زندگی تلخ ہو جائے- میر جیون علی کے مرنے کے بعد ایک سال کے چھوٹی لڑکی کی شادی قرار پائی تھی- سجاد مرزا جب سوائی مادھوپور میں آئے میں نوکری پر تھا- مجھے لکھا آپ کچھ سامان اور زیور پارچہ وغیرہ کا کر کے بھیجئے اور میں بھی کچھ بندوبست کرتا ہوں اور میں رخصت لے کر گھر کو جاتا ہوں اور آپ یہ سامان وغیرہ لے کر گھر پر آجایئے- لڑکی کی شادی ہو جائے- غرضکہ میں نے بندوبست روپیہ وغیرہ کا کر کے کچھ زیور چاندی کا اور کوئی اسی روپیہ کا کپڑا ریشمی گلبدان، اطلس وغیرہ کچھ سفید خرید ا اور پچاس روپے کا گوٹہ کناری وغیرہ بہم کر لیا اور کچھ اور روپیہ کا انتظار تھا- وہ قرض نکلوایا تھا کہ وہ دستیاب ہو جائے تو میں جے پور چلا جاؤں- وہ کمبخت ساہوکار ایسا ملیچھ تھا کہ روز آج کل آج کل کرتا تھا- اس اثنا میں مجھ سے پہلے وہ رخصت لے کر جے پور پہنچ گیا- وہاں جاتے ہی جنرل سپرنٹنڈنٹ نے اس کی بدلی بوروانے کی کردی- ہر چند اس نے عذر کئے کہ میری بہن کی شادی ہے میں نہیں جا سکتا- سپرنٹنڈنٹ درپے ہو گیا کہ ایک مہینے کے واسطے چلا جا- پھر جے پور کی تبدیلی ہو جائے گی- قضا سر پر سوار تھی- میرے خط کی بھی راہ نہ دیکھی- اس کی ماں نے ہر چند روکا کہ تو نہ جا تیرا باپ اب آتا ہے- شادی ہو جانے دے پھر جائیو ایک نہ مانی- یہی کہا کہ اباجی کے آنے میں دیر ہے میں جب تک ہو آؤں گا- وہ یہاں سے سوار ہو کر ندراونی مقام کھندیلہ پہنچا اور میں نے وہ سامان زیور اور پارچہ گوٹہ کناری عبدالقادر خاں صاحب رسالدار کے بھائی کی معرفت گھر کو روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ اسی ہفتہ میں آتا ہوں- ادھر سجاد مرزا کھندیلے میں پہنچا وہاں جا کر سنا کہ ڈپٹی صاحب تو مر گئے- یہ حیران ہوا ہیں یہ کیا معاملہ ہوا- ابھی تو ڈپٹی صاحب نے مجھے بلوایا ہے میری تبدیلی کرائی- یہ کیا ہوا وہ مقام کھندیلہ سے پانچ سات کوس پر بودہ دریبہ میں ہے- دو روز بعد وہاں پہنچا- تیسرے روز سجاد

مرزااور دوسرااہلکار واسنگھ جس کی تبدیلی پر یہ گیا تھاوہ اور ڈپٹی کا بھائی یہ سب کھندیلہ میں آئے۔اس شب کو سب ڈپٹی صاحب کے مکان پر پڑرہے۔دوسرے روز ڈپٹی کا بھائی اپنے بھائی کے استخوان سوختہ لے کر گنگا کو گیااور سجاد مرزاکو کہہ گیاکہ میں واپس آکر اپنے بھائی کا سامان تم سے لے لوں گا۔تم حفاظت سے رکھنا۔وہ تو وہاں سے رخصت ہوااور سجاد مرزانے واسنگھ سے کہاکہ اب تم دفتر مجھے سنبھلوادو۔واسنگھ نے کہاایک دوروز تم صبر کرو۔میں دفتر سنبھلوادوں گا۔سجاد مرزانے کہا۔وجہ حجت کی کیا ہے۔تمہاری تبدیلی ہوگئی اب دفتر کیوں نہیں سنبھلواتے۔جاؤتم اپنے علاقہ پر جاؤ۔میرادفتر مجھے سپرد کرو۔کہاآج تو نہیں سنبھلواتا کل سنبھلوادوں گا۔اس میں زیادہ تکرار کی نوبت پہنچی۔سجاد میرزاکو لوگوں نے خفیہ طور پر مشتبہ کردیا تھاکہ اس نے ڈپٹی کو زہر دے کر مارا ہے اس کمبخت (سجاد مرزا) کے منہ سے نکل گیا۔سیدھی طرح دفتر سنبھلوادو ورنہ ہتکڑی بیڑی ڈال کر شہر جے پور بھیجوں گا۔وہ سمجھ گیا کہ اس کو خبر ہوگئی ہے، ڈپٹی کے مارے جانے کی۔آؤاس کا کام بھی کرو۔پس اس نے یہ چالاکی کی کہ پہلے تواس آدمی کو جو سجاد مرزا کے پاس تھابھکاکر نکال دیاکہ وہ نوکری چھوڑ کر چلاگیا۔اب یہ دوبچے رہ گئے اور سجاد مرزابشارت حسن اور اشتیاق حسین۔یہ دونوں چھوٹے چھوٹے تھے۔اس دن سجاد مرزاتودائرہ میں ایک ڈپٹی دوسرے رہتے تھے ان سے ملنے گیااور بشارت حسن گوشت بھون رہا تھاکہ واسنگھ آیااور کہاکہ پانی ڈال گوشت جلتا ہے یہ اٹھ کرپانی لینے گیااور اس ظالم بے رحم نے سنکھئے کی پڑیادیگچے میں ڈال دی اور چمچہ سے چلادی جب یہ آیاتووہ چمچاہانڈی میں پھیر رہا تھا۔اس نے پانی ڈال دیااور وہ اٹھ کر چل دیا شام کو جب سجاد مرزاآیاہے تواس نے پوچھابچوں سے روٹی پکالی ہے۔انہوں نے کہا۔ہاں ماموں روٹی پکالی ہے۔ان تینوں نے بیٹھ کر روٹی کھالی۔بس کھاتے ہی قے اور دست لگ گئے۔آدھی رات گئے ذراقے اور دست ٹھہرے ہیں کہ واسنگھ نے پوچھا۔اب تمہاری طبیعت کیسی ہے۔کہا دل پر جلن ہے۔کہاسکنجبین پی لو میں لاتا ہوں دوبارہ پھر اور سنکھیا سکنجبین میں ملاکر پلادی۔بس دوبارہ سنکھیا دینے سے حال تغیر ہوگیا۔اب خیال کیا چاہئے کہ کیا عالم بیچارگی اور بے بسی کی موت ہے۔عالم غربت،نہ کوئی دوست نہ شفیق رفیق نہ تیماردار،نہ طبیب غمخوار نہ عزادار۔سوائے بے کسی کے کوئی پرسان حال نہیں۔سوائے دوبچوں خورد سال کے کہ وہ بھی اسی حال میں گرفتار ہیں انھیں بھی قے دست لگے ہوئے ہیں غرض صبح ہوتے ہی اس کا کام تمام

ہو گیا- تھانہ دار اور منشی تھانہ نے آکر تجہیز و تکفین کی اور ان دونوں بچوں کو تھانہ میں لے جاکر دوا دارو کی کہ بیچارے جان بر ہو گئے ورنہ ان کا کام بھی تمام ہو جاتا- دوسرے روز منشی تھانہ نے ایک اونٹ کرایہ پر لے کر اور ایک سوار کی حفاظت میں ان بچوں کو جے پور روانہ کیا اور دوسرے روز شام کے وقت بچے گھر کو آئے- جب بچے محلے میں پہنچے ہیں اور سجاد مرزا مرحوم کے ماموں احمد مرزا جان ایک دوست سے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے انہوں نے بچوں سے پوچھا تمہارا ماموں کہا ہے- انہوں نے کہا وہ مر گیا- یہ سنتے ہی وہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور محلے میں ایک فریاد برپا ہو گئی- زن و مرد ہمراہ ہوئے- بچے جب گھر میں آئے تو تمام محلے کی عورات جمع ہو گئیں- باہر مردوں کا اجتماع ہو گیا- اب سب بچوں سے حقیقت پوچھتے ہیں کیا ہوا کہو تو سہی- اب غریب بچے سہمے ہوئے اپنی مصیبت میں آپ گرفتار ہیں- دبی زبان سے کچھ حقیقت بیان کی- ایک حشر برپا ہو گیا- صبح کو احمد مرزا خاں نے مجھے خط لکھا کہ تم خط دیکھتے ہی چلے آؤ- سجاد مرزا کا حال غیر ہے- اس خط کو دیکھتے ہی روح جسم سے پرواز کر گئی- اسی وقت سرکار میں جاکر رخصت طلب کی- شام کو اونٹ گاڑی میں سوار ہو کر جے پور روانہ ہوا- کمبخت اونٹ ایسے ناقص تھے کہ وہ ایک چوکی بھی نہ چل سکے- رستہ میں وہ تھک کر بیٹھ گئے- گاڑیبان دوسرے اونٹ لینے گیا- اس عرصہ میں نصف شب گزر گئی- گاؤں والوں نے شکرم کو روک لیا کہ اس وقت روانہ نہ ہونے دیں گے پہلے شکرم لٹ چکی ہے- صبح کو شکرم روانہ ہوئی- نوائی میں جاکر اونٹ بدلوائے گئے- میں نے کچھ کھانے کو بازار سے لیا- کھانے کو تھا مگر نوالہ حلق میں پھنسنے لگا- منہ سے نہ چلا- اسی اثنا میں ایک برات محلہ والوں کی جے پور سے ٹونک کو جاتی تھی- وہ مجھے ملی- میں نے اپنے بچوں کا حال پوچھا انہوں نے کچھ دبی زبان سے ایسا بیان کیا کہ اور بھی اوسان پراگندہ ہو گئے- غرضکہ پھر شکرم روانہ ہوئی- مگر اونٹ بہت خراب تھے وہ دوسرے روز صبح کو جے پور میں پہنچے اور میں شکرم میں سے اتر کر گھر پہنچا- میری بی بی نے سب کو منع کر دیا تھا کہ کوئی تذکرہ کچھ نہ کرنا- میں گھر میں گیا تو سب خاموش تھے- اسی وقت احمد مرزا خاں کو اور احمد سلطان کو بلوایا- میں ہر چند پوچھتا ہوں کوئی نہیں بتاتا یہی کہتے ہیں وہ کھندیلہ میں ہے جب سب مرد جمع ہو گئے تو میں نے کہا خدا کے واسطے بتاؤ تو سہی ماجرا کیا ہے- میں سمجھ گیا کہ بلاشک سجاد مرزا مر گیا جو یہ سب خاموش ہیں- مجھ سے ضبط نہ ہو سکا- میں نے زور سے زمین پر سر دے مارا کہ میرے دماغ سے خون جاری ہو گیا اور

میں نے کہا کہ اگر حقیقت بیان نہیں کرتے تو میں اپنے کو اسی وقت ہلاک کیے دیتا ہوں- تب عزیزوں نے میرے ہاتھ پکڑے اور کہا صبر کرو- ہم بیان کرتے ہیں- جب احمد مرزا خاں نے یہ حقیقت زبانی بچوں کی بیان کی تو میں چیخیں مار کر رونے لگا- میری بچی نے سجاد مرزا کے دونوں بچوں کو لا کر میرے آگے بٹھا دیا- وہ چھوٹا بچہ کوئی سوا برس کا تھا- اس نے کبھی مجھے نہ دیکھا تھا اور نہ میں نے اسے دیکھا تھا- مگر جوش خون کی تاثیر دیکھو کہ وہ گھٹنیوں چل کر آ کر مجھ سے لپٹ گیا- میں نے اسے چھاتی سے لگایا اور دوسرا بچہ کہ وہ چار برس کا تھا اس نے میری گردن میں ہاتھ ڈال دیئے- میں نے دونوں کو چھاتی سے لگایا تو جو آگ میرے سینہ میں بھڑک رہی تھی فی الجملہ تسکین ہوئی- احمد سلطان صاحب نے کہا کہ اب سجاد مرزا ان بچوں کو سمجھو- یہ ان کی نشانی ہے تمہاری نسل قائم رہے گی- اب ان کی پرورش کرو اگر تم بھی اپنے کو ہلاک کر دو گے تو یہ بچے کیونکر پلیں گے- غرضکہ بعد دو چار گھڑی کے جب میرے اوسان درست ہوئے تو میں نے کہا کہ میں اب حکام کے پاس جا کر فریاد کرتا ہوں- میری بی بی کہنے لگی جو کچھ ہوا اب صبر کرو- مردے کی مٹی عزیز کرو گے قبر کھود کر نعش نکلوائی جائے گی- میرا دل تو گوارا نہیں کرتا نالش فریاد نہ کرو- یہ لوگوں نے ڈرایا تھا- غرضکہ کسی نے بھی مجھے کچہری نہ جانے دیا میں نے کہا- اس کی فاتحہ و درود تو کرو- کہا کل صبح تمہارے آنے سے پہلے رسم پھولوں کی ہو چکی- کل سب عورات فراہم ہوئی تھیں اور باہر سب عزیز و اقارب دوست آشنا جمع ہوئے تھے بعد قرآن خوانی کے ختم پڑھوا دیا تھا- پھول کل ہو چکے ہیں- غرض میں تو اپنی مصیبت میں مبتلا رہا- لوگ آتے تھے رسم و فاتحہ ادا کرتے تھے- دوسرے روز کچہری سے ہرکارہ آیا اور مجھ سے کہا کہ بچوں کو سپرنٹنڈنٹ جی نے بلایا ہے تم ان کو لے کر چلو- غرض یہ کہ میں ان دونوں لڑکوں کو سجاد مرزا کے ہمراہ تھے لے جا کر کچہری میں پہنچا- سپرنٹنڈنٹ کو اس امر کی اطلاع پیشتر ہو چکی تھی اور آدمیوں نے کہا مہاراجہ صاحب کو متھرا میں بھی بذریعہ تار اطلاع دے کر اجازت قبر کھولنے کی منگا کر تحقیقات کے واسطے حکم بھیج بھی دیا تھا- یہ بچے گئے تو ان کو دلاسا دے کر بہ آہستگی سب حال دریافت کیا اور اظہار لکھوائے اور تحقیقات جاری ہوئی- عند التحقیقات عمل ڈاکٹری سے معدے متوفی سے سنکھیا برآمد ہوا- خون بے گناہ ثابت ہوا- جب میں نے جا کر کونسل میں عرضی دی کہ میرا بیٹا جوان نوکری سرکار میں مارا گیا ہے میں اس خون کا قصاص چاہتا ہوں اور مرحوم کی بی بی اور دو بچے خورد سال ہیں ان کی پرورش

ہونی چاہئے۔اس عرضی پر حکم ہوا کہ بعد تکمیل مثل مقدمہ سائل کی دادرسی ہونی چاہئے اور قتل کی تحقیقات اول محکمہ گرامی میں ہوئی اور جنرل سپرنٹنڈنٹ نے اپنے مواجہ میں ایسی تحقیقات کی کہ باید شاید اور پھر نظامت میں مسل گئی اور پھر فوجداری میں آئی اور مجھے اور بچوں کو طلب کیا گیا اور مسل کی تصدیق کی گئی بعد اس کے میں اس کے بچوں کو ہمراہ لے کر بابو راؤ کامتی چندر بہادر کے مکان پر پہنچا اور کہا کہ میرا بیٹا جوان بے قصور نوکری راج میں مارا گیا ہے اور میں بوڑھا ہوں۔کوئی دن کا مہمان ہوں۔ان بچوں اور اس کی بیوہ کی پرورش کون کرے گا۔بابو صاحب نے اس وقت دو ممبر کونسل کے ان کے پہلو میں بیٹھے تھے ان سے دریافت کیا کہ کیا کہتا ہے۔ان دونوں نے متفق اللفظ بیان کیا کہ اس کا بیان راست ہے کوئی شک نہیں۔ہمارے یہاں اطلاع آگئی ہے۔اسی وقت بابو صاحب نے فرمایا کہ ظہیر الدین تو رو نہیں۔جے پور کا راج بے انصاف نہیں ہے۔تیری اور تیرے بچوں کی پرورش کی جائے گی اور قاتل کو ایسی سزا دی جائے گی کہ تیرے آنسو پچھ جائیں گے۔تیرا بیٹا نہیں مارا گیا ہے۔میں خود مدعی ہوں نیز صاحب ممبر کلکٹر موجود تھے۔ان کو حکم دیا کہ کاغذات دفتر کونسل کے نکلوا کر دیکھو ایک بار مہاراج رام سنگھ جی نے اس کے بیس روپے ماہوار بصیغہ روزینہ داران جاری کرنے کا مجھ کو حکم دیا تھا۔وہ کاغذات نکلوا کر وہ بیس روپیہ جاری کر دو۔پھر میں نے عرض کی کہ میں اپنے بیٹے کے خون بہا میں ایک پیسہ نہیں چاہتا۔اگر کوئی لاکھ روپے نقد اور ہزار روپیہ مہینہ مجھے دے گا تو بھی میں نہ لوں گا۔میرا لعل بے بہا مارا گیا ہے ہاں اگر راج کو پرورش منظور ہے۔تو اس کے بچوں اور بیوہ کی پرورش کر دے تو بابو صاحب نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔چنانچہ چار ماہ تک دفتر کونسل میں ان کاغذات کا تجسس کیا گیا کچھ پتہ نہ چلا۔چونکہ عرصہ کثیر منقضی ہو چکا تھا اور دفتر کئی جا منتقل ہو گیا تھا وہ کاغذ بر آمد نہ ہوئے۔آخر الامر بابو صاحب نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ میں مجبور ہوں تیرے بچوں کی تقدیر سے وہ کاغذات تو دستیاب نہیں ہوئے اور تجھے منظور نہیں۔اب جو سجاد مرزا کی تھانہ داری کی تنخواہ تھی اس کا نصف بارہ روپیہ دو آنہ تیرے بچوں کا مقرر کیا گیا۔اٹھارہ سال کی عمر تک بعد راج سے پرورش روزگار کی ہوگی چنانچہ اس حکم کی نقل بطور سند مجھے مل گئی میرے پاس موجود ہے۔اس سند میں لکھا ہوا ہے کہ مبلغ دوازدہ روپیہ بصیغہ روزینہ داران بنا بر پرورش بیوہ و اطفال سجاد مرزا متوفی ظہیر الدین کو ملتے ہیں اور بعد وفات ظہیر الدین اس کے بچوں کو اٹھارہ برس کی عمر تک ملیں گے۔وہ

روزینہ میرے بچوں کو گھر پر ملے جاتا ہے اور مسمی وانسگھ قاتل سجاد مرزا کی نسبت سزائے دائم الحبس تجویز ہو کر جیل خانہ سپرد کیا گیا۔ وہ محبوس ہے۔

بس اسی صدمہ جانکاہ نے میری کمر توڑ دی اور زندگی تلخ کر دی ہوش و حواس میں اختلال واقع ہو گیا۔ دل و دماغ منتشر ہو گئے۔ لطف زندگی جاتا رہا۔ اسی روز سے میری بصارت اور سماعت میں فرق آ گیا۔ اب آنکھوں سے سوجھتا نہیں کانوں سے بالکل بہرا بھنڈ ہو گیا ہوں۔ جسم پر سوائے استخوان اور پوست کے گوشت کا نام نہیں رہا۔ بے حیائی سے زندگی بسر کر رہا ہوں۔ جائے غور ہے کہ ایسی حالت میں کوئی شعر کہہ سکتا ہے۔

ٹونک میں شعر و شاعری :

اب تتمہ عالات شعر و سخن مقام زمانہ قیام ٹونک معرض بیان میں لائے جاتے ہیں۔ ٹونک میں اکثر شعر و سخن کے لکھنے اور پڑھنے کا اتفاق رہا اور بہت سی غزلیں لکھی گئیں۔ اکثر مشاعرے مواجہ نواب صاحب بہادر میں ہوئے خدا کی عنایت سے آج تک کسی کی غزل فقیر کی غزل پر سر بر نہ ہوئی۔ تمام اہل ٹونک اعلے وادنے موجود ہیں۔ بڑے بڑے زور لگا کر لوگ لکھ کر لائے اور جب اخیر میں میری غزل پڑھی گئی۔ سب سرد ہو گئے۔ اکثر منصف مزاجوں نے اپنی غزلیں سر مشاعرہ چاک کر ڈالی ہیں بلکہ بارہا ایسا ہی اتفاق ہو گیا ہے کہ اکثر حضار نے اہل بزم کو امتناع کر دیا ہے کہ کوئی غزل کی داد نہ دینا اور پھر جب میں نے غزل شروع کی ہے تو لوگ پیچھے اہل مشاعرہ کے کھڑے ہیں ان کا شور تحسین و آفرین ایسا بلند ہوا ہے کہ حساد کا رنگ فق ہو گیا ہے۔ بہت سے معرکے ایسے بھی گزرے ہیں۔ چنانچہ ایک بار نواب صاحب کے مواجہ میں مشاعرہ ہوا اور اہل مشاعرہ نے اچھی اچھی غزلیں پڑھیں۔ میرے شاگردوں نے بھی بہت اچھی غزلیں لکھی تھی۔ غرضکہ جب [1] افتخار حسین خاں صاحب مضطر نے غزل پڑھی ہے تو غزل ان کی بہت نادر تھی۔ ان کے جانبداروں میں سے جو لوگ تھے۔ انہوں نے بڑے نعرے سبحان اللہ کے لگائے اور ہر شعر پر یہ بیان ہوتا ہے

---

[1] افتخار حسین خیر آبادی۔ جو بسمل خیر آبادی کے شاگرد امیر مینائی کے چھوٹے بھائی تھے۔ جے پور میں وکیل تھے نواب ابراہیم خاں پہلے بسمل سے اصلاح لیتے تھے ان کی وفات کے بعد مضطر خیر آبادی سے اصلاح لینے لگے۔ مضطر کی یہ غزل بہت مشہور ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ کیا کہنا-کوئی شاعر اب کیا کہے گا- قلم توڑ دیا ہے-ایک شہرت سی شہرت ہو رہی ہے کہ میں کیا بیان کروں-حالانکہ میرے شاگرد احمد سعید خاں عاشق کی غزل مضطر کی غزل سے کم نہ تھی-بلکہ مذاق زبان میں بڑھی ہوئی تھی-قصہ کوتاہ آخر کو جب میری نوبت آئی تو میں نے بیان کیا سنو صاحبو! تم صاحبوں کی جوان طبیعتیں، دلوں میں نئی نئی امنگیں، سب طرح کی فارغ البالی، دل و دماغ تمہارے صحیح اور درست ہیں-میں بوڑھا آدمی ہوش و حواس تک درست نہیں-دل و دماغ میں طاقت نہیں-ہزارہا صدمے قلب و جگر پر پڑے ہیں اب کیا شعر کہوں گا-اور تمہارے مضمون کہاں سے لاؤں گا-مجھے تو معاف ہی رکھئے تو بہت مناسب ہے-اندر سے نواب صاحب نے حکم دیا نہیں غزل پڑھنی پڑے گی جیسی کہہ کر لائے ہو پڑھو-تمہاری غزل کے واسطے تو مشاعرہ ہی مقرر ہوا کرتا ہے-غرضکہ مجبور میں نے غزل شروع کی اور مطلع غزل پڑھا-بس غزل کا مطلع سنتے ہی شور مچ گیا اور مرزا محمد علی خاں صاحب ممبر کونسل نے پکار کر کہا کہ استادی کے یہ معنی ہیں کہ ایک مطلع ایک دیوان کے برابر ہے-وہ صاحب جو فرما رہے تھے کہ قلم توڑ دیا ہے-اب انصاف سے فرمائیں کہ مطلع کہاں پہنچا ہے سو سنار کی اور ایک لوہار کی-وہ مطلع یہ ہے-

وہ جھوٹا عشق ہے جس میں فغاں ہو
وہ کچی آگ ہے جس میں دھواں ہو

اس وقت افتخار حسین خاں صاحب نے فرمایا کہ انہیں باتوں سے تو یہ لوگ استاد مانے جاتے ہیں-ایسے اشعار سے سکہ شاعری کا بیٹھتا ہے-

غرضکہ صدہا اس قسم کے معرکہ رہے-حالانکہ سوائے ایک نواب سلیمان

(بقیہ حاشیہ)

میں وہ قلب مضطرب ہوں جسے کل سے کل نہ آئے
وہ نہال بے ثمر ہوں جو پھلوں تو پھل نہ آئے

مقطع ہے-

نہ تم ان کو پوجو مضطر کہ یہ بت ہیں چند روزہ
تم اسی خدا کو پوجو کہ جسے اجل نہ آئے (نظیر)

صاحب ا؎ اسد اور بسمل صاحب اور مضطر صاحب سب میرے دوست و احباب تھے خدانخواستہ میرے ان کے درمیان کبھی چشمک یا تنازعہ کسی طرح کا نہیں واقع ہوا۔ مگر ہاں جہاں حساد لکھنو کے نام پر مرنے والے جن کے باپ دادا کو خواب میں بھی لکھنو کی زیارت نصیب نہ ہوئی ہوگی ان کا یہ عالم تھا کہ رشک و حسد میں جل کر کباب ہوئے جاتے تھے۔ خدا واسطہ کا بیر، چنانچہ روز اول جو میں نے قصیدہ سالگرہ کا سنایا اور جس کی نسبت یہ کہا گیا تھا کہ یہ استاد ذوق کا قصیدہ ہے۔ میرے شاگرد صاحبزادہ احمد سعید خاں نے اس کی صبح کو یہ کام کیا کہ کہیں سے دیوان ذوق مانگ کر لائے اور اس کو بجائے خود میرے قصیدہ سے ملا کر دیکھا تو زمین آسمان کا فرق اس کی تشبیب میں تھا۔ استاد کے قصیدہ میں غسل صحت کی تشبیب تھی میرے قصیدہ میں سالگرہ کی وہ اس سے کیونکر مطابق ہو سکتا تھا۔ علاوہ بریں مدح میں بڑا اختلاف۔ وہ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ ذرا آپ میری خاطر سے تھوڑی دور تکلیف کیجئے اور ان صاحب کے مکان تک چلئے۔ میں نے کہا کہ میاں جانے بھی دو حساد ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ وہ مصر ہوگئے کہ میں لے ہی چلوں گا۔ غرضکہ وہ مجھے ہمراہ لے کر وہاں پہنچے، اور جا کر کہا کہ لیجئے حضرت وہ چور ڈھور سب موجود ہیں۔ یہ دونوں قصیدے بھی موجود ہیں اور کہنے والے بھی۔ جو حضرات یہ فرماتے تھے کہ استاد کا قصیدہ پڑھ دیا ہے، وہ کون صاحب ہیں۔ ایک صاحب بولے کہ ہم ہیں۔ ہم کہتے ہیں۔

احمد سعید خاں: آپ کس واسطے استاد کا قصیدہ بتاتے ہیں۔

جواب زبان استاد کی اور متانت اور مضامین پکار رہے ہیں۔ زمانہ حال میں کوئی نہیں کہہ سکتا ہے

اس وقت وہ دونوں قصیدے پڑھوائے گئے اور ان حضرات کو قائل معقول کیا گیا۔

نواب ابراہیم علی ۲؎: نواب ابراہیم علی خاں بہادر فرمانروائے ٹونک کو خداوند

۱؎ نواب سلیمان خاں اسد میر مظفر علی اسیر لکھنوی کے شاگرد اور صاحب دیوان تھے نواب صاحب نے ظہیر کی طرح انہیں بھی خاص طور سے ٹونک بلایا تھا۔ (نظیر)

۲؎ نواب ابراہیم علی خاں خلیل ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد نواب محمد علی خاں کی معزولی کے بعد ۱۸۶۶ء میں مسند آرائے ریاست ہوئے۔ انہیں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عالم زندہ اور سلامت رکھے اور اس کے ملک کو آباد اور سرسبز نواب صاحب موصوف جمیع محامد سے ذاتی اور صفاتی سے آراستہ پیراستہ ہیں- نواب صاحب ممدوح کو نفوق قدسیہ میں شمار کرنا چاہئے- نواب صاحب سارئیس باشرع متقی و پرہیزگار- عابد و زاہد، باخدا- عاشق رسول- دیندار- شریف پرور- عدل گستر- رحیم- کریم- جواد- فیاض- بہادر- سخی- دریادل- کریم النفس- خداترس- وسیع الاخلاق دوستدارنی زمانا دنیا میں نہیں- میرے قلم کو طاقت نہیں کہ ان کے اوصاف حمیدہ تحریر کرسکے- اول تو یہ کہ نواب صاحب بہادر کے ثروت و حشمت دریاست کے باوجود، بوئے رعونت اور تمکنت پاس ہوکر نہیں نکلی- سراپا عجز وانکسار بلکہ خلق مجسم کہنا چاہئے- زہد و صلاح کا یہ حال ہے کہ کبھی نماز سحر تک قضا نہیں ہوئی- اوقات شبانروزی یاد الٰہی میں بسر ہوتی ہے- شب کو کل چار گھنٹے آرام کرتے ہوں گے- چار بجے بیدار ہو جاتے ہیں- خدمتگاروں کو حکم ہے کہ مجھے جگادو- صبح کو بیدار ہوئے اور حوائج ضروری سے فارغ ہوکر نماز میں مشغول ہوئے باغ میں مسجد ہے، اس میں نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرتے ہیں- میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ گھڑیوں مسجد میں پڑے ہوئے تفرع دزاری کرتے ہیں رحم وترحم کا یہ حال ہے کہ شاید کسی خدمتگار سے کچھ قصور سرزد ہو گیا اور اسے کوئی طمانچہ غصہ میں مار بیٹھے تو پھر اسی سے قصور معاف کراتے ہیں کہ میاں اللہ کے واسطے میرا قصور معاف کردے- سخاوت کا یہ حال ہے کہ باوجود اس بے دستگاہی کے کہ پانچ ہزار روپے ان کے دست خرچ کے مقرر ہیں اس میں بہت سے لوگ بیش قرار درباری ہیں اور ان کی

(بقیہ حاشیہ)

دیکھ پائے گر جمال روئے انور آفتاب | والضحیٰ پڑھنے لگے حیران ہوکر آفتاب
روشنی کا ایک مرکز ہے فلک پر آفتاب | ہیں یہاں ایک ایک جلوے میں بہتر آفتاب
آپکے پرتو سے اس نے پائی ہیں آرائشیں | ہے جبین صبح پر چاندی کا جھومر آفتاب
آسمان والوں کو بھی ہے پاس خاطر آپ کا | اک اشارہ جب کیا آیا پلٹ کر آفتاب
آپ ہی کیا چاند کو رہتی ہے شب بھر جستجو | آپ ہی کو ڈھونڈتا رہتا ہے دن بھر آفتاب
آپ محشر میں اگر بہر وضو فرمائیں عزم | آفتابہ لے کے دوڑے تا بہ کوثر آفتاب

(نظیر)

اولاد بھی اس میں شریک ہے۔ جو کچھ داد و دہش ہوتی ہیں اس میں سے کرتے ہیں۔ ریاست کے روپے سے کچھ تعلق نہیں سوائے نقد وغیرہ کے۔ پوشاک اسلحہ جو وقت پر موجود پایا بخش دیا۔ زبان پر کبھی کوئی کلمہ تہذیب کے خلاف نہیں آتا۔ مرنج و مرنجان کسی متنفس کو ان کے دم سے تکلیف نہیں پہنچتی۔ عملداری ٹونک میں مقدور ہے کسی کا کہ مرتکب منہیات کا ہو جائے۔ مسکرات وغیرہ کا پورا پورا انتظام ہے۔ رمضان المبارک میں کیا مجال ہے کہ بے عذر شرعی کوئی ترک صوم و صلوۃ کر سکے۔ کوچہ کوچہ محتسب ہوتا ہے۔ جس کو تارک الصوم پاتا ہے فی الفور گرفتار کر کے کوتوالی میں پہنچایا جاتا ہے اور پھر وہ تا اختتام ماہ مبارک کوتوالی نظر بند رہتا ہے۔ وہاں اس سے روزے رکھوائے جاتے ہیں اور رویت ہلال شوال پر رہا کر دیا جاتا ہے۔ زنان فاجرہ کو گرفتار کر کے نکاح کرا دیئے جاتے ہیں۔ نواب صاحب بہادر کو مولود شریف کا از حد شوق ہے۔ سال میں ایک بار مجلس مولود شریف منعقد ہوتی ہے۔ علماء، فضلا، صاحبزادے، عمائد ملازم سب فراہم ہوتے ہیں۔ کھانا بہت عمدہ کھلایا جاتا ہے۔ شیرینی تقسیم ہوتی ہے ربیع الاول میں بارہ روز مجلس نبویؐ منعقد ہوتی ہے اور نظیر باغ کی نہایت تیاری ہو جاتی ہے۔ جھاڑ فانوس گلاس وغیرہ کی روشنی بکثرت ہوتی ہے اور اذن عام ہوتا ہے۔ تمام شہر کی خلقت فراہم ہوتی ہے اور سیر سیر بھر شیرینی سب کو تقسیم ہوتی ہے۔ سات روز مردانہ محفل رہتی ہے اور پانچ روز زنانہ مجلس ہوتی ہے۔ اس روز حکم ہے کہ رات کو کوئی فرد گھر سے باہر نہ نکلنے پائے۔ مستورات پردہ نشین سب مجلس مولود میں جاتی ہیں اور وہ مولود شریف نظم و نثر نواب صاحب کی تصنیف سے ہے اور احادیث و روایات صحیحہ کا ترجمہ ہے۔ اسی جزو کی اس کی ضخامت ہے وہ پڑھا جاتا ہے۔ شعر و شاعری کا از حد ذوق ہے اور کلام بھی عمدہ ہے۔ زیادہ توجہ حمد نعت کی جانب ہے مگر افسوس اس امر کا ہے کہ ریاست کے انتفاع میں بہت نقصان اور تنزل ہو گیا ہے اور ریاست بدرجہ غایت مقروض ہو گئی ہے۔ بائیس لاکھ کی ریاست اور پیداوار نو دس لاکھ کی رہ گئی ہے۔ وجوہات باعث تنزل ریاست واقع ہوئے ہیں۔ بڑی خرابی تو یہ ہے کہ علاقہ ریاست ٹونک کا منتشر پرگنات پر واقع ہوا ہے ایک پرگنہ دوسرے پرگنہ سے علیحدہ ہے اور عملداری ہائے غیر سے ملحق ہے۔ اور صدہا کوس کے فاصلہ سے واقع ہوا ہے۔ بیچ میں اور ریاستیں آگئی ہیں۔ جو عامل و ناظم جاتا ہے۔ اپنی شکم پری سے غرض رکھتا ہے۔ ریاست کی خیر خواہی اور تباہی رعایا سے کچھ مطلب نہیں۔ جب رعیت پر

جبر و تعدی ہوتا ہے رعیت برخاست ہو کر اور ریاست میں چلی جاتی ہے مثلاً پرگنہ سرونج علاقہ ٹونک تو برباد ہو گیا اور بھوپال آباد ہو گئی- دوم یہ کہ خرچ اخراجات خاندان بہت بڑھ گئے- اب گنجائش اتنی نہیں کہ نواب صاحب اپنی اولاد کا کچھ مقرر کریں- جن صاجزادگان کی ماؤں کو جو تنخواہ ہیں وہ اس میں بسر کرتے ہیں- ان کی ذاتی کچھ آمدنی نہیں-

مورث اعلے نواب محمد امیر خاں صاحب اول رئیس ٹونک کے بارہ بیٹے اور کئی بیٹیاں ہیں اور تنخواہ اسی حساب سے تقسیم ہوتی چلی آئی- اب ریاست میں کیا رہ گیا ہے- خاندان کے مصارف میں برابر ہولی برائے نام ریاست ہے- علاوہ ازیں ریل کی سڑک نکلنے سے اور رہا سہا ستیاناس برباد اور تباہ کر دیا- مگر تاہم نواب صاحب کا علو ہمت اور صرف خیر و خیرات نذر و نیاز وغیرہ میں کسی طرح فرق نہیں آیا بدستور سابق اب تک ہیں جو مسافر آجاتے ہیں- کچھ نہ کچھ لے ہی نکلتے ہیں- ہمیشہ اعراب بطور گداگر کے آتے ہیں اور روپیہ درخت کہنہ وغیرہ لے جاتے ہیں- کوئی ٹوٹا پھوٹا شاعر بھی جا نکلتا ہے اور اس کی نواب صاحب تک رسائی ہو جاتی ہے تو نوکر نہین ہوتا تو زادراہ مل جاتا ہے-

نواب صاحب کو شعر و سخن کا شوق از حد ہے- قصیدہ بغیر صلہ کے سننا حرام جانتے ہیں بخلاف امرائے حیدر آباد- نواب صاحب ممدوح شاعر کی قدر و منزلت و اعزاز فرماتے ہیں-

میں ریاست ٹونک میں بہت اچھی طرح بسر کرتا تھا- تیس روپیہ ماہوار نواب صاحب دیتے تھے- دس روپیہ ماہوار بیگم صاحبہ دیتی تھیں- خدمتگار کی تنخواہ صاجزادہ احسان اللہ خاں صاحب دیتے تھے- انہیں کے مکان میں رہتا تھا- کرایہ مکان نہ دینا پڑتا تھا- سواری احسان اللہ خاں کے یہاں موجود تھی- جہاں چاہتا تھا چلا جاتا تھا- ایک تانگہ سرکار میں سے تعینات تھا- پندرہ روپیہ ماہوار خواجہ عبدالرحیم خاں صاحب ڈھاکہ سے بھیجتے تھے- اہل و عیال قریب تھے جب چاہتا تھا چلا جاتا تھا- نواب صاحب بہادر نہایت اعزاز و احترام سے پیش آتے تھے- بارہا ایسا ہوا ہے کہ میں فاصلہ سے الگ بیٹھا ہوں اور نواب صاحب کی نظر پڑی ہے فرمایا یہاں قریب آجاؤ- ہر چند میں نے عذر کیا ایاز قدر خود بشناس فرمایا تم قریب آجاؤ تم بہرے ہو میرا کلام سمجھ میں نہیں آئے گا اور اپنے قریب طلب فرمایا ہے- ہر طرح عزت و حرمت سے بسر ہوتی تھی- بیٹھے بٹھائے گردش نصیب کی خواہ مخواہ وطن سے بے وطن ہو کر

حسب ترغیب بعض احباب حیدر آباد میں چلا آیا اکثر دوستوں کے خطوط پہنچے حیدر آباد میں آجاؤ- یہاں کے امرا قدر دان ہیں- شعر و سخن کا چرچا از حد ہے- تمہارے کلام کے بہت لوگ مشتاق ہیں- شعر و سخن کی بڑی قدر دانی ہے- غرضکہ میرا قصد بھی حیدر آباد کا ہوا- زیادہ تر خیال اس امر کا دامنگیر ہوا کہ میری عمر تو پوری ہو چکی ہے مگر بچوں کا کچھ فکر کرنا چاہئے اور کچھ نہ ہوگا- تو ان کے روزگار کی صورت تو نکل آئے گی- اس خیال سے قرض دام کا بندوبست کیا کچھ پارچہ پوشیدنی تیار کرائے چار ماہ کی رخصت لے کر جے پور ملنے آیا مگر جب میں آیا تو بی بی کی طبعیت علیل پائی آٹھ روز کے اندر اندر ان کا انتقال ہو گیا- یہ خانہ ویرانی کی صورت پیش آئی جو کچھ روپیہ کا بندوبست زادہ راہ کر کے لایا تھا- وہ تجہیز و تکفین میں صرف ہوا- اب ارادہ فسخ ہو گیا- میں نے جے پور سے لکھ بھیجا کہ مجھ پر تو یہ واقعہ گزرا ہے- پھر تحریر گئی مشیت ایزدی میں دخل کیا ہے جو امر تقدیری تھا وہ ہوا مگر آپ چلے آئیں-

دسواں باب

حیدر آباد دکن میں ورود

غرضکہ مجبور وہاں سے روانہ ہوا- بڑودے ہوتے ہوا یہاں آیا- راجہ بھگوان سہائے بہادر نے مجھے باغ میں اتروایا- دو آدمی میرے ہمراہ آئے تھے یہ سب بار میرا ان پر پڑ گیا اول اول تو میرا خرچ اسی نوے روپے کے قریب ماہوار کا تھا- مگر پھر ایک صاحب کو میں نے رخصت کر دیا اس کو راجہ بھگوان سہائے بہادر نے رخصت نہ دیا- پورے ایک سال تک راجہ بھگوان سہائے بہادر میرے کفیل رہے اور میرے کل اخراجات ان کے ذمہ تھے- اسی ایام میں سرکار دولت مدار آقائے نامدار کی نذر ہو گئی- میں نے قصیدہ مدحیہ سنایا- بعد وقت رخصت فرمایا- میں پھر تم کو بلواؤں گا- اسی اثنا میں روانگی دہلی کی تیاری ہو گئی- مہاراجہ صاحب اور اعلے حضرت قدر و قدرت دہلی تشریف لے گئے- اب میرا بھی ارادہ ہوا کہ تو بھی واپس وطن کو چلا چل جن لوگوں نے بلوایا تھا- وہ کہنے لگے بے نیل مرام جانا کون دانائی ہے- صبر کرو تا واپسی مہاراج کے دہلی سے رہنا چاہئے- غرضکہ میں یہاں ٹھہر گیا تین مہینے کے بعد مہاراجہ صاحب بہادر تشریف لائے- مولوی برتر صاحب دہلی سے وطن کو چلے گئے- مجھ سے کہہ گئے تھے کہ میں جا کر رائے رایان بہادر سے کچھ تجویز خرچ کرا کے بھیجتا ہوں اور یہاں یہ کہہ رکھا تھا کہ کچھ دستگیری مہاراجہ مرلی منوہر صاحب کی طرف سے ہو گی اور کسی قدر راے رایان بہادر دستگیری فرمائیں گے باقی مہاراجہ سرکار عالی بہادر مقرر فرمائیں گے- تیری گزر خوبی ہو جائے گی وہ سب کوری باتیں تھیں- ایک سوائے راجہ بھگوان سہائے بہادر کے کسی نے بات تک نہ پوچھی- اب یہ صورت ہوئی مجھ سے کہا گیا نوکری کا ڈھب لگنا تو مشکل ہے- مگر رخصت بہتر معقول طور سے ہو جائے گی- اسی امید میں آٹھ ماہ کا عرصہ گزر گیا اور سب کوری باتیں اور دم وہاں سے ہی نکلے- آخر ٹونک سے تحریر آگئی کہ تمہارا نام دفتر

سے جدا کر دیا گیا- اب تم ٹونک آکر کیا کروگے-جب میں سب طرف سے مایوس ہو گیا تو
جن صاحبوں نے مجھے بلایا تھا وہ منہ چھپانے لگے- ملنا تک چھوڑ دیا- آخر میں نے سرکار
خداوند نعمت کو عرضی لکھی اور اپنی مصیبت اور انقطاع تعلق ٹونک کا حال لکھ کر سرکار کی
خدمت میں بھیجی-اور نیز داغ صاحب نے بھی سرکار میں لکھا-خداوند تعالے سرکار دولت
مدار کو تاابد سلامت رکھے کہ سرکار نے بخیال کبر سن اندھا-بہرا-اپاہج-بے کار محض سمجھ کر
ازراہ ترحم میری پرورش فرمائی کہ اس زمانے میں روٹی نصیب ہو گئی-ورنہ یار لوگوں نے تو
دنیا سے کھونے میں کوئی کسر نہ رکھی تھی-اب گوشہ عافیت میں بیٹھا ہوا جو کچھ دال دلیا اور
روکھی سوکھی روٹی نصیب ہوتی ہے بہزار وقت و پریشانی نصیب اسے غنیمت جان کر کھاتا ہوں
اور اپنے آپ آقائے نامدار خداوند نعمت کو دعا دیتا ہوں اور قدردانی حیدر آباد کی تو خیر جن
لوگوں سے مجھے توقع تھی وہ اندر آئیں کا پھل نکلے-پھر جو کچھ رہی سہی حالت قدر سخن کی ہے
تو یمین السلطنت مدار المہام مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے دم سے ہے-البتہ مہاراج صاحب
بہادر اس فن کے قدردان ہیں اور سرکار میں اکثر شعراء ملازم ہیں اور نیز مہاراجہ صاحب
بہادر کا کلام بھی اعلے درجہ کا ہے-خود بھی ایسا فرماتے ہیں جس کا جواب نہیں- نظم ونثر فارسی
اردو بہت لاجواب ہے-اس کے علاوہ مہارجہ صاحب بہادر جامع الکمال ہیں-ہر فن میں
مداخلت تام رکھتے ہیں- حسن اخلاق کی شہرت تو عالمگیر ہے- محتاج شیرہ و بیان نہیں ہے-
فیاضی و دریادلی دداد و ہش و سیر چشمی و علوئے ہمت کا حال اظہر من الشمس ہے-سب سے
صرف و اصراف نذر و نیاز عرس بزرگان و مشائخین کا ہے-ان تقریبات میں بے دریغ علے
الحساب صرف فرماتے ہیں-ہزار ہا روپیہ تیاری سامان عرائس میں اور پختہ طعام نیاز میں
صرف ہوتے ہیں اور ہزار ہا آدمیوں کو طعام ہائے لذیذ پر تکلف کھلائے جاتے ہیں-اور تقسیم
طعام بے دریغ ہوتی ہے-

ع برین خوان یغما دشمن چہ دوست

عرس مولا علی :ان تقریبات کے علاوہ مہاراجہ صاحب بہادر جب
کوہ مولا علی پر تشریف لے جاتے ہیں تو کئی مہینے قیام فرماتے ہیں-تمام عملہ سرکاری اور
ملازم سرکار اور محلات وغیرہ ہمراہ ہوتے ہیں سب کو طعام پر تکلف دونوں وقت مطبخ سرکار
سے بے دریغ عطا ہوتا ہے اور ہنگام عرس حضرت علی مرتضے شیر خدا صلوۃ اللہ علیہ میں چند

روز پیشتر از عرس اعلیٰ حضرت قدر قدرت فلک رفعت کیواں چشم بر جیس شیم رونق افروز کوہ مبارک ہوتے ہیں اور تمام حیدر آباد کی خلقت کا ازدہام ہوتا ہے اس زمانہ میں کئی سو آدمی کا اجماع خاص و عام در دولت سرکار پر ہوتا ہے۔ خیمہ ہائے متعدد استادہ ہو جاتے ہیں۔ اکثر ارباب نشاط و طوائف وغیرہ بھی حاضر ہوتی ہیں۔ اس اجماع کثیر و جم غفیر کو طعام سرکار سے تقسیم ہوتا ہے۔ دونوں وقت دیگیں کھانے کے پکتی ہیں اور تقسیم ہوتی ہیں۔ کئی روز تک یہ پخت جاری رہتی ہے اور بعد عرس کے انعامات ہمراہیا کو اعلیٰ قدر مراتب مہاراجہ صاحب بہادر اشرفیاں تقسیم فرماتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدر قدرت خلد اللہ ملکہ، زمان قیام میں دو تین بار بنگلہ سرکار پر رونق افروز ہوتے ہیں۔ بزم رقص و سرور برپا ہوتی ہے۔ روشنی کا سامان بخوبی ہوتا ہے۔ یہ مہاراجہ صاحب بہادر کی دریادلی اور سیر چشمی اور بلند حوصلگی اور علو ہمت کا ایک نمونہ ہے جو معرض بیان میں آیا۔

آج کسی امیر یا رئیس کی یہ ہمت ہے کہ اس طرح بے دریغ صرف کرے گا۔ حیدر آباد میں بڑی بڑی سرکاریں اور جاگیرداران اولوالعزم ہیں۔ حالانکہ ان کی آمدنی جاگیرات مہاراجہ صاحب کی جاگیر سے بدرجہا زیادہ ہے۔ مگر یہ ہمت اور حوصلہ کسی کا نہیں کہ اس طرح بے دریغ صرف کرے غور کیا جاتا ہے تو مہاراجہ صاحب بہادر حاتم وقت ہیں۔ تونگری بدل است نہ بال بزرگی بعقلست نہ بسال ۔

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے ان کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے

میں حب وطن سے حیدر آباد روانہ ہوا ہوں تو مجھے بڑی بڑی امیدیں قدردانی حیدر آباد سے تھیں۔ میں جانتا تھا کہ سوائے ذات بابرکات اعلیٰ حضرت قدر قدرت کے اگر ایک دو امیر کی سرکار میں تیری رسائی ہو گئی تو تیری گذر بخوبی ہو جائے گی کیونکہ گورنمنٹ حیدر آباد کی سرکار عالی جاہ ہے۔ آج ہندوستان میں سلطنت خیال کی جاتی ہے۔ اس کی برابر کوئی ریاست نہیں اس کا جاہ و حشم مصر اور ایران کی برابر شمار ہوتا ہے۔ وہاں بڑے بڑے امیر کبیر ہیں۔ پچیس پچیس لاکھ کے جاگیردار ہیں۔ ہزار ہا روپیہ کے تنخواہ دار تو اہلکار ہیں۔ ایسے مقام پر پانچ چار سو روپیہ ماہوار کا روزگار ہونا کچھ دشوار نہیں۔ مجھے خیال ریاستہائے ہندوستان کا تھا۔ ہندوستان کے رئیس پانچ پانچ چار چار لاکھ کے جاگیردار بچارے آدھی لنگوٹی میں پھاگ کھیلتے ہیں۔ ان کو کل لوازمہ ریاست اور تجمل جلوس ریاست کا رکھنا پڑتا ہے۔ اصطبل میں دس پانچ

خاصہ کوتل ہزار روپیہ کی قیمت سے لگا کے پانچ ہزار تک موجود ہیں- فیل خانہ میں دو چار ہاتھی بھی ہیں اس کے علاوہ سامان جلوس نوبت نقارہ علم ماہی مراتب فوج سپاہ سوار پیدل- توپ خانہ- مصاحبین اہلکار عملہ وغیرہ سب سامان ریاست موجود ہے غرضکہ جب میں یہاں پہنچا ہوں تو میرا گمان فاسد نکلا- یہاں مقدمہ بر عکس پایا- قدردانی تو بالائے طاق رہی روٹیوں کے لالے پڑ گئے بقول سرکار دولت مدار ظہیر صاحب کو کس نے سبز باغ دکھایا کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں آکر حیران و پریشان ہوئے-

میر محبوب علی خاں[1]: بہ نفس نفیس نہایت دانا مدبر و ہوشیار روشن دماغ و

---

[1] مظفر الملک فتح جنگ نواب میر محبوب علی خان نظام الملک آصف جاہ ششم اٹھارہ اگست ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے اور ۲۶ فروری ۱۸۶۹ء کو مسند آرائے ریاست ہوئے- آپ کی تعلیم و تربیت مختلف اوقات میں مولوی محمد خان شہید، مولوی مسیح الزمان خان، مولوی انوار اللہ خان، مولوی اشرف حسین، مظفر حسین خوش نویس، مرزا نصر اللہ خان، مسٹر کلارک، سرور جنگ، افسر جنگ، مٹو خان وغیرہ نے کی- آپ کو زبان عربی، فارسی، اردو اور انگریزی پر عبور حاصل تھا- فنون سپاہ گری کے بھی ماہر تھے- آپ علماء و فضلاء اور اہل کمال کے قدر دان تھے- سینکڑوں اہل علم اور باکمالوں کو آپ سے فیض پہنچا- مولوی سید احمد کو فرہنگ آصفیہ کی اشاعت کے لئے زر کثیر دیا- آپ نے مولانا شبلی، مولانا حالی، مولوی ڈاکٹر عبد الحق قدر بلگرامی، پنڈت رتن ناتھ سرشار، مولوی عبد الحلیم شرر، ڈپٹی نذیر احمد، سید علی بلگرامی، پروفیسر شہباز، مرزا داغ اور مولانا ظفر علی خان کی سرپرستی کی- مرزا داغ کو جو شعر و سخن میں ان کے استاد تھے جو عزت و شہرت و عروج حاصل ہوا وہ اردو زبان کے کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوا- آخر میں مرزا داغ کی تنخواہ پندرہ سو روپے ماہوار تھی- تعجب ہے کہ حضرت ظہیر مصنف کتاب ہذا کی کماحقہ قدر افزائی نہ ہوئی جیسا کہ ان کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے- میر محبوب علی خان آصف تخلص کرتے تھے اور اپنے استاد داغ کے رنگ میں غزل کہتے تھے- ان کی ایک غزل کے دو اشعار لکھتا ہوں-

عاشق تیری زلفوں سے پریشان بہت ہیں — یہ تاکتی یہ لوٹتی ایمان بہت ہیں
کچھ اور ہو غم حضرت آصف کی بلا کو — ہاں تیری محبت میں پریشان بہت ہیں

(نظیر)

روشن خیال - رحیم - رعیت نواز - رعیت دوست - رعیت پرور - خلیق - وجیہ - خوش رو - خوش خو - سخن گستر - حق پسند بہمہ صفت موصوف ہیں - فی زمانناابراہیم بک عادل شاہ ثانی کہنا چاہئے اور نتیجہ رعایا پروری اور تالیف قلوب کا یہ رنگ ہے کہ تقریب میں رعایا اور ملازمین اپنے پاس سے زر کثیر صرف کر کے آرائش شہر و روشنی وغیرہ کا سامان فراہم کرتے ہیں اور محافل رقص و سرود گرم کر کے عیش و نشاط مناتے ہیں اور دل و جان سے اپنے بادشاہ مہربان پر نثار اور قربان ہیں -

رعایائے حیدر آباد تمام و کمال خورسند و خوشحال متمول و مالامال ہے کسی طرح کی شاکی نہیں -

آبادی شہر :بازار از کثرت خلائق ایک جہان دیگر تصور کرنا چاہئے - بیرون حصار شہر حیدر آباد ہر چہار جانب شہر کوسوں تک بازار اور مکانات بنے چلے گئے ہیں - آدمیوں کا بن کہنا روا ہے - ہزارہا گھوڑا گاڑی اور جھٹکے وغیرہ دو گھڑی رات کے پچھلے سے نصف شب تک شہر میں دوڑتے ہیں - سواریوں کی کثرت سے پیدلوں کو راستہ چلنا دشوار ہوتا ہے - شبانہ روز آمد و رفت خلقت جاری ہے -

ملازمین کی تنخواہیں بہ نسبت ریاستہائے ہندوستان از ادنے تا اعلے و چند سر چند چہار چند ہیں - اور دربار بیش قرار پاتے ہیں - متوسلین طبقہ علیہ آصفیہ تین طبقہ پر تصور کئے جاتے ہیں -

طبقہ اعلے طبقہ اوسط طبقہ ادنے

امرائے طبقہ اعلے :وہ امرا اور جاگیردار ہیں جو خاندان شاہی سے نسبت قرابت رکھتے ہیں - جیسے نواب شمس الامرمرحوم کا خاندان ہے کہ باون گاؤں کے جاگیردار ہیں ان سے بڑھ کر کوئی جاگیردار نہیں - اعلے حضرت قدر و قدرت کے ہمشیرہ زادہ ہیں -

اور بعد ازاں اور امرا ہیں جو امرائے قدیم اور جاگیرداران موروثی ہیں - مثلاً راجہ رایان مہاراجہ شیورام بہادر دیانت ونت آصف جاہی -

درائے رایان راؤ پچھمن راؤ بہادر دیانتونت آصف جاہی - و مہاراجہ راجگان مہاراجہ چندو لال بہادر خاندان و نواب مختار الملک سالار جنگ بہادر مرحوم کا خاندان اس قدر امرائے دولت آصفیہ تو طبقہ اول میں تصور کئے جاتے ہیں -

امرائے طبقہ دوم: اس طبقہ میں تین لاکھ روپیہ سے لے کر پچاس ہزار روپیہ کے جاگیر دار مصبدار اور اراکین دولت پنشن خوار درماہہ دار مثل معین المہامان ودیگر ملازمان محکمہ جات و تعلقہ داران وغیرہ وغیرہ۔پانچ ہزار سے لے کر دو سو روپیہ کے تنخواہ دار و منصب دار تک طبقہ دوم میں شمار کئے جاتے ہیں۔

امرائے طبقہ سوم: اس طبقہ میں دو سو روپیہ سے لے کر پانچ روپیہ کے نوکر اہلکار محکمہ جات و ملازمین صیغہ فوج سوار و پیدل وغیرہ تصور کئے جاتے ہیں۔

حیدر آباد کا سو روپیہ ماہوار کا ملازم اور ریاست ہائے ہندوستانی کا تیس روپیہ کا درماہہ دار حیثیت میں برابر ہے۔

حیدر آباد میں جو سو روپیہ میں بسر اوقات کر سکتا ہے وہ شمالی ہندوستان میں تیس روپیہ میں کر سکتا ہے وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں سب اشیاء ارزاں ہیں حیدر آباد میں گران اول تو روپے کے خوردے میں ڈھائی آنہ کا فرق ہے۔

اقتصادی حالات: اب اجناس کو غور کیجئے گوشت یہاں فی روپیہ چار سیر کا فروخت ہوتا ہے۔ہندوستان میں آٹھ سیر کا بکتا ہے (لیکن اب وہ وقت نہیں رہا۔ہر جگہ آٹھ آنہ (۸) سیر کا نرخ ہے۔ممکن ہے کہ حیدر آباد میں بھی اضافہ ہو گیا ہو) دو چند فرق ہو گیا۔ غلہ یہاں دس سیر کا ہو تو وہاں سترہ اٹھارہ سیر کا ملتا ہے ایک ادنے رقم ہے کہ ایک غریب آدمی کے گھر کے کپڑے دھوبی چار آنے مہینے میں دھوتا ہے۔حیدر آباد میں ایک آدمی کے کپڑوں کی دھلائی ایک روپیہ ماہوار طلب کرتا ہے اور مہینے میں دوبار بمشکل دھو کے دیتا ہے۔حجام خط کی بنوائی ایک آنہ لیتا ہے۔(اب دہلی میں بھی یہی مقرر ہے) ہندوستان میں غریب آدمی حجامت کا ایک پیسہ دیتا ہے۔آسودہ حال دو پیسے دیتے ہیں یہاں جتنے کمینہ پیشہ ور ہیں سب خوش وخرم مرفہ الحال ہیں۔

اور طبقہ سوم کے شریف تہدیست، دنیا کی قلت معاش۔حیدر آباد کے اخراجات ہی حسب حیثیت و تمول حد اعتدال سے بدرجہا بالاتر ہیں یہاں قلیل المعاش کی بسر اوقات غیر ممکن ہے۔خصوصاً مسافرین امیدوار روزگار نہایت خراب و خوار و ذلیل ہوتے ہیں۔کوئی دروازہ پر آنے کا روادار نہیں ہوتا ہے۔

سوائے ذات بابرکات بندگان عالی اعلحضرت قدر قدرت خلد اللہ ملکہ، و مہاراجہ

یمین السلطنت مدار المہام بہادر۔

امراء کی تمکنت : طبقہ اول و دوم کے امرائے حیدرآباد نازک دماغ تمکنت دوست عیش پسند شاہانہ مزاج ہیں غربا کے حال پر متوجہ بہت کم ہوتے ہیں۔ بلکہ غربا و شکستہ بال کی باریابی بھی دربار تک خواب وخیال ہے۔

سگ و دربان چو یافتند غریب   ایں گریباں گرفت وآں دامن

ایسے نازک مزاج امراء کو شعر و سخن کا دماغ کہاں ہے کہ وہ اپنے وقت عزیز عیش و آرام کو اس کار بیکاران میں صرف فرماویں۔

اے عندلیب ناداں دم در گلش فرد بند   نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارد

یہاں شعر و سخن کی کیا وقعت اور شاعر کی کیا قدر و منزلت کسی فن کا اہل کمال صاحب جوہر ہو۔ کوئی پرسان حال نہیں۔

ہاں کسی قدر ہے تو البتہ مرثیہ خوانوں کی عشر محرم میں قدر ہو جاتی ہے مگر انہیں لوگوں کی جو پشتینی شہرت یافتہ ہیں اور ان کے آباؤ اجداد کا نام چلا آتا ہے اسی اعتبار سے وہ پوچھے جاتے ہیں۔ خواہ وہ اس رتبہ کے ہوں۔ یا نہ ہوں۔ باعتبار شہرت ان کی قدردانی فرمائی جاتی ہے۔ حیثیت ہنر و فنون سے کچھ بحث نہیں اپنی ناموری و شہرت سے مطلب ہے۔ کہ فلاں امیر نے فلاں مرثیہ خواں کو بلایا ہے۔ اب ان حضرات کے مقابل میں کوئی عرش کے تارے بھی توڑ لائے تو کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ سوائے مرثیہ خوانی کے ظاہرا کوئی نذر و نیاز وغیرہ معلوم نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اور شہروں میں امیر غریب علی قدر مقدرت طعام داری کرتے ہیں اور غربا و مساکین کو عشرہ محرم میں کھانے کھلواتے ہیں۔ ہزاروں روپے نذر و نیاز میں صرف کرتے ہیں علاوہ ازیں کسی فن کے اہل کمال کو کسی سرکار میں نوکر ہوتے نہ سنا۔ کسی سخنور کو دو پیسہ صلہ ملتے نہ دیکھے۔ خلاف اس کے ہندوستان کے امرا کو ہر اقسام کے شوق ہوتے ہیں۔ کسی کو لہو ولعب کی جانب توجہ ہوتی ہے مثل پتنگ بازی۔ کبوتر بازی یا اور کسی قسم کی بازی یا شکار وغیرہ بعضوں کو گھوڑے کی سواری کا شوق ہوتا ہے۔ تو اچھے اچھے ہر ملک اور ہر قوم کے نایاب خاصے گھوڑے علی قدر حیثیت طویلے میں موجود ہوتے ہیں۔ اس فن کے آدمی نوکر ہوتے ہیں۔ کسی امیر کو پرندوں کے شکار کا شوق ہوتا ہے تو ہزارہا روپیہ اسی پر صرف ہوتا ہے اس کے سامان فراہم ہوتے ہیں۔ غرضکہ امیر کو جس فن کا ذوق ہوتا ہے اس

فن کے آدمی بکثرت جمع ہوتے ہیں اور ان کی قدر دانی کی جاتی ہے اور نہال اور مالا مال ہوتے ہیں- امرایان حیدر آباد یورپین تعلیم یافتہ ہیں- انگریزوں کے قدم بقدم چلتے ہیں کس درجہ مہذب و محتاط ہیں کہ ایک پیسہ کے بازی میں بیجا صرف نہیں فرماتے ہیں- کیا مجال کہ کسی فن کا آدمی اپنا اظہار جوہر کر کے ازراہ شعبدہ بازی ایک حبہ ٹھگ کرلی جائے- یہ ان حضرات کی دانشمندی اور مقتضائے لوازم احتیاط خودداری ہے پیشتر ہی انسداد اس امر کا رہتا ہے کہ کوئی شخص مسافر دروازے پر نہ آنے پائے-

اس کے علاوہ اور سب طرح کا فیض عام باداو و دہش و شہرے سخاوت جو شیوہ امارت ہے راقم الحروف کے گوش گزار نہیں ہوا-

اپنے طرز کلام کی وضاحت :

در اقتضائے عالم بخشتم بسے   بسر بروم ایام باہر کسے

تمتع زہر گوشہ یافتم   زہر خرمنے خوشہ یافتم

میں نے اپنی مدت العمر پر جو غور و نگاہ ڈال کر حساب کیا تو کس طرح پر تقسیم ہوتی ہے- ایک حصہ تو زمانہ طفولیت اور نادانی اور لہو و لعب کا عنفوان شباب اور جوانی تک حصہ حصہ دوم سرگردانی و خانہ بدوشی و بیابان نوردی و تلاش وجہ معاش و نوکری و صرف اوقات روزگاریگی میں تصور کیا جاتا ہے-

ما بقی ان دو حصص کے ایک ثلث زمانہ کسب فن سخن و سخنوری و مشق سخن و سخنگوئی و صحبت کاملین فن سخن و حصول استفادہ فن تصور کرنا چاہیے- سن میرا ستر سے تجاوز کر گیا ہے اول زمانہ طفولیت میں مجھے شعر و سخن کا شوق ہوا اور میں شیخ محمد ابراہیم ذوق خاقانی ہند کا شاگرد ہوا تو وہ زمانہ جاہلیت تھا- مجھے عیب و صواب سخن کا کچھ امتیاز نہ تھا- ہر چند کہ اصلاح سخن بہت کم ہوئی لیکن فیضان صحبت بابرکات سے استفادہ بہت کچھ حاصل ہوا اور بعد انتقال ان بزرگوار کے یاران ہم فن کی صحبت سے بہت امتیاز حاصل ہوا- بعد زمانہ غدر کے پانچ چار سال کے جب دہلی واپس آیا ہوں اور چرچا و سخن رہنے لگا تو مفتی صدرالدین خاں صاحب آزردہ ونواب مصطفے خاں صاحب شیفتہ اور حافظ غلام رسول صاحب ویران کی صحبت کا پیشتر اتفاق رہا- اور گاہ گاہ مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوتا تھا مگر اصلاح سخن کسی سے نہیں لی- لیکن ان بزرگواروں و دیگر کاملین کے کلام کو دیکھ کر بنظر غور

استفاضہ حاصل کیااور اپنی طبیعت کے زور سے ان تینوں استادان وقت ذوق، مومن، غالب کے کلام کالب لباب اخذ کر کے اپنی طرز جداگانہ اختیار کی۔

شیخ صاحب مرحوم کی توزبان اور محاورات کی پیروی اختیار کی۔

مومن صاحب کے مضامین اور نازک خیالی وسوز وگداز کا اتباع کیا۔

مرزاغالب صاحب کی بندش وترکیبات کی تقلید اختیار کی۔

اس کے علاوہ جو کلمات کہ میرے فہم ناصق میں مذموم اور غیر فصیح، ناجائز مفہوم ہوئے ان سے احتراز کیااوران کو متروکات میں داخل کیا۔ خذ ماصفاودع ماکدر، نان بر شیر مال بارو غن تلخ گندہ الا ایجاد بندہ، میرا مقصود یہ نہیں ہے کہ مجدد وقت ہوں اور حضرات بھی میری تقلید اختیار کریں۔ میں نے کوئی متروکہ لفظ اپنے کلام میں شامل نہیں کیااور احباب کو اپنے کلام کااختیار ہے۔ جائز رکھیں یانہ رکھیں۔

بیس سال کام مجھے ریاستی جے پور میں اتفاق روزگار سرشتہ کاہوااس اثناء میں مطلق فرصت طبع آزمائی کی نہ ہوئی۔ شائد اس عرصہ میں بیس پچیس غزل اور ایک دو قصیدہ نگاری کااتفاق حسب تقاضائے احباب ہواہو تو مگر بعد جب اس روزگار سے مستعفی ہو کر خانہ نشین ہواہوں اور نواب احمد علی خاں صاحب رونق کی رفاقت اختیار کی ہے جب اس جانب توجہ کی گئی ہے اور میرے کلام کی شہرت ہوئی ہے اور خلائق کی رجوع ہوئی ہے اور اطراف وجوانب سے لوگ میرے شاگرد ہونے شروع ہوئے اور مشق سخن روز بروز ترقی پذیر ہوتی چلی گئی ہے۔ تااینکہ عنایت ایزدی سے دیوان اول گلستان سخن اختتام کو پہنچ گیا۔ پہلے دیوان کی اشاعت زمانہ ملازمت ٹونک میں خداوند مسبب الاسباب نے اس کے انطباع کے سامان بھی فراہم کرادیئے راجہ بھگوان سہائے بہادراور خواجہ عبدالرحیم خاں صاحب کی کفالت سے وہ چھپ کر تیار ہوااور تمام اطراف واکناف ہندوستان میں اشاعت پاگیااور تازبان انطباع دیوان دوم بھی ترتیب پاگیا۔ مگر بعد اس قدر استطاعت نہ ہوئی کہ وہ بھی چھپوایاجاتا۔ اب عنایت ایزدی سے تین دیوان کا ذخیرہ میرے پاس موجود ہے اور ایک جلد کے قریب مرثیے۔ سلام، رباعیات وغیرہ فراہم ہوگئے ہیں۔ خداوند تعالےٰ اپنے خزانہ غیب سے کوئی سامان مہیا کردے گاتووہ بھی طبع ہوجائیں گے۔ ظاہراتوکوئی سامان نظر نہیں آتا۔

مدت العمر میری خدمت سلاطین عظام وروسائے ذوی الاحترام میں صرف ہوئی

اور جہاں رہا اعزاز و احترام سے رہا- رؤسائے اولوالعزم نے میرے کلام کو نظر وقعت سے ملاحظہ کیا اور جن امرائے عالی ہمت والا نظر نکتہ سنج، سخن شناس کو خداوند عالم نے نگاہ باریک بین وجوہر قابلیت واستعداد سخن شناسی عطا فرمایا ہے انہوں نے علی قدر مقدرت عطایائے صلہ جات وخلعت وانعامات وغیرہ سے میری قدر افزائی فرمائی- حتی کہ نوشیر کی غزل کے صلہ میں مجھے ہزار روپے ایک امیر نے عنایت فرمائے ہیں اور جب نئی غزل لکھ لے گیا ہوں، اشرفیاں ملی ہیں-

نواب احمد علی خاں صاحب رونق تین ہزار روپے ماہوار کی معاش کے آدمی تھے- مگر جب میرے کسی بچے کی شادی درپیش ہوتی تھی تو اس تقریب میں مجھے دو سو روپیہ علاوہ تنخواہ معینہ کے عطا فرماتے تھے اور قصائد کا صلہ علاوہ عطا ہوتا رہتا تھا- علی ہذاالقیاس شاگردان دیگر، راجہ بھگوان سہائے بہادر گرم و خواجہ عبدالرحیم خاں صاحب اثیم بھی ہمیشہ دستگیری فرماتے رہے- اسی طرح مدت العمر بسر ہوگئی- اب چند روز کی زندگی باقی ہے- آفتاب لب بام و شمع سحر کا عالم ہے- ہر کمالے رازوالے- اب زمانہ انحطاط و تنزلی کا ہے- معراج کمال تو حاصل ہو ہی چکی ہے- تمام ہندوستان میں ڈیرہ غازی خاں سے لے کے ڈھاکے بنگالے تک اور کوہ شملے سے لے کے مدراس تک میرے شاگرد موجود ہیں- جابجا میرا کلام پہنچ گیا ہے- لوگ کلام کے مشتاق رہتے ہیں- ایک ایک مصرعہ کی قدر و منزلت کرتے ہیں- اصلاحات کو آنکھوں سے لگاتے ہیں- کوئی ایسا سخنور نہیں جو مجھے جانتا نہ ہو- جو گلدستہ نیا جاری ہوتا ہے، پہلے درخواست میرے پاس آتی ہے- اب اس سے زیادہ کیا آسمان پر پہنچنا ہے- عنایت ایزدی سے میرے شاگردوں کا کلام حد تکمیل تک پہنچ گیا ہے- خود استاد ہیں- ایک ایک کے سو سو دو دو سو شاگرد موجود ہیں- میری اصلاح کے محتاج نہیں- یہ ان کا حسن عقیدت ہے کہ مجھے دکھاتے سناتے ہیں ورنہ شعرائے ہمعصر سے ان کا کلام رتبہ میں کم نہیں، بلکہ خدا چاہے تو بالا ہی ہوگا اور قصائد نگاری میں تو اپنا جواب آپ ہیں- مولوی نادر علی برتر منشی نجم الدین احمد ثاقب بدایونی، صاحبزادہ احمد سعید خاں عاشق ٹونکی درجہ اول میں یہ صاحب ہیں- درجہ دوم میں منشی رمضان علی خاں اختر اجمیری، منشی ابراہیم دبیر روڑ کوٹی، نبین میاں انس سکنہ باڑہ اودھ و منشی سلطان احمد ناشاد سکنہ کلکتہ و نواب خواجہ عبدالرحیم خاں صاحب اسیم نواب ڈھاکہ و حکیم اسد علی خاں صاحب دہلوی متخلص بہ مضطر و سید حسن سید

بھوپالی و محمود خاں محمود حیدر آبادی اور درجہ سوم کا کچھ حساب نہیں انکا شمار تحریر میں لانا غیر ممکن ہے ان کے نام کہاں تک یاد کیے جائیں- ان کو بہ نظر طوالت عبادت فروگزاشت کیا گیا-

اب سن میر استر سے تجاوز کر گیا ہے- دل و دماغ میں طاقت نہ رہی، قوی مضمحل ہو گئے- ہوش و حواس مختل سہو و نسیان کی یہ کثرت ہے کہ بات کہتے ہی بھول جاتا ہوں اولاد کے صدموں سے دل پاش پاش ہو گیا- افکار اہل و عیال نے آدمیت سے کھو دیا- کوچ ہر وقت گردن پہ سوار ہے- کانوں سے بہرا، آنکھوں سے اندھا- جو شخص انِ مصائب میں گرفتار ہو اس کو شعر سخن سے کیا تعلق باوجود اس تشتت خاطر کے خون جگر پی کر اور جان کو ہلاک کر کے کچھ کچھ کہا گیا تو انجام اس کا سوائے رشک و حسد و حرف گیری کے کچھ نہ دیکھا گیا- ناقدری زمانہ کا یہ حال ہے کہ ناقص و کامل ایک نظر دیکھے جاتے ہیں- کوئی قدر دان کمال نہیں- ان وجوہات کے باعث طبیعت اس فن کی طرف سے بیزار ہو گئی- لامحالہ شعر و سخن کی جانب سے دست بردار ہونا پڑا اور شعر و شاعری کو سلام کر کے مہر خموشی دہن لگا کر گوشہ نشینی اختیار کی-

آنا تاکہ بکنج عافیت بنشستند دندان سگ و دہان مردم بستند
کاغذ بدرید و قلم بشکستند از دست و زبان حرفگیراں رستند

شعر و سخن: میں جب وارد حیدر آباد ہوا تو تمام حیدر آباد میں شہرت ہو گئی- جوق جوق و خیل خیل اصحاب ملاقات کو آتے تھے- صبح سے رات کے گیارہ بجے تک میرے مکان پر مجمع رہتا تھا- کلام کی فرمائش ہوتی تھی- تعمیل حکم کرنی پڑتی تھی- اسی اثنا میں میرے شفیق قدیم نواب عبد اللہ خاں ضیغم نے ایک مشاعرہ قرار دیا اور سب احباب کو میرے آنے کی اطلاع دے دی اس جلسہ میں بکثرت اجماع خلائق ہوا اور میرے پہنچنے سے قبل مشاعرہ شروع ہو گیا تھا غرضکہ جب میں پہنچا ہوں تو سب صاحبوں نے براہ عنایت تعظیم دی اور مشاعرہ تو ہو ہی رہا تھا- مگر میں نے یہ کیفیت عجب دیکھی کہ ہنوز ایک غزل تمام نہ ہوئی تھی کہ دوسرے صاحب آگے بڑھ گئے اور شمع اپنے آگے رکھ کر پڑھنے لگے- ہنوز ان کی غزل ختم نہ ہوئی کہ ایک شخص ان کے پہلو میں سے اور نکل آئے اور جھٹ غزل شروع کر دی- کوئی داد دے یا نہ دے، پڑھے چلے جاتے ہیں- دو دو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو شعر بے لطف و بے مزہ

پڑھے جاتے ہیں- کسی طرح خاموش نہیں ہوتے -ایک پر ایک گرا پڑتا ہے- خلاف تہذیب اپنی اپنی جائے سے اٹھ کر غزل پڑھنے والے کے پیچھے جا بیٹھتے ہیں-ایک جائے شمع کو جنبش نہیں ہوتی اور لطف یہ کہ جو صاحب پڑھ چکتے ہیں وہ اٹھے اور گھر کو روانہ ہوئے- لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ کیسے بے تہذیب لوگ ہیں کہ ان کو ذرا خیال آداب محفل نہیں- اپنے دل میں نہایت پشیمان ہوا کہ تو اس محفل میں کیوں آیا- غرضکہ تمام شب بسر ہوئی- صبح کے قریب میری غزل کی نوبت آئی تو گنتی کے آٹھ دس آدمی تھے-باقی سب چل دیئے- معلوم ہوا کہ یہ لوگ اپنا کلام سنانے کو آئے تھے، میرے کلام کے شائق نہ تھے- خیر جب میری غزل پڑھی گئی ہے تو خدا کی عنایت سے جو ہمیشہ سے میرے کلام کا رنگ ہے اور جو کیفیت مشاعروں میں اور جا ہوتی ہے وہی یہاں ظہور میں آئی- ہر چند کے اس وقت بہت ہی تھوڑے سے آدمی تھے- مگر تمام حیدر آباد میں شہرت ہو گئی- پھر اور بڑے بڑے معرکہ رہے، جو حضرات کے یہاں استادوں میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے صدہا شاگرد بھی ہیں اور واقعی کلام میں ان کا پایہ استادی کو پہنچا ہوا ہے وہ حضرات سب مشاعروں میں شریک ہوتے تھے- خدا نے ان کے سامنے آبرو رکھ لی- کوئی غزل کسی صاحب کی غزل سے انیس نہیں رہی اور قصائد کا حال تمام حیدر آباد پر روشن ہے میرا لکھنا فضول ہے-ان حضرات میں اکثر شعرائے نامور اہل لکھنو سے ہیں- دلی والوں میں فقط ہم دو آدمی تھے- یا داغ صاحب یا فقیر ظہیر- سو داغ صاحب بذات خاص مشاعروں میں آتے نہ تھے- فقیر البتہ ہر مشاعرہ میں جا موجود ہوتا تھا- انجام اس کا یہ ہوا کہ ان بزرگواروں نے مشاعرہ میں آنا ترک فرمادیا- مہاراجہ مدار المہام بہادر کے مواجہ میں بھی اکثر جیسے ہوئے خدا نے وہاں بھی سرخرو کیا-ان جلسوں کی حقیقت حاضرین مشاعرہ کے دل پر منقش ہے مگر افسوس صد افسوس، صلہ اور مزد ایسی جانفشانی اور عرق ریزی و خون جگر پینے کا- سوائے رشک و حسد و نیش زنی و بیخ کنی کچھ نہ دیکھا اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی داغ صاحب مرحوم و مغفور کی بھی زندگی بھر یہی کیفیت رہی کہ لوگوں کو رشک و حسد رہا اور ہمیشہ خواہی نخواہی مورد اعتراضات رہے- علی ہذا القیاس میں بھی اسی بلا میں مبتلا ہوں ۔

بعذ رو توبہ تواں رستن از عذاب خدای ولیک می نتاں از زبان مردم رست

بھلا داغ صاحب سے اگر رشک و حسد تھا تو بجا تھا کہ ان کو خدا جانے صاحب جاہ منصب کیا تھا مجھ بد نصیب کو تو پیٹ بھر روٹی بھی نصیب نہیں- مجھ سے ناحق کا بغض الٰہی

ہے۔ حاصل کلام جس قدر شہرت قدردانی حیدرآباد سنی گئی تھی اسی درجہ کسادبازاری پائی گئی بے ہنر ارجمند و عاقل خوار اور میں ذات خدا پر توکل کیے ہوئے بیٹھا ہوں۔ جب تک آب و دانہ ہے بسر کرتا ہوں۔ اپنے خداوند نعمت کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں۔

تمت بالخیر

☆☆

۳۰	بچے کی تربیت (اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)	ڈاکٹر ام کلثوم	60/-
۳۱	انبیائے کرام (مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات)	غلام رسول مہر	120/-
۳۲	خانۂ کعبہ کے معمار اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام	علامہ عباس محمد العقاد المصری	100/-
۳۳	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات	ڈاکٹر ثریا ڈار	100/-
۳۴	تجدید فکریات اسلام	ڈاکٹر وحید عشرت	100/-
۳۵	آسیبی اثرات سے حفاظت کی چند کارگر دعائیں	مطلوب احمد قاسمی	30/-
۳۶	اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش	پروفیسر سلیم چشتی	50/-
۳۷	آخرت کی زندگی	مولانا ابوالکلام آزاد	15/-
۳۸	محمد بن قاسمؒ سے اورنگ زیبؒ تک	پروفیسر سعید الحق	160/
۳۹	مغرب کا عروج اور متوقع زوال	ڈاکٹر محمد امین	150/-
۴۰	عقلیات ابن تیمیہؒ	مولانا محمد حنیف ندویؒ	120/-
۴۱	محاضرات قرآنی (قرآن کریم کی تاریخی اہمیت)	ڈاکٹر محمود احمد غازی	140/-
۴۲	افکار ابن خلدون	مولانا محمد حنیف ندویؒ	120/-
۴۳	۱۸۵۷ء پہلی جنگ آزادی (واقعات وحقائق)	میاں محمد شفیع	120/-
۴۴	یہ باتیں بھی قرآن میں ہیں	میاں محمد افضل	160/-
۴۵	سیرۃ القرآن	سید معروف شاہ شیرازیؒ	100/-
۴۶	حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ۱۰۰ قصے	شیخ محمد صدیق منشاوی	35/-
۴۷	حضرت عمر فاروقؓ کے ۱۰۰ قصے	شیخ محمد صدیق منشاوی	35/-
۴۸	حضرت عثمان غنیؓ کے ۱۰۰ قصے	مولانا خرم یوسف	35/-
۴۹	حضرت علی مرتضیٰؓ کے ۱۰۰ قصے	شیخ محمد صدیق منشاوی	35/-
۵۰	حضرت حسن اور حسین کے ۱۰۰ قصے	ابن سرور محمد اویس	35/-
۵۱	احادیث رسول سے منتخب ۶۰ ساٹھ دلچسپ واقعات	محمد بن حامد بن عبدالوہاب	60/-
۵۲	آنحضرتؐ کے بیان فرمودہ سبق آموز واقعات	طلعت عفیفی محمد سالم	85/-
۵۳	خاندان نبویؐ کے چشم و چراغ	ابن سرور محمد اویس	70/-
۵۴	تعلیمات شرعیہ کی روشنی میں محبت کی حقیقت اور تقاضے	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	165/-
۵۵	آداب اعمال اور دعائیں	مولانا احمد عمر خاں	40/-
۵۶	قرآن حکیم انسائیکلو پیڈیا	ڈاکٹر ذوالفقار کاظم	295/-
۵۷	صحابۂ اکرام انسائیکلو پیڈیا	ڈاکٹر ذوالفقار کاظم	360/-
۵۸	۱۸۵۷ء کے چشم دید حالات	سید ظہیر الدین ظہیر دہلوی	125/-

اریب پبلیکیشنز 1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی فون:23282550

۱۸۵۷ء
پہلی جنگ آزادی
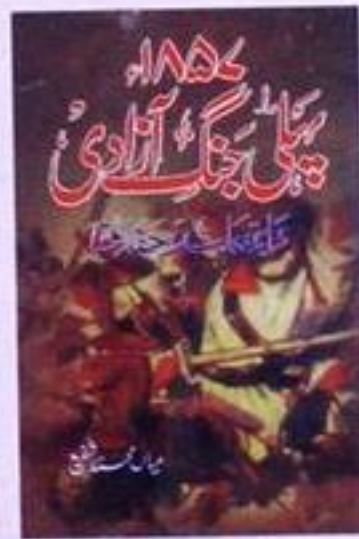
Rs. 125/-

Areeb Publications
1542, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2 (India)
Ph : 23282550 • e-mail : apd@bol.net.in